

ملکت ہے خاموشی صفت غنیمت
منہ سے نکلا جو سخن بکثرت برباد ہوا
صرف خاموشی بہار زندگانی چاہئے
منہ میں زبان بے زبانی چاہئے
غنیوں میں غنیمت ہے بہتر ہے خاموشی
چاہئے جو بقا نطق جس نفس میں
چاہئے جو حیات فقر خاموشی ہے
چاہئے آدمی ہے خاموشی بات
یہ صد آدمی ہوئی پائی بات
منہ سے نکلی ہوئی مشہور نطق
غظ ساں سے ہوں میں شہور طر
نطق خاموشی ہے قلم کی طرح
جو چاہو تو تم کو کہ لو چپ چاپ ہیں ہم
گویا زبان نہیں ہے اپنے دہن کے اندر
کون سنتا ہے کسی کی خلق بے پروا ہے
بات دل کی دل میں رکھے کہ غنیمت
خوش رہنے میں وہ لطف ہے کہ غنیمت
ہزار ہوں جو زبانیں تو گفتگو نہ کریں
بے پروا

خاکساروں کا ترے شوق میں اٹھا تھا غبار
ہوئی کدورت دل دور خاکساری سے
جھکوں جو اہل تبختر سے خاکسار نہیں
رگ گردن پہ جھکنا نہ ہو تو جھک کے مل اس سے
ناصر ہر ایک جنس سے ہے تو حقیر تر
جو افتادہ ہیں وہ اندازے موزی سے رہیں
نساخ اپنی اپنی سمجھ میں بقول ذوق
خاکساری سے نہیں بہتر جہاں میں کوئی شے
بغیر مرغونی جمع زر سے خاک ہو حاصل
نہ خاکساری کی عادت چھٹے گی کامل سے
خاکساری وہ ہے کہ ذروں پر
طبیعت میں ہے اپنے انکساری
بشر کو چاہئے گزرے نہ خاکساری سے
بشر کو خاکساری ہے مناسب
ہستی کی گرہوں سے تو جھک جھک کر قائم
لیجا کے بگولے نے یہ کی دشت میں تعلیم
درۃ التاج ہر ہے ذرہ
نہ اتر امرے تن سے جامہ خاک
پیش خدا وہ خلق سے زائد ہے ہر طرح
غیر تخت ہے ہم خاک نشینوں کو زمیں
قطرہ سے بحر ذرہ سے خورشید ہو گیا
جب خاک ہوا میں تو ملا رتبہ اعلیٰ
خاکساری میں وطن حاصل ہے مجھ کو سلطنت
خاکساری جس کو سلطانی ہے اس عالم میں
اے ولی تیغ غم سوں خوف نہیں
سرکشی رکھتا ہے کیوں رکھ خاکساری پر نظر
خاکساری سے دلا ہوتی ہے سرسبز نصیب
خاکساری چاہئے مرنے سے پہلے زیت میں
کیوں مرتبہ بلند نہ ہوا نکسار کا
ذرہ ناچیز تاباں خاکساری سے ہوا
خاکساری گرد خوری کو نہ کیوں کرے فنا
اوج شان خاکساری کے حضور

رہ گیا ہے یہ وہی عرش معلان کو
اس آئینہ میں جلا رکھتے ہیں غبار سے ہم
فلک سے دیکے رہے جو یہ وہ غبار نہیں
یہ وارایا ہے جو تسمہ نہ گردن میں لگا رکھے
ذرہ کو بھی نہ دیکھ حقارت کی آنکھ سے
الچھتے کس نے دیکھا خار سے صحرا کے دامن کو
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں
خلق میں سب سے بڑا رتبہ ہے آدم زاد کا
زوال دولت قاروں کا باعث گنج قاروں کا
فلک پہ ابر جو پہنچاے تو بھی آب گرے
روز باران نور ہوتا ہے
لکھا ہے نسخہ اکسیر دل پر
کیا ہے خاک سے پیدا خدانے انساں کو
حقیقت خاک ہے اس آدمی کی
باعث فنا کا ہے یہ ابھرنا حباب کا
بے خاک نشیں ہونے کی عزت نہیں ملتی
اوج پر شان خاکساری ہے
وقار اپنی اسی میں آبرو ہے
جو شخص اپنے آپ کو سمجھا ہے سب سے کم
صورت چتر ہے یہ گنبد گرداں سر پر
اونچا کیا ہے مجھ کو مرے انکسار نے
سمجھا تھا تخت ثرے عرش بریں تھا
ہے مجھے تخت سلیمان چھانوں پائے مور کی
کاسہ خاکی اسے جیوں چینی فقور ہے
خاکساری بدن پہ جو شہنشاہ ہے
آئے گی اک روز خاک دوست دشمن زیر پا
خاک میں دانہ ملے جب کشت دہقاں ہنرمو
کیوں غرور زندگی ہے مر کے ہونا خاک ہے
جھکنا ہی فیض ہے شجر باردار کا
منکسر ہونے سے اسکو ہو گیا حاصل فروغ
آدم اشرف ہو گیا ہوتے ہی پیدا خاک سے
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

بے بہروں میں بہروں کی طرح بیٹھے اے بحر	کانوں کو خدا رکھے خرافات سے محفوظ	بحر
نہ کرحق میں بزرگوں کے کڑی بات	کہیں گے لوگ چھوٹا منہ بڑی بات	"
متانت ہے بہت کم بولنے میں	خوشی دو گھڑی ہو دو گھڑی بات	"
دُر دہن کے لئے خاموشی مناسب ہے	یہی ہے قفل نہیں جس میں کیل کا کاٹا	"
جو بات کی انسان نے معلوم ہوا حال	منہ کھلتے ہی دروازہ کھلا عجب ہنر کا	"
لطف خاموشی کے آگے بیچ ہے	خوشنوائی، خوش بیانی، کوئی ہو	بیدل
زمانہ کرو دغا سے بھرا ہے اے پرتو	ہزار بات سنے ایک بھی کہا نہ کرے	پرتو
ایک صورت پر بسر کرتے ہیں ارباب سکوت	شست و شو سے پاک دیکھا پیر ہن تصویر کا	تسلیم
ہائے بے دیکھے رکھ کر قی ہے کیا کچھ زبان	دیکھے سب کچھ۔ نہ کہئے کچھ بھی آنکھوں کی طرح	نقاب
جو کچھ کھویا وہ کھویا بات کہہ کر	جو کچھ پایا وہ پایا خاموشی میں	"
بزرگ غنچہ ملا ہے ہمیں دہن خاموش	نسکایت چمن روزگار کیا کرتے	جوار
دہن ہے بند جب تک راز دل پوشیدہ ہے اپنا	کھلے حال اسکا کیا جس گھر کا دروازہ مقل ہے	"
ہرگز کسی کے سامنے کچھ تذکرہ نہ کر	آگاہ ہے خدا ترے ہر ایک حال کا	"
بولنے سے چمن دہر میں رسوائی ہے	بو نہ پھوٹے دہن غنچہ جو خاموش ہے	خلیل
واں گالیوں پہ منہ ہے ہمیشہ کھلا ہوا	یاں ہر خاموشی مرے لب پر لگی ہوئی	داغ
سزا قدم زبان ہیں جون شمع گو کہ ہم	پر یہ کہاں مجال کہ کچھ گفتگو کریں	درد
بے زباں ہے بد زبان سوسن	اس چمن میں کسے مجال سخن	"
وصف خاموشی کا کچھ کہنے میں آسکتا نہیں	جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے	"
کہے ایک جب سن لے انسان دو	کہ حق نے زباں ایک دی کان دو	ذوق
بات آوے نہ تو چپ رہ کہ گماں کے نزدیک	سو طرح کا ہے سخن پردہ خاموشی میں	سودا
پوچھے بھی وہ تو ہم نہ کہیں آرزوے دل	وہ بات گیوں کہیں جو ہو اپنے دہن سے دور	"
ہوں تو چراغ راہ ہنر زیر آسماں	لیکن خاموش ہو کے سر شام رہ گیا	"
کر اختیار کم سخن تو بھی اے شفق	ڈھکتی ہے آدمی کے خاموشی ہزار عجیب	شفق
مرغان نواسخ کو صیاد نے چھانا	محفوظ رہے ہم لب خاموش کے باعث	شہید
سپر بدنامیوں کی خاموشی ہے	کہ خوف آتا نہیں اپنی زباں پر	صابر
جب اس زمانہ میں قدر ہنر نہیں طاہر	تو پھر سکوت ہی بہتر ہے خوش بیاں کے لئے	طاہر
لب خاموش نے سکھائی بات	کہ نہ کہنا کہیں پرانی بات	"
میں نے سوار آزمائی بات	منہ سے نکلی ہوئی پرانی بات	"
خاموش رہنا چاہئے دنیا کی شور و شگاہ میں	سنا کسی کی اے ظفر بیان کون شور و غل میں ہے	ظفر
نشو و نما ہے اصل سے غالب فروغ کو	خاموشی ہی سے نکلتے ہیں جو بات چاہئے	غالب
حق کہو تلخ۔ جھوٹ بولو گنہ	بس خاموشی سخن سے بہتر ہے	قدر
خاموشی سے ہوا ایسا میں عزیز ہر دل	مثل تصویر کسی پر کبھی دو بھر نہ ہوا	"
نکلے نہ نیک و بد کبھی منہ سے خدا کرے	ہر سکوت قفل در خیر و شر ہے	"

خلق
عوام الناس سے مت رکھ توقع آدمیت کی
کہ اکثر لوگ دروہاء و شغال و گریہ و گسگ ہیں
جو اچھے ہیں وہ اچھا جانتے ہیں ساری خلقت کو
چہ خوبی نہیں وہ ہر دم بڑھتے ہیں مروت کو
منظور گر فلاح ہے دنیا و دین کی
انسان کو چاہئے کہ خود اپنا ادب کرے
کہ تار ہے محاسب نفس روز و شب
تا نیکی و بد سے اپنے سارے مطلع رہے
جو جذبہ ہائے نفس میں روئے انہیں ملام
رستہ اگر چلے تو ذرا دیکھ کر اچھے
اک بادشاہ وقت سے قوت میں بڑھ گیا
یہ وصف جب کہ داخل معمول ہو گئے
پر دل میں کبھی اپنے یہ خطہ نہ آنے دے
دنیا میں اس کی قدر ہو اور آبرو بڑھے
تم نکھیں بچا میں اہل جہاں اسکی راہ میں
چو کہل کو اس کی خلق خدا چوم کر چلے
میں کی دلفریبیا آتا ہے اس سے فرق
ترنجیب بد میں جیسے کوئی پارسا پہننے
فطرت کے اعتدال نے جس دل میں گھر کیا
بے خوف

زبان تیغ کو دیکھا ہے بیشتر خاموش
 ہم نشان تک بھی نہیں رکھتے وہاں گور کا
 لٹ گیا جھگڑا ہوا احساں لب خاموش کا
 گو سراپا ہے زباں کرتی نہیں گفنا رشمع
 ہزار ہوں بھی زباں تو گفت گو نہ کریں
 نہ پایا کچھ ہوئے بس وقت والے
 کچھ زبان شعلہ سے کار بیاں ہوتا نہیں
 خاموشی سے کبھی بہتر کوئی تفسیر نہیں
 نصیب جس کو لٹا ہوا ہے حصار خاموشی
 حیرت کے باج اور ہے سب قیل وقال محض
 خواص کا ہمیشہ خوشی کمال ہے
 ایک چپ لاکھ کو ہسراتی ہے
 لب صدف کے جو ہوئے بند تو گو ہر پایا

خلق

وہی ہے پھول جس میں رنگ و بو ہو
پرورش پایا ہوا یہ آدمی ہے شیر کا
وہ کام کر کہ تجھ سے ہو بیگانہ آشنا
خواہاں نہیں ہیں ہم قدح بے شراب کے
اہل ریا کا خلق ملاقات عید ہے
آفاق میں کروڑ ہیں باتیں۔ دہن ہزار
اسم اعظم ہو وہ تاثیر باں پیدا کر
دہر میں معدن یا قوت نہیں ہر پتھر
یوں تو ہے گھاس بھی جنگل میں بشر کی صورت
بیکار بزم میں قدح بے شراب ہے
کانٹا مری نظر میں ہے جو پھول بو نہ دے
کانٹوں میں پھول دانتوں کے اندر زباں ہے
مرے حباب نہیں ہے وہ فصل آدم سے
انسان سمجھتے ہیں ہم انساں کو ادب سے
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہے

خلق

بجھو خدا کے واسطے کچھ بڑا نہیں
 دودن اگر کسی کے کوئی کام آگیا
 گلشن ہستی میں منظر بات وہ پیداوار
 دوست کیا دشمن کے دل میں جس سے تو تیرا کار
 جل میں خوش خلقی سے منظور نظر اسے شہنشاہ
 بن عالم میں نظر پڑتی ہے کس کی خار یہ
 گوسالہ پر شد و شد نہ آیا ذرا ہنوز
 بڑے ہوتے ہوتے شور نہ آتا ہے جنت
 ہیں مراد اب وہی کہ جہوں کا چلن درست
 جنت انجیل کے واسطے جو حسن خلق
 آدمیت کا ہے جو ہر جہانکے
 جھٹ کے مل سب سے جہانکے
 کہ وہ بات کہ جو باعث ملال نہ ہو
 چلو وہ چال کوئی جس سے پائال نہ ہو
 وہ چال چل کہ آنکھیں پھیں تیرے زیر کیا
 وہ بات کہ دل میں کسی کے اندر کرے
 کام نامزد کا ہے خلق کو دنیا آزار
 ہے وہی مرد کسی دل کو جو خورشید کے
 غائبانہ نہ شہر ایسی کوئی بات کے
 دودن ہو کے نہ جو وقت ملاقات کے
 دراز ترک

مصحفی

مضطر

پانچ

نصیب

نہیہ

بہرہ

واری

اس سے کیا بہتر ہے دنیا میں جو حاصل ہو تجھے
 ہمیشہ رہے رضا مند اُس سے خالق
 گزار اپنے دن عمر کے چند روز
 کوڑی نہ صرف ہوگی عالم مطیع ہوگا
 خلق سے ہے بعید یہ سید
 حلم و تواضع و ہنر و داد دیا د خلق
 حسن اخلاق سے ہے قدر بشر دنیا میں
 ادب ہے جامع انسانیت کہ اُس کو تیز
 ظہیر راہ فنا میں نہیں مجال کلام
 نہ کہ ظالم دل آزاری جو دل منظور ہے لینا
 جو ہو گامرد معقول اس کو ہوگا پاس ہر اک کا
 اسے ظفر ہے جہاں میں خلق کہاں
 اخلاق ہی بہتر علی احمد ہے ہر اک سے
 مہرباں ہو کے بلا لوب مجھے چاہو جس وقت
 وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
 تمیز نیک و بد خلق ہے رویت سے
 جھک جائے اس سے پہلے بھکے جو کہ آپ سے
 دشمن جاں کو ہو جو دوست بنانا منظور
 کرنے آداب میں کمی قنبر
 جس چال کو کہ چار کہیں واہ واہ وا
 اچھے وہی ہیں سب سے اچھے خیال جنکے
 مومن نہ توڑ رشتہ زنا رہم ہمن
 کیسیا ہے خلق کیا کافی نہیں
 بدلتی جبر سے ہے کوئی نوحے بد بھی کبھی
 نہیں تعلیم اعلیٰ سے بھی جب اخلاق ربانی
 نہیں گرا آدمی میں آدمیت اور ہمدردی
 ہو حکومت یا نہ ہو اخلاق اعلیٰ چاہیے
 خاک کا پتلا ہے آدم جو کوئی اچھی کہے
 خوش سیرتی ہے جس سے کہ ہوتا ہے اعتبار
 سیت سے گفت گو ہے کیا معتبر ہے صورت
 شریف مرد شرافت سے منہ نہ پھیرینگے
 ظاہر میں گرچہ رکھتے ہیں اہل ریا خلوص
 بے ادب کو نہ ادب ہے نہ بلاؤں کا ہے ڈر

اچھا خلق اچھی طبیعت اچھی خواجھا مزاج
 جو رکھے خلق سے نیک اپنے اخلاق
 باخلاق و آداب و لطیف و کرم
 اخلاق سے بھی بڑھکر دولت نہیں ہے کوئی
 چھوڑ دوں طرز محبت کیونکر
 جس شخص میں یہ وصف نہیں وہ بشر نہیں
 پھر گھر کیا ہے وہ جب آب گھر سے نکلا
 وگرنہ خلقت انسان بھی ایک حیواں ہی
 چلے چلو سر آداب کو جھکائے ہوئے
 کسی کا دل جو ہاتھ آیا تو دل داری سے ہاتھ آیا
 اگر دُور آپ کو کھینچے گا نامعقول کھینچے گا
 اب تو خلقت کا اور ہے نقشہ
 باقی نہیں دنیا میں بڑا بول رہا ہے
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
 عیاں حقیقت انسان ہے چلن کے بیج
 اُس سے کرے غرور جسے کچھ غرور ہو
 حسن اخلاق سے بڑھکر نہیں کوئی تسخیر
 جس کو جو کچھ ملا ادب سے ملا
 وہ چال وہ چلن وہ رویہ اٹھائیے
 آوارہ پھرتے ہیں جو وہ ہی پھینگے تینکے
 مت کر وہ بات جس سے کوئی دشمن ہو
 کیوں عبث میں طالب دنیا رہوں
 ہزاروں کھیل رہے ہیں شکار پر دگیں
 تو پھر کس بات میں ترجیح ہے عالم کو جاہل پر
 فضیلت حضرت انسان کو پھر کیا اور حیواں پر
 اہل دل ہوتے نہیں اس دار ہستی میں خراب
 عالم خاک میں برسوں تئیں وہ بات رہے
 ہے چوب خشک بوجہ نہ ہووے اگر کے بیج
 ہے ایک سوکھی لکڑی جو بو نہیں اگر میں
 وفا کے بدلے جفا کام ہے رذالوں کا
 ایسا خلوص بھی ہے تو کس کام کا خلوص
 شانہ کیسا تری زلفوں سے لگا جاتا ہے

سرور

سیف

سید

شفیق

شادان

صادر

ظہیر

ظفر

علی احمد

عالم

فیض

تلخ

قاسم

قنبر

قلب

کمال

مومن

محب

میر

میکش

مصحفی

خوشی و غم
خداوند کی دل کے ہیں سب بے ثبات
اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
اپنے لب تو داندہ کر اسے خندہ زخم ہو
چرخ دیکھا لاکھ غم اس شادی کی
خام و سرسبز زمین میں خوشی ہوگی
خوشی میں رنج کہیں سبب میں خوشی ہوگی
خوشی جتنی تو کیا جتنی ازل میں
خوشی ہے کہ غم تصور انداپا
غیبت سے آغا ہم خیانت سے آئے غیبت
بزم و شادی سے کوہِ یاران ہوئی ہیں
فلک دنیا ہے بجا پیش اکو غم ہی ہوئی
جہاں جتنے ہیں نقاب سے وہاں ماتم ہی ہوئی
شادی و غم ہم کو یکساں ہوئے
وادی و شادی میں نہایت بنا ہو گا
بلکت میں کوئی بلکت نہ بنا ہو گا
کر نہ بننے پہ دیا ہو گا
خدا کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک صل
کی کو فکرت دل کو غم کی فکرت دل
ہاں پیش کہے ہر سے میں چھیڑکھنی ہے
جہانم طرب ہوں خود برہم زونی ہے
دل صدیک

64

۱۰

 \mathcal{E}_2

3

خوشی اور غم دونوں اس ہا میں تو ہم
کہاں کے شرفی کہاں کے فراقی ہم کہہ سکیں بھلائی
میش و آرام کے اسباب نظر آتے دے
ہر بہت غم کے بعد خوشی کا زمانہ ہے
خوشی کو آج نگ میں نے پہچان لیا ہے
رازیں کوئی شادی نہیں ہے بے کینکے
ہم یہ کہتے ہوتے ہیں راستہ درستی چلتے
رہی رہتا ہے کسی کا نہ کسی کی راحت
مرنے کی کچھ خوشی نہ ہوتی سست غم ہوا
مدت سے افروں جو خوشی ہو تو پھر اہام ہے غم
غیر کا رنج ہے سو ذی کے لئے راحت ہاں
کیا یاد نہیں ہے اُسے تکلیف کے ایام
کس شوق سے اس چوس رہی ہے گل ال کا
حق تو یہ ہے وہ اپنے ہیں اچھا ہے غم انکا
ایک کی راحت سے یاں ہے ایک کو افسوس
اک طرف شور و فل ہے میٹھش خوشی
ہیں عداوہوں کو اک پہلی میں سوجھ کے میٹھ
کب تلک نہ رکے لئے پھر تا رہے گا وہ
وقت ہی کی بات تو ہے وقت کو آتے چلے
رنج سے صورت ہام میساں ہوتی ہے
کبھی ہے مرگ کا رونا کبھی نشاۃ حیات
بسر کی صورت تصور ہے دل ہم نے دنیا میں
واقف حیات و مرگ کے جگڑے سے چھین
شادمانی کا مزہ کیا غم نہ ہو جب تک شک
تکلیف ہے ویسل خوشی کی نہ تلک
خوب گزری گی اگر مر کے وہاں تک پہنچے
خاک آفرشس کھ میں جس راحت ہوگی
کس نے خوشی سے نہر تلک مر کی ہر
بہار کی کبھی شادی کبھی غزاں کا ہے غم
مقام و ہر بھی طرف غم سمجھتے ہیں
غزاں جب آئیگی کیسے تو پھر سمجھ لیا
کبھی خوشی ہے دل اور کبھی درد
جہاں بھابہ اندوہ و عشرت ہم

کسی کا زب ہے کسی کا بس ہے
 یہاں ہی کہ ہوا خوش ہر طرف ہی اک قسم ہے
 اپنے بیٹے کے دنیا میں سہا سہا ہے وہ
 ہے شہب اپنی سینہ زلی ثناء دیا ہے
 گراں دور و دم رنج و الم ہے آشتی کے
 شب وصال ہے عز کے گر گھر کے ہیں
 سناٹ دپے سے عہد ہے صباں و دنا
 ہا۔ دن کے سے مہم مہم شگفتہ
 ہمالی کی مل مزار میں ملن منم ہوا
 جب اسی آئی لڑا وہ بہتے آسم پہا
 سانپ کے واسطے سم آپ ہتا ہوتا ہے
 پہر لہے ہوا آنا لعل شمس ہیں منم
 یقی ہے مولا آپ کس بخش ہیں ہم
 جن کو نہیں رہتی ہر کس بخش ہیں ہم
 کان کو مال ہے است بہت اس گد مل ہیں
 اک طرف آہ دور و الم ہے
 دوست کو اپنے تو دنیا نہیں آزاد لدا
 ہے جہاں کی ناخوشی و ثار دانی چند روز
 کوئی خوش ہے ہے کہیں دور و الم کا
 جہد و جہم پس راہ و معان ہوتی ہے
 پسنے ہوتے ہیں دور گی کے ہم ہدا ہے کیا
 خوشی آئی قریب پہنچے ہاں اس ہم آیا
 بننے کی کچھ ناخوشی نہیں مولا کا منم نہیں
 ثور الم ہا ہے شہر سہا کسا و ہیں
 راست عروج و سر ہوتے گر کے ہا و ہیں
 کر نہ تخلیف و اس ہر گی نہ راست ہو گی
 آج مرنا بیگے گل نگر قیامت ہو گی
 غدا اس جو آئی پاک گریبان سحر گئی
 بیان میں عشرت وادہ وہ تو امان صبار
 کسی کو رنج و الم ہے کوئی یہاں مخلوق
 خوشی سے نرست کے ہاں آپ یہاں تھا
 زناہ کا بجے ہے پست و بلند
 کہیں صبح بخش و کہیں شام ہم

دل صد چاک ہے گل خنداں
نہ سمجھا درد ہم نے بھیدیاں کی شادی غم کا
جہاں میں عرصہ عشرت سے سوادہ چند ہو غم کا
ہو خوشی بے رنج سویہ ہے زمانہ سے بعید
چمن دہریں تو ام ہیں سدا شادی و غم
اس باغ میں اک گل کو خنداں جو کہیں دیکھا
گل دیکھے جو سو غنچے نظر آئے ہزاروں
عیش آلودہ افسوس ہے اس جا کہ حنا
خوشی و دل کو اک جا پر نہ دیکھا میں زمانہ میں
لاکھ شادی ہو نکل آتا ہے غم کا پہلو
آج جو عیش میں ہے کل ہے مقید غم کا
سب کے لئے جہان میں ہیں شادی و ملال
غم و عیش تو ام ہیں باغ جہان میں
عیش دنیا میں ہے غم عقیقہ
خدا شیار سے ہے ظاہر نیک و بد
دور عالم میں مقدم کیوں نہ سمجھیں غم کو ہم
اندوہ دائمی سے کٹے کس خوشی سے عمر
میری قسمت میں نہ لکھا اس قدر گونج و غم
رنج میں بھی عیش کا لطف رہا عمر بھر
بزم عالم میں بہم شادی و غم ہیں دونوں
خوش کوئی کیا ہو ہمیشہ کہ خوشی ہے گاہ غم
جب عشرت و نشاط کا موسم گزر گیا
غم و شادی بھی اک جا ہو زمانہ کی دورنگی سے
رنج و راحت ہیں زمانہ میں ملے
رفع الم حاصل لذات دنیوی
ہے جو یہ صبح تو وہ شام نہیں
کوئی غم ایسا نہیں جس میں نہ ہو سامان عیش
زحمت ہے گویا بحر جہان خراب میں
سج پوچھئے تو عیش کا باعث ہی رنج ہے
آنکھ رونے کے لئے ہے لب نہی کے واسطے
عیش و غم تو ام اگر ہیں عالم اسباب میں
ہائے اس میخانہ میں تو ام ہے شادی غم کے ساتھ
کبھی ہنسے کبھی روتے فلک کے نیچے ہم

شادی و غم جہاں میں تو ام ہے
سحر خنداں ہے کیوں روتی ہے کسکو یاد کر شبنم
اگر ہے عید کا اک دن تو عشرہ ہے محرم کا
نوش دے بے نیش یہ زہور خانہ سے بعید
خندہ گل نہ رہے گریہ شبنم سے دور
سو غنچے کی واں صورت دیگر نظر آئی
خوش لہنگے کم اس باغ میں مغموم بہت ہیں
جس کو پہنچی تو اُسے ہاتھ ہی ملتے دیکھا
چمن میں گل اگر خنداں ہے تو بلبل بھی نالائک
نالہ پوشیدہ ہے آواز میں شہنائی کی
اک طرح پر نہ کبھی حال کسی کا ہو گا
وہ کونسا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں
جو شبنم ہے گریاں تو گل خندہ زن ہر
نفع کو دیکھ اور ضرر کو دیکھ
عیش کی خوبی جہاں میں غم کے ساتھ
اے شہیدی ماہ ماتم سے شروع سال ہے
گر مجھ کو غم نہ ہو طرب گاہ گاہ کا
سادہ رہ جاتا نہ دفت منشی تقدیر کا
روز دکھاتی رہی گردش ایام قص
ایک ہستابے ظفر ایک ہے گریاں و تا
ہاں مگر وہ جو کہ ان دونوں کو سمجھے ایک سا
تو کیا گزرنے جائینگے رنج و محن کے دن
ہنسی شدت سے جب آتی ہے تب آنسو نکلتے ہیں
شاد کوئی کوئی نا شاد ہوا
ہو عیش کی طلب جہاں میں بنا رنج
عیش و غم دونوں کو دوام نہیں
نغمہ شادی ہے پید ا نالہ مزار سے
آرام کچھ ہر آئینہ اس پار پار ہے
مزانہ ہو تو جینے میں کچھ بھی مزانہ ہو
عیش و غم کے ہیں یہ سامان آدمی کے واسطے
تو کف افسوس زیبا ہے جلاجل کے لئے
تہقہہ شیشہ کا دیکھا دیدہ پر غم کے ساتھ
یہاں گزرے کئے برق و سحاب کی مانند

درد
ذوق
سودا
غیر
سید
شفق
شاہ
شہیدی
طاہر
ظفر
عاشق
غیر
فدا
فروغ
فوق
قدر

خوشی و غم

جہاں وہ چند روز کا یہ جاں کے ساتھ ہے
کیونکہ زیادہ عیش سے مجھ کو وہ بھائے رنج
صبح عیش اپنی شب غم میں دکھلائی گئی
رنج کے بعد ہوا کرتے ہیں اکثر غلطیاں
راحت کے ساتھ رنج بھی ہے رنج شبنم جہاں میں
خشنے گل کے روتی ہے شبنم جہاں میں
ہوئی ہے دل کی محبت سے بکھاں یاں غم جہاں میں
یہ نام نہ گاہے میرے جینے کی شادی ہے
شادی سے غم جہاں میں روزیاں دبا ہے
جہاں تنگ کر دیتے ہیں ربا غم
کوئی دن میں تکلف سے میں تو سن اسے نیم
یہ ابون فطراذیت سے میں تو سن اسے نیم
نیز رنج و خیال نشا طام مجھ کو نہیں
وقت خوش دیکھانہ اک دم سے زیادہ دم میں
خندہ صبح چمن پاشل شبنم روتے
شادی و غم میں جہاں کے ایک سے دیکھو فرق
عید کے دن خشنے تو دس دن محرم روتے
غم بادل میں کبھی عیش رہا تو دم زیست
یہ جو کبھی جہان سے خالی نہ ہوئی
راحت تھی

[illegible]

راحت تھی ابتدا میں تو ایذا اخیر میں
 خوشی کو کیا کوئی ڈھونڈھے کہ نام کو بھی نہیں
 اے مصحفی عشرت میں کہ عشرت میں بسر ہو
 اے دل تمام عمر یہاں کون خوش رہا
 ہیں رنج و راحت ایک اُسے جس کے کان میں
 خوشی کے ساتھ ہم آغوش غم نہ کیونکر ہو
 چمن و بہر میں تنہا نہیں بے رنج کے گنج
 خوشی کے بعد ہے غم غم کے بعد ہوشادی
 خوشی میں غم کا ہے ڈر غم میں خوشی کی امید
 خوشی حیات کو لازم ہے گرچہ ہو موموم
 جہاں کے شادی و غم در گزر ہیں
 اس جہاں میں نہیں جز رنج آل شادی
 کیا بزم روزگار میں نا ور ہے نام عیش
 عیش و عشرت کی تمنا حسرت و ارمان عیش
 شادی و غم ہیں زمانہ میں ہم بے کم و کاست
 وہ کون ہے جس کو کہ نہیں رنج و الم
 مخلوط ہی ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں
 نہیں خوشی کو قیام مانا الم کو کیسے دوام جانا
 راحت گزران ہے رنج بھی ہے گزران
 شادی سے نہ شاد ہو نہ غم سے غمگین
 میں نے دیکھا ہے سرور و الم تو ام ہیں
 تو ام جہاں میں دل انساں ہے اور غم
 رہتا ہے روز و شب کی طرح با ہم اتصال
 شادی و رنج ازل سے ہیں ہم میرے ساتھ
 ہونشاط یا غم ہو اپنی اپنی قسمت ہے
 میں سمجھتا ہوں کہ شادی کا سیر انجام ہے غم
 نوائے شادی و غم دونوں یوں تھے دوش بدش
 شادی و غم کو یہ مانا کہ ہم ہیں بسکن
 غم و شادی کو میں ایسا ہی سمجھا جس طرح کوئی
 ہنسنے کے ساتھ زخم نے کی خونفشانیاں
 کہے غم کا ہے عالم کہ خوشی کا
 ہے مرے قبضہ کے ساتھ ساتھ نالہ بھی
 گل بوہنتے ہیں تو کیوں وتی شبنم باغ میں

میں حرف عطف تو اب و عذاب تھا
 لئی ہے ہمارے دیار سے نصرت
 اپنے تو نزدیک مساوات کا عالم
 خوشی کے ساتھ جو اک دم بہت ہیں
 نفس ترانہ گلزار ایک ہے
 نفلوں ہی کے پہلو میں خار ہوتے ہیں
 بھی رکھتے ہیں یہاں نوک سرخار کو تیز
 ہی ہے لیسل و نہار کی صورت
 ج میں بھی ہے اندیشہ زوال مجھے
 یک سانس پہ پھولا حباب ہوتا ہے
 اس سے نہ اس سے شاد ہوں میں
 تے ہیں خاک پہ گل شاخ پہ خنداں ہو کر
 جو سیکڑوں میں تو میں پانچ چار خوش
 دن کا عیش یا رنج فنا کچھ بھی نہیں
 تھ ہی ملتے ہیں آدوست میں کہتا ہوں سدا
 کون ہے مسرور رہے جو یہ قسم
 ب شادی و غم مہر جہاں میں تو ام
 نہیں شادی و غم ہی تو ام الم تجھے کیوں حزیں
 دنوں اے مہر اس لئے میں یکساں
 میں شادی و غم جہاں میں تو ام ناداں
 یونکہ دنیا ہے وہ جا شادی و غم تو ام میں
 کہوں جو نعمتیں ہوئیں پیدائشکم کے ساتھ
 ادی کے ساتھ غم ہے تو شادی و غم کے ساتھ
 غم کی طرح مرے لب ہوئے خنداں پیدا
 جا ہے بڑا کس کا گرچہ ہے بھلا اپنا
 ل رہے ہیں کف افسوس جلا جل ایا
 کہ پس گیا گلِ نغمہ کف جلا جل پر
 سیکڑوں و ہر میں گریاں ہیں تو خنداں دو چار
 لگائے خون و امن میں کہ ناخن پر خنار کھے
 سیج کہتے ہیں کہ رنج خوشی کا مال ہے
 رہے پھر حال کیا یکساں کسی کا
 صدائے خندہ سے رہتی ہے تو امانیاد
 گلشن عالم میں گر شادی و غم تو ام نہیں

<p>خوشی</p> <p>جس جگہ پاؤں ٹھہرتا نہیں اور اس کا حال کیا ہو گا وہاں ہم سے گنہگاروں کا ہر خوف اگرچی میں تو ہے میرے غضب سے اور دل میں ہر وسوسہ تو ہے میرے عین کیوں نہ ہو خوف خستہ آئے گی آئے گی اک دن قیامت آئے گی زینت ہے خوف حشر میں مجھ کو گناہ کا نقشہ ملے گا سارا زمانہ بولے گرجہ ہو دشمن جاں سارا انسان کو خوف ہاں مگر چاہئے اللہ کا انسان کو فہم دینا غفر آدمی کو نہ جانے گا مکیا ہی فہم دینا جسے عیش میں یاد دلائے ہے عیش میں عیش عذرا خوف الہی سے عفو کی ہے امید کہ رنگ زرد بھی ہے نامہ سیاہ کے ساتھ غضب سے خدا کے جو ذکر کرے رونا سیاہی کو عیبوں کی اوہ دہر رہا ہے اس جہاں میں خوف حق سے بوسہ دار قرار دیا جہنم اس لشکر سے تھکا سفر ہو چکا خدا کا خوف کہتا ہے میدان قیامت میں کہنا ہر جگہ پر خاک میدان قیامت میں ہاتھ قائم</p>	<p>نظیر</p> <p>اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجئے اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجئے خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج کیا ہی تاثیر کی اس نسخے پانی ہے بواج غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سکہ دیتی ہے ہاں مگر ہر سے بدتر مابین یہ نیاری باتیں</p>	<p>اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے اولیا انبیاء اور رب کی خوشامد کیجئے بڑے عاقل بڑے دانانے نکالا ہے یہ دام عیش کرتے ہیں وہ ہے جن کا خوشامد کا مزاج ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکان ملک ورتاج خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے میٹھی میٹھی ہیں خوشامد کی تو پیاری باتیں</p>
<p>خوش مزاجی</p> <p>کبھی رونا مجھے آتا ہی نہیں تو دل مائل حسن اعمال ہو رہتا ہوں ذکر بن کر یا ران ہم وطن میں بڑھ کر ہیں وہ دن عمر کے عیسیٰ و خضر سے جائیں گے دنیا سے ہنستے بولتے شاد و بشاش رہے اور طبیعت ہر دم اُن کی ہوتی ہے ہر اک ملک میں عزت ہر دم تازگی دل کو ملے اور ہر طاقت ہر دم بد مزاجوں پہ ہو نفرین و ملامت ہر دم یاد رکھو یہ ہے خادم کی نصیحت ہر دم ظاہر میں ہے گو فرق بڑا شاہ و گدا میں کون کہتا ہے خزاں میں پھول کہتے ہی نہیں جب کوئی عنس نیا نظر آیا رنج کہتے ہیں کسے اور مصیبت کی محسوس</p>	<p>تسلیم</p> <p>تائب</p> <p>تائب</p> <p>شفیق</p> <p>میکش</p> <p>نور</p> <p>یکتا</p>	<p>شکل تصویر ہوں ہر رنگ میں شاد تو لطف خدا سے جو خوش حال ہو خوش حالیوں سے اپنی موج شمیم گل ہوں جو صحبت یا ران طریقت میں بسر ہوں جو مصیبت میں رہا کرتے ہیں خوش خوش مزاجی سے رہے دل کو مشرت ہر دم جو کہ دنیا میں ہیں خوش باش شریف و لائق خوش مزاجی سے ہر اک کام ہو پورا تیرا خوش مزاجوں کی تو دنیا میں ہو تعریف و ستا بد مزاجی سے رہو دور خدا را یا رُو آسو وگی دل سے ہے آزاد منش خوش باغ عالم میں شگفتہ دل ہیں ہم پیری میں بھی نور و دل کو ہوئی خوشی پسند ہم رہا کرتے ہیں ہر حال میں خوش لے بچتا</p>
<p>خوشامد</p> <p>دے نہ سامنے فرعون کے کبھی نہ ہوں نہ آندھی سے ڈرے نہ بہو بچال سے کب ہول باز پرس قیامت سے ہوگی بند اے مسلمان اگر ترے دل میں خدا کا خوف ہے وہاں یہ بال بال اپنا تبادو یو بگا حال اپنا حیرت کی دھلے کہ جو دنیا سے سفر ہو</p>	<p>اسیر</p> <p>بحر</p> <p>ترکی</p> <p>تراب</p> <p>حیرت</p>	<p>خوشامد</p> <p>خدا سے پاک ہے جس کو کسی سے بائیں خدا کے غضب سے ڈرا کیجئے وہ آنکھ خوف حق سے جو وقت سحر کھلے تو بہ کرا پنے گناہوں سے اور عصیاں چھوڑو غضب سے حق تعالیٰ کے بہت اسوقت ڈرتا ہے انجام ہو بہتر مری عسمر گزراں کا</p>

دروغگوئی

تسو

ہائے فتنہ نہ تری آنکھ پیچھی لیکن
خدا کا خوف جوانی میں مجھ کو آتا ہے
طبیعت پر نہیں کچھ فکر عقیقی سے لال آتا
بھی بھول کر بھی وحشت نہ کیا خیال فردا
غافل و خوف خدا کچھ نہیں رکھتے ہو بھلا
روز پریش سے ذرا دل میں رکھو خوف و خطر

ابر روتا ہے سدا خوف سیدہ کا رہی سے
مرے شباب پہ عالم ہے پارسانی کا
نہیں دلیں تمہارے خوف رب و اجمال آتا
میں رہا اسی سے غافل کہ جو کام تھا ضروری
تب ہی احوال کہلے گا ذرا مرنے دیکھو
اس قدر دنیا میں تم عقیقی کا ڈر مت چھوڑو

قائم
قطب
مہر
وحشت
ہم دم

دروغگوئی

دروغی باطل ہے انسان کو ہلاکت کا سبب
فریبوں سے عبث امید ہے مطلب برآری کی
جی اٹھا میں گونا گونا کربات قاصد نے کہی
چسپا بہت دروغ کا ہے زیر آسمان
جھوٹ اور غیبت کی عادت ہے بری
سچ کہو سب کی بھلائی میں رہو
جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو
ہے بڑا جھوٹ بولنے والا
فساد دہم کو کچھ نہ دیکھا جھوٹ
جھوٹ کا لپکا جو تجھ کو اسے زبان ہو جائیگا
صبح کاذب رو سیہ ہے صبح صادق رو سپید
کلہ باطل سے بھنڈے پر نہ چڑھو
یادہ گوئی آدمی کرتا ہے روٹی کے لئے
اقتدار باب دنیا سے ہمارا اٹھ گیا
ایسے جھوٹے ہو کبھی سچ بھی اگر ہو بولتے
تمام جسم کا دنیا میں بادشاہ ہے جھوٹ
کبھی عروج صداقت بغیر کیا ممکن
ہے جھوٹے پہ اللہ کی بس ہر گھڑی لعنت
جو جھوٹ کا عادی ہے وہ ہے خوار ہمیشہ
موت سے بدتر سمجھتا ہوں میں جھوٹی بات کو
نہیں ممکن کبھی مسرور و دروغ
کبھی جھوٹا آدمی تو نہیں ذی وقار ہوتا
کہو بات مانے کیسے کوئی جھوٹے آدمی کی
کوئی نیک سمجھے اچھا کسی جھوٹے کو بھلا کیا

حال کیا آفرانا حق سے ہوا منصور کا
گہر بید تھا گیا کب سوزن مرگاں سے آنسو کا
صدق سے بہتر دروغ مصلحت آمیز ہے
شاید کہ ماٹ نیل کا شاید بگر گیت
اس سے سب بچوں کو نفرت چاہئے
جھوٹ، چھٹی سے عداوت چاہئے
جھوٹ ذلت کی بات ہے آخ تھو
آپ کرتا ہے اپنا منہ کالا
جائے گا اک روز بھانڈا جھوٹ
ایک دن ہونا ہے جو کچھ وہ عیاں ہو جائیگا
وقت پر چھپتا نہیں کہتا ہے سب کا جھوٹ سچ
قصہ منصور سن - کچھ دھیان کر
جان لو دو لقمہ ابنائے دنیا جھوٹ سچ
منہ میں دو دربانیں دلیں کیا کیا جھوٹ سچ
اعتبار آتا نہیں صاحب تمہاری بات کا
خدا اپنا ہاں میں رکھے بڑا گناہ ہے جھوٹ
یہ جان لو کہ ترقی کا سدا راہ ہے جھوٹ
کاذب کو کیا کرتے ہیں سب لوگ ملامت
دنیا میں کبھی ہوتی نہیں کذب کی عزت
زہر کھالوں خوف آتا ہے قسم کہاتے ہوئے
ہو سکے گا کبھی نہ جھوٹ کا سچ
وہ ہمیشہ سب کے آگے ہے ذلیل و خوار ہوتا
کے سچ بھی وہ تو جھوٹا ہے برا شمار ہوتا
کہ بدوں میں بھی تو جھوٹا ہے برا شمار ہوتا

اسیر
افضل
امین
انجمن
بحر
حفیظ
عادل
عاشق
عیش
گہر

نہیں شکر کرتا جھوٹا جھوٹ بولتے
کلے جھوٹ پر جب اس کی تو ہے سزا روتا
نہ جھوٹ کھلنے پر بھی وہ دنیا
نہ جھوٹ کھلنے پر بھی وہ دنیا
نہیں اس سے بڑھ کر کسی سے جھوٹ بولتا
بھی بھول کر بھی یاد نہ کیا کوئی
وہ سچوں جھوٹ کی جھوٹ کسی کا یاد نہ کیا
کر دو سستی نہ یاد نہ کیا کوئی
نہیں صدق دل سے ہرگز وہ دروغ
دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

دروغگوئی

<p>دشمنی</p> <p>خداوند غم لب و نوار کو آتا ہے خون بیشتر بارش ہوئی ہے دشمنی میں عداوت بیکر کو ہے دشمنی پاک طہیت سے یہودی کب تو قاتل پاک دامانی میرا ہے وہ نادان جانتا ہے جو کہ دشمن کو تیر توڑتی ہے جہازوں کو یہ ہے تیرا بیوج دو تکی اس کو جو میری دوستی باد نہیں ہے جاس کو جو میری دوستی جلتا ہے زور مردم زانا پر دشمن کا نہیں جلتا ہے زور پیل کے آگے فقط پیشویت دشمن آرمی ہے جسے دوست و دشمن محبت دشمن دشمن اب کے دیکھئے غلطی ہو گئی ہے</p> <p>دل</p> <p>یہ دل آتش اور آتشنا ہے جلوں سے جلا ہے بڑوں سے بڑ ہے اکیر کی تلاش میں کیوں خاک چھانے کشتہ کرے جو نفس کو پھیر گیا ہے دل کو ہماری بندگی ہے ایسے دل کو نہ سے بندہ کو ایسا بھی خدا اول خداوند غم لب و نوار</p>	<p>دشمنی</p> <p>خداوند غم لب و نوار کو آتا ہے خون بیشتر بارش ہوئی ہے دشمنی میں عداوت بیکر کو ہے دشمنی پاک طہیت سے یہودی کب تو قاتل پاک دامانی میرا ہے وہ نادان جانتا ہے جو کہ دشمن کو تیر توڑتی ہے جہازوں کو یہ ہے تیرا بیوج دو تکی اس کو جو میری دوستی باد نہیں ہے جاس کو جو میری دوستی جلتا ہے زور مردم زانا پر دشمن کا نہیں جلتا ہے زور پیل کے آگے فقط پیشویت دشمن آرمی ہے جسے دوست و دشمن محبت دشمن دشمن اب کے دیکھئے غلطی ہو گئی ہے</p> <p>دل</p> <p>یہ دل آتش اور آتشنا ہے جلوں سے جلا ہے بڑوں سے بڑ ہے اکیر کی تلاش میں کیوں خاک چھانے کشتہ کرے جو نفس کو پھیر گیا ہے دل کو ہماری بندگی ہے ایسے دل کو نہ سے بندہ کو ایسا بھی خدا اول خداوند غم لب و نوار</p>	<p>اگر خس پوش ہو اس کا پتا ملتا نہیں چشم گریہ تیز پڑتی ہے کبوتر باز پر لازم ہے تلخ بات کا دینا جواب تلخ ہم کو تو دشمنوں سے محبت پسند ہے عجز اس کا گھات سے خالی نہیں اس نا سمجھ کی عقل پر حمت خدا کی ہے جلا ایک کا دل ہوا دوسرا خوش وہ زمانہ ہے کہ بھائی ہے عدا بھائی کا دشمنی نام ہے محبت کا بوتے میں کانٹے ہر محبت کی راہ میں بیگانہ جہاں سبزه ہو شمشاد کھینچا ہو دیکھا دشمن کی تواضع پر نہیں لازم گھنٹ دشمن کی تواضع میں ہے تاثیر کماں کی جھکیں جس گھر کی دیوار میں ہی برباد ہوتا خالق بچائے لاکھ ہیں دشمن بشر کے ساتھ منتشر کیوں نہ کرے ہوش یہ گردوں میرا پردیس میں کیا رنج کروں ہجر وطن کا جن کو ہوتا ہے عداوت کا مرض تیس دانت منہ میں ہیں دشمن زبان کے اس سے غافل نہ کسی آن میں رہنا بہتر جب کسی انساں سے آجائے دل انساں میں فرق ہاں کسی سے دشمنی اچھی نہیں دشمنی سے آدمی ہوتا ہے خوار عداوت کا مرض ہوتا برا ہے کسی سے نہ عاجز عداوت کرو تشتہ ہے فلک بھی تو بہت دن سے لہو کا اے قدر تم نے حال منا ہے خلیل کا کہ منہ کی کہتا ہے چوکا ہوا نشانے کا کہ جھکنے میں اس کے ہے خنجر کی صورت بیدا گر بہت ہیں کوئی دا گر نہیں عداوت سے ہی انساں شکل مار ہو جاتا جو عداوت کو بھی آتشنا جانے کسی سے دشمنی کر کے لگا کیا بھلا تم کو</p>	<p>دشمن پنہاں سے انساں کیوں دھوکے میرے کون ایدل اپنے دشمن کو نہیں بچا تا دشمن سے کچھ ضرور مروت نہیں اسیر وہ کون ہیں جو دوست کرتے ہیں دشمنی غیر کی منت پر اسے خستہ نہ جہا دشمن سے آرزو جسے مہر وفا کی ہے عداوت کا شعلہ یہاں مستعل ہے مال قابل کا ہا بیل سے پوچھے کوئی اپنے بیگانے ہو گئے شاید میرے جو دوست ہیں وہی کرتے ہیں دشمنی ایسے چمپتاں میں بسر میری ہو کیونکر سر جھکا جب پاؤں کی جانب قحافل آتی موت ہو جائے نشانہ نہ کہیں دیکھہ خبر دار فریب ہجر دشمن تجھ کو کر دے گاتہ و بالا حرص و ہوا اصل غم اموات دوستاں دشمن جاں ہے زبس جوش گروں میرا تھے گرگ پئے یوسف جاں جملہ برادر چوکتے وہ لوگ ہیں کب وقت پر اعدا کے قرب سے نہ کر لے خوف آدمی اپنے دشمن کو نہ کہتر کبھی سمجھے انسان پھر نہیں ممکن کہ لطف یک دلی با ہم رہے دیکھو عاجز ہر کسی سے دوستی دوستی ہے وجہ عز و آبرو سمجھ لو دوستی کو تنہا رستی عداوت مصیبت ہے آفت ہے ایک کیا اب زمانہ ہے جگر کا مرے بھوکا دشمن اگر قوی ست نگہاں قوی ترست گرے گا آپ عداوت مال جائے اے قدر عداوت کی تواضع سے غافل نہ رہنا معدوم دوست دشمن انساں ہیں بیشمار بچایا منع صورت سے جہاں میں رحم نے ڈرنے راحت قلب ہے اسی کو نصیب کسی سے رکبہ کے کہیں بے سبب لینا ہے کیا تم کو</p>
---	---	---	---

دل

تراب

دل شکنی نہ کر جان دل گھر ہے خدا کا
 زنجار کسی دل کو تو ناشاد نہ کرنا
 بے خطر ہو کے دیکھتا تماشے دل تراب
 کیا کیفیت ہے کیا ہی خوبی ہے تراب
 صورت ادس کی نظر پر ہی ہے تراب
 صاف اس دل کی آرزو سے مجھ
 رتبہ ملانہ ادس کو مرے دل کے
 مشہور گزرا نہ میں بھی جام جم ہوا
 نقش اشد کا تم دل پہ کھونچنے تراب
 صبح دل پہ غمش رہے وہ دل
 کس طرح بے غیش خاں دنیا کا
 ہو لگا جس میں خاں دنیا طلعت
 کہنے اس دل کو آئینہ دنیا کا
 پونہ جس میں غبارِ دل
 کہ نہیں سکتا یوں میں مہرِ مہر
 قلب اگر نفاخ از سر میں دیو اچھو اور ہے
 مومن کے دل کو کہتے ہیں سب خانہ خدا
 یار دیکھ گیا دیکھ گیا بیوت ہے
 اے آسمان معاف رکھ ان معجزوں اب
 شادی کے کام کا دل اندر نہیں
 جب کہ

دھونڈ مارا سب جگہ آخر لگا دل میں پتہ
 حال نیزنگ جہاں اس میں نظر آتا ہے
 دل سے بھی کہیں آتی ہے اغیار کی آواز
 اپنے دل کا تو آشنا ہو اگر
 فقرا سے یہ ہے سیدھا مراد سے الٹا
 دل ہی ٹوٹا تو کہاں قالبِ خاکی کو قیام
 جو دل ہو معتدل اعضا کو فیض عام ملتا ہے
 رہے درست طلسم حیات یا ٹوٹے
 خضے بھول کے پوچھیں گے نہ راہ کعبہ
 خانہ دل کبھی خالی نہیں جاتا تجھ سے
 جو تصور کیا وہی دیکھتا
 بیت العیق کعبہ ہے بیت الشرف ہے دل
 دل رہنمائے مسلک راز و نیاز ہے
 جیسی زریست ہماری گزری دشمن کی بھی یون بہتر
 جزا یا اس میں غیر کے رہنے کی جا نہیں
 سینکڑوں خواہشیں اور ایک دل پر رماں
 ہمیں حسانہ دل کی عظمت ہے لازم
 جہانک ملک باغ دل میں اپنے بیان
 بیاض محفل دھونڈھتا تھا جسکو کاشن سکی
 دل میں دنیا کا تماشہ دیکھا
 رکھا کرتے ہیں دل کو آئینہ صاف دل ولے
 خوشی کے نام سے دکھتا ہے رنج کا کیا ذکر
 اپنے دل کو کرے جو آئینہ
 دنیا میں نرم دل سے ہیں سخت دل زیادہ
 تراب جلوہ گہ حق تو دل ہے مومن کا
 کیونکہ نہ رکھے صاف تراب آئینہ دل
 قلب مومن عرش کعبہ تینوں یکساں ہیں تراب
 جو دل کو نہ جانے کعبتہ اللہ
 عجیب سیر و تماشہ نظر پڑے اس کو
 حق نے گھرا پنا کہا مومن کا دل کیا جان
 خوبی اس عرش کی زیادہ مجھے پڑتی ہے کچھ
 جائے خالی میں بسے ہیں دیو بھوت
 صحت قلب تو آساں نہیں مشکل ہے بہت

دیر میں پتھر تھا اور کعبہ میں کیا تھا خاک تھا
 جامِ جم میں کیا ہے جو آئینہ دل میں نہیں
 تو سن تو ہے اس گھر میں اسی یار کی آواز
 راز کھل جائے تجھ پہ ہر دل کا
 راستی ہے تو یہ ہے دل کی کجی ہے تو یہ ہے
 قلعہ چار غماص کا یہی پھاٹک ہے
 اگر سلطان ہو عادل خلق کو آرام ملتا ہے
 کسی کا دل نہ کبھی ہم سے اسے خدا ٹوٹا
 دل دیوانہ کو ہم قبلہ نہ دیکھیں گے
 کبھی تو ہے مرے دل میں کبھی جلو اتیرا
 دل بھی آئینہ ہے سکندر کا
 اس میں خیال ماہوش و مہرِ خاں رہا
 یہ خانقاہ رسم و رہ سا لگاں رہا
 انجم حضرت دل کی بدولت ہم نے نصبت کیا کیا کجی
 اے آرزو دل ہے یہ مہانسر انہیں
 عمر کس طرح سے ہوتی ہے بسر دیکھیں تو
 کسی دوست کا یہ بنایا ہوا ہے
 اس چمن میں بھی کم بہا رہیں
 میں اپنے دل کی خلوت نگاہ ہی میں جستجو کرتا
 موجب زن کو زہ میں دریا دیکھا
 یہ کیا معنی کہ دل ہو اور پھر دل میں کدورت ہو
 وہ دل جو مشق ستمہائے روزگار رہا
 میرے نزدیک وہ سکندر ہے
 تیس دانت تو ہیں اور اک زباں دین میں
 کرٹے ہے آئینہ ناحق مقابلہ دل کا
 جس دل میں نظر پڑتے ہیں مولا کے تماشے
 مرد صاحبِ دل ہے وہ جس کا خدا دل لگا
 کہیو نہ تراب اس کو حاجی
 جو اپنے دل کی طرف دیدہ خیال رکھے
 خوبی اس چھوٹے مکاں کی اس کیسے پوچھئے
 خانہ دل دیکھنے میں گو نہایت تنگ ہے
 دل میں گر حق ہے تو کیا دسو اس ہے
 آہ دل ہو نہ کسی شخص کا بیمار خدا

<p>جب آکر کسی نے اٹھایا تو اٹھے وقت پیری یاد اگر روز حساب آیا تو کیا پھاڑ کھاتا ہے جو زردار سزا ہے تیری سارے عالم کو بنایا دوست ہم نے خلق سے کیونکر متوجہ نظر دل نہ رہیں ہم دل کو اپنے جو غور سے دیکھ جو یا نظر نہ آئے کبھی شکل و لوبا جو دل ہے آئینہ ہے تمہارے طور کا ہے رشتہ دل بھی تار برقی بن گیا آئینہ شاہد مقصود جلیں یہ دل جس کو سمجھے ہیں یک قطرہ نوں ہائے کیا حسرتکہ تھا دل ہمارا جلیں دل انسان میں عجب جلوہ نظر آتا ہے جنکو دل شگفتہ بلا ان کا قول ہے مست ہو کہ غم نہ ہو گدائی ہو کہ شاہی ہو بے صبر و خرد کا دل و غافل نظر آیا سب رخ و غم و ہر دیا دل کو خدا نے ہوش و خرد و تاب و توان عشق سے بھلے ظلم پر ظلم ہے آف نہ نکالامند سے جو ہری گرچہ ہوئے رمز جہاں سے واقف وہ ڈھالے کعبہ کسی کی کرے جو دل شکنی عباں سر بسر حال عالم ہے دلپر یہ بضاعت ہے سکندر کی نہ صنعت جم کی ہے جانچتا ہوں وسعت دل حلقہ غم کے لئے دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے عید اور نور و روز ہے سب دل کے ساتھ کعبہ اگر پہنچ نہ سکے دل کی دید کو نسخہ دل کو سرسری ملت دیکھ صورت نہ ہم نے دیکھی حرم کی نہ دیر کی ہے حرم دل میں حق آتا نہیں کوئی ادھر تو کہتا ہے آئینہ حینست ہے جھکو جس طرف جاؤں دہریے بنے تشنہ ہے چھان کر دیر و حرم کی خاک یہ عفتہ کہلا</p>	<p>جہاں لے کے بیٹھا ہمیں دل ہمارا ہوش میں اب تو دل خانہ خراب آیا تو کیا کیوں شب روز تو لے دل سگ نیا سے پٹ اب کوئی دل کے سوا اپنا مدد باقی نہیں اس آئینہ میں جلوہ نما اور ہی کچھ ہے صاف طور اس میں ہے بھل کا جب تک تمہارا آئینہ دل میں زنگ ہے ذرہ میں آفتاب چمکتا ہے نور کا ہوتی ہے خبر معا و ہاں کی دل روشن جو خیال موح روشن میں رہا وہ دریا ہے جس کا کنارہ نہیں ہو گیا دور و روز میں آباد بھی برباد بھی آنکھیں کھلیں کرے غور جو انسان میں جنت کی کچھ بساط نہیں دل کے سامنے خدا کی سمت لازم ہے رجوع قلب انساں کو یہ دل مرا ہر نقص میں کامل نظر آیا صد شکر کہ وہ اس کے بھی قابل نظر آیا ثابت قدم اس راہ میں اکدل نظر آیا دل جسے سمجھے تھے وہ سینہ میں پتھر نکلا اس میں کیا کیا ہے یہ کچھ بھید نہ جانا دل کا یہ دل خدا کا نہیں گھر تو گھر یہ کس کا ہے تجھے جو ہری جام جم ہے تو یہ ہے جام و آئینہ کوئی شے اور ہے دل اور ہے امتحان ہے رنج و حرماں کی فراوانی تجھے سوشبتاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ دل نہیں عاجز تو دنیا ہے آجاڑ دلبرت سرب ہے تو نہ عزم بعید کر سینکڑوں علم اس کتاب میں ہیں بیٹھے ہی بیٹھے دل میں دو عالم کی سیر کی قصہ کعبہ کا کیا کرتے ہیں اکشر آدمی وہ دل ہے مرا جو مرے روبرو ہے کس طرف جاؤں میں اے اللہ دل کے ہاتھ سے دل کے دیرانہ میں اس کی جستجو رکاوٹ ہے</p>	<p>دل اسلام و کفر دونوں کا اس میں سے ہی طور تجاند سے پہچانی جاتی ہے بیت احرام ہے وہ ہونے پہچانتے ہیں اسکو جا بجا خوشدل و غم کب وہ اپنے دل کے گوشہ میں بھلا لگتا نہیں مرے دل میں خوش دل ہے دنیائی کی ہر یہ ہے جام جسم جام کی قسم دل سے تو اس مزاج کا پورہ گار دے جو رنج کی گڑی بھی خوشی سے گزاری ہے دل مرا باغ دل شاد ہے تجھے دیدہ جام جہاں نما ہے تجھے پہچرت زدہ ہے یہ فطرت زدہ ہے نہیں دل ہمارا دکھانے کے گوشتیں رہا کرتی ہیں لاکھوں زردیوں دل کے گوشتیں اسی شیشے میں ہم نے بند کر کہا ہے عالم پوچھنے دیر و کعبہ میں حیران جا کر وہ دل میں ہے جس کی میں حیران جا کر عید و دیر کی جب خاک بیت سی چھانی دل کے پہلو میں نظر آیا کھانا تیرا دل نے ہمیں تو صاحب کشور بنادیا اس آئینہ نے آج سکندر بنادیا</p>	<p>خاتون خوشدل = دوغ = درا = =</p>
--	---	--	--

دل

خدا سنگ وادھ سے بچائے نشہ دل کو
 قزوں تر ہے جاب جبر سے بھی نیر اکشیں
 جگہ ملی نہ تھی کیا جگہ کو اور اس کے سوا
 ہمارا دل ہی تر اجلوہ کا ہونا تھا
 جس نے دل کو گھر ترا بھیجا تو پھیلے
 کعبہ ہو یا کہ دیر کم کر بھی کم نہیں
 عالم کی دید کو تو مراد دل بھی جام نہیں
 کچھ غم نہیں جو پاس مرے جام نہیں
 نقص سے جس کا دل ہوا ناقص
 اس کی آئینہ خانہ دل میں پایا
 جو پایا تو بس خانہ دل میں پایا
 بنا کعبہ کی ابراہیم سے ہے
 ہے جلوہ گاہ غامض کبریا دل
 مراد وادی امن سے بھی رشتہ کیا ہے
 خیال اس میں جا ہے جب اس کے نزدیک ہے
 دلیں وہ موجود پر آنکھ سے پوشیدہ ہے
 آنکھ کی تقدیر سے فضل و اب تقدیر دل
 کین عشق دل ہے عشق میں دیکھو
 آئینہ ہے پھر اس آئینہ کی تری کا
 ہے چارو

مخت

مخت

مخت

مخت

مخت

مخت

دیکھ لیتا ہوں اگر آئینہ دل کو کبھی
 یہ کھنڈر دل کی تجلی سے رہا ہے معمور
 دین و دنیا کے ہیں مزے دل میں
 ڈھونڈتا کیوں ہے جو ہر ذاتی
 کہتی ہے اس کو خلق خدا خانہ خدا
 ہر وقت کشور تن خاکی پہ ہے عمل
 قلوب المومنین عیش خدا ہے
 ہے موج معرفت مرے دریائے قلب میں
 خودی کے بس کو سونا بے خودی کا
 مرتبہ کعبہ دل سے بڑھ نہیں سکتا کبھی
 قدر سمجھے وسعت دل کی نہ شیخ و برہمن
 بیکس کوئی مرے توجہ اُس پہ دل مرا
 کب دل شکستگان سے کر عرض حال آیا
 نہ درد دل ہی کے کہنے کی مجھ میں ہے قضا
 دل نا آشنا نالہ سے صدر ہجرس بہتر
 اپنا ہنس دکھائیں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
 تیرے سخن کو میں بسر و چشم نا صحا
 ساغر دل خوں سے مالا مال رہتا ہے
 بہ از آئینہ خسانہ ہے یہ منعم
 دل کی شکست و رخت کی میرے تو لے خبر
 جہاں سے کندن دل سخت کا رہے فریاد
 باغ جہاں میں آکر کیا پھل نہ ہم نے پایا
 جو گزری رات میرے پر کسے معلوم ہو تجھ بن
 دل کسی سے کہ جب پلٹتا ہے
 جھانکتا تو اپنے دل کو یا عزیز
 اس دل میں کائنات خدا کی ہے مختفی
 تجھے وہم ہے عرش پر ہے خدا
 بنیا دل کی تو راہی سے ہے بنی
 دل کا آئینہ دور میں نکلا
 نیگندہ ہے دل مضطرب ہاں نقش قدرت کا
 مطلع دل سے ہوئیں پیدا شعاعیں نر کی
 دن رات یاں ہے پیش نظر تو رکب سیریا
 عیاں ہے آئینہ دل پہ حالت کو نین

صاف آتا ہے نظر روئے مصفا تیرا
 دل ویران کدہ اک وادی امن نکلا
 وسعت و وجہاں ہے گویا
 دیکھہ کھسار دل میں ہے لعل
 سو جان سے کس طرح نہ ہو سید فدا دل
 اس سلطنت کا شاہ نہیں مرا ہے دل
 کسی کا بھی نہ تو ہرگز ستا دل
 شبنم کا مرتبہ ہے یہاں رو و نیل کا
 بنا دیو لے گا ہے یہ کیمیا دل
 پاس ہر انسان کے ہے اللہ کے گھر کا جواب
 ورنہ دونوں کے لئے ہم کعبہ ہم تجا نہ ہے
 گویا ہے یہ چراغ غم سیریاں کی گور کا
 ہے بے صدا وہ چینی جس میں کہ بال آیا
 نہ چپ ہی رہنے کی تاب و توان باقی ہے
 نہ ہو مزگاں جو خوں آغشته آن سے خار خوں بہتر
 ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہسم سے دل بنا
 مانوں ہزار بار اگر دل سے بس چلے
 اہل دل گریست رہتے ہیں تو ایسے جام کے
 جو تجھ سے ہو سکے تعمیر دل کی
 ہر گھر کی دیر پائی کو تعمیر شرط ہے
 ورنہ کوہ کئی زور آزمائی ہے
 اک دل بلا کہ جس میں ہیں سینکڑوں ہلوے
 دل پر دانہ کا جز شمع کوئی راز کیا جانے
 دین و دنیا سے جی اچھتا ہے
 تیرے ہی دل میں دونوں میں عالم
 دوزخ بھی ہے یہی گھر ہے بہشت کا
 ترے دل سے تو عرش تک راہ ہے
 کعبہ اگر بنا تو بنا سنگ و خشت کا
 ہسم نے سو بار آزمادیکھا
 خدا جانے نظر آئے گل باغ جہاں کیا
 سایہ خورشید وحدت کا گزر ہونے لگا
 کعبہ کی اصل کیا ہے مرے دل کے سامنے
 ہمارے سامنے اب جام جم رہے نہ رہے

راکت

راکت

راکت

سید

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

سودا

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

راکت

سوز

راکت

راکت

راکت

میراج

راکت

راکت

راکت

راکت

<p>ہے چار سوئے دل میں مجھے لامکانی سیر ہے حال دو جہاں کا مرے دل پیکشف خلوت دل میں ہے اے شیخ و برہمن وہ یار غرض فہمیدی ہیں مستیاں اور ولولے دل کے دل پھٹ کے چاک چاک ہوا اس کے ہاتھ سے شیخ کعبہ کی ہے تعمیر میں مصروف عبت طوف دل ہر کسی کا کام نہیں اے شیخ و برہمن حرم و دیر کی تعمیر جز دیر و حرم کوئی ترا گھر نہیں پاتا دل مرحوم بھی تھا مجمع ہشیاری وستی دل ہوا جب آشنا ر مز فانی اللہ کا دل صاف ہے وہ جس میں کہ ایمان کا نور ہے فیصلہ ہوتا ہے نیکی و بدی کا ہر دم ہم تو انسان ہیں فرشتے بھی پھنسے ہیں زاہد کی غور تو اسی میں ہے سائے جہان کی سیر دل وہ ملے کہ جلوہ دیدار جس میں ہو دل نہیں کہ سیر و عالم آنکھ رکھتا ہے اگر داغ کہائے ہیں تو زیبا ہے تعلی دل کو ہے وہ دل ہی میں تمہارے تم اگر ڈھونڈو دیکھو اس جام جہاں میں ہے تماشائے جہاں جو دل کہے وہ بیچ ہے سوا اس کے اے ظفر صحبت دل میں بسر ہوتی ہے جن لوگوں کی اپنے پہلو میں نہ کیوں شیشہ دل رکھیں عزیز شکستہ چین بھیں نے کیا ہے شیشہ دل نہے وسعت غنچہ دل کہ اس میں دیکھا جو عزیز اپنے دل صاف میں ہم نے عزیز آئینہ دل کیا طلسم حیرت افزا ہے دل سب سے تہی ہو کے بنا ہے محل دوست جب نہ نکلی زندگی بھر کوئی حسرت اے عزیز کوئی آباد نہیں اس کے تصور کے سوا نشا ط کے لئے بنتا اگر دل انسان دل کو نہ ہلا عرش معلیٰ ہے تو یہ ہے گاہ دیر و گہ حرم میں گہ کلیسا لے گیا</p>	<p>کیا دیکھوں کائنات کو میں چار سو عبت ہرگز نہیں ہے دل سے کبھی جام جم زیاد کعبہ و دیر کے ہو درپے تعمیر عبت مرے اللہ یہ جوش و خروش اک قطرہ نہیں ہے سوزن شیخ سے اس کا رفعت کسی ٹوٹے ہوئے دل کا ہے بنانا اچھا شیخ یہ مسجد احرام نہیں سیح پوچھو تو دل کی نہیں تعمیر سے بہتر میں خانہ دل سے تجھے باہر نہیں پاتا مقابل جام کی خمر و کے رُوش جام جم کا تھا ہے وہی رہبر ہوا حائل جو اپنے راہ کا اندھا ہے جس کی آنکھ میں نور بصر نہیں دل کو اس جسم میں چھوٹی سی عدالت سمجھو مدعی یوں نہ ہو پہلو میں دل انسان رکھ کر دل اپنا آئینہ ہے طلسم خیال کا آنکھیں وہ ہوں جو دیکھیں تماشائے آفتاب ساغر جمشید کو پتھر سے اے میخوار توڑ چاند سورج سے فروغ فلک پیر ہوا پھرتے ہونا حق بٹکتے اے ظفر چاروں طرف اک ذرا غور سے تو دل کے نظر کر اندر قائل نہ استخارہ کے ہم ہیں نہ فال کے محفل عام انہیں گوشہ تنہائی ہے اس میں ہم کیفیت ساغر جم دیکھتے ہیں ادھر نمود ہوئی موج ادھر حجاب نہ تھا ہزاروں گلستاں سہائے ہوئے ہیں آیا وہ نظر جام جہاں میں نہ جسم کو صفا جب کہ ہو پیدا جو ہر ادراک ہو جائے اجڑا ہے یہ گھر پہلے پھر آباد ہوا ہے ہم نہ سمجھے ہم نے دل خالق سے پایا کس لئے ہے جو اپنا دل ویراں وہ مقام ہو ہے بجائے بادہ نہ اس شیشہ میں لہو ہوتا کعبہ ہے تو یہ مسجد اقصیٰ ہے تو یہ ہے اس دل کا فزنی رسوا در بدر اچھا کیا</p>	<p>دل دل کو تب تک تم چھو اسے عزیز و بیخیز دل کو تب تک اس کا جو عاشق یہ صاف ہو زنگ کہ درت اس کا جو عاشق یہ صاف ہو ہر شے عیاں ہو ایسا ہو آئینہ دار دل دل نہیں ہے بلکہ گاہ عرصہ کون دیکھا جام جم سے بہتر اپنے یہ ایسا آبا ہے ہاتھ کیونکہ دل حالت کی ہم اپنے کیریج ہر اک کو یہ آئینہ میسر نہیں یہ دل چھڑنے والی ہے تماشائے جہاں یہ خدا ہی کا گھر ہے خدا کی جا پھر ہے وہ دل کیا کہ جس میں بصارت نہیں وہ کیا آنکھ جس میں بصارت نہیں کیا ہے وہ جسم جو نہ بنے خاک کوئے دست کیا ہے وہ اسی دل میں نہاں ہے جو کچھ چاہا ہو اسی دل میں نہاں ہے اس آئینہ میں سیر و جہاں ہے دل وہ دل ہی نہیں جس میں تری آباد ہو گھر گھری نہیں جس گھر میں تو آباد ہو خانہ تن کی دل سے قدر ہوئی رہتے قصہ جہاں نام کے لئے دیکو</p>
---	--	---

دل

مطہن ہے دل انسان ہے گلزارِ حیاں
فرطِ حیرت سے ہو قصود جو دلچسپہ رضواں
مضطرب ہے دل انسان ہے خدا سے غفار
کہ جسے دیکھ کے یاد آئے خدا سے غفار
پیں ہم درجا و شوق و حرام اس میں
کیا کیا ہیں بھرے صبر و استوار اس میں
بارب مراد دل بھی ہے عمر کی زینیل
موجود ہے ہر طرح کا سامان اس میں
دل وہ ظہم خزانہ ہے آنکھیں ہوں گریں
سیر میں اس مکان میں دنوں جہان کی
یہجا دل جو کہ ہے تاریخی امکان کا باعث
اگر ہو نورِ غیاں کا شرف اسرارِ تہا ہے
دیکھئے جب دل ناٹا ہے بیاں مالِ نیا
یہ دکاں وہ ہے کہ آتا ہے بیاں جاؤں
میں اوجِ بامِ حقیقت پہ مہرِ جہاؤں
اگر ذرا بھی مجھے دے کبھی سہارا دل
دل کا آئینہ بیاں ہے سب کے
عاف ایسا کم آئینہ دیکھ
دل کے آئینہ میں ہے لطف اسے بہر
کر کے غواں کی جب جلا دیکھا

دل کو یہ آرزو ہے کہ ہو عالم آشنا
وہ دن کو مشتعل ہے یہ ہر وقت مشتعل
بنانا کعبہ و بت خانہ شیخ و برہمن کیا ہے
ڈھونڈتے ہیں جسے جہاں میں ہم
ہوتا نہ مکر گر اس عالمِ خاکی سے
زندگی بھر جسے ڈھونڈھا ہے پایا دل میں
عسام ہے جس کا خوان لطف و کرم
دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت دروہ بھرتے کیوں
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
سن ترانی کی صدا اٹھو رہے موسیٰ نے سنی
ناز کی ہیں کوئی اس دل کے مقابل نہ ہوا
کھل گئی دل کی حقیقت کھل گئی
اب صفائی کی کوئی صورت
عجبت تلاش ہے دیو حرم میں اقربان
کسی کا ساتھ روزِ بد میں کیا دیکھا کوئی قدرت
دل خیالات کا ہے آئینہ
بنایا کعبہ ابراہیم نے اس کا یہ باعث ہے
ہویدا ہے سوادِ منزل مقصود زراہد کو
تماشا یک جہاں کا ہے میر مجہ کو گھر بیٹھے
دل ہے کیا کوئی سمندر ہے جو حیران ہوں
کعبہ و دیر میں گریا رہے ہوئے تو نہ ہو
رہے لائق تو ملازم ہر دم
کب ہے قرین عقل بجز دل کے برہمن
جو دل ہیں مصفا وہ کدورت نہیں رکھتے
کیا ڈھونڈتا ہے دادی اکین میں الہوس
دیرو حرم میں مہر جو ڈھونڈھا نہیں بلا
پہلو میں تو جو اے دل خانہ خراب تھا
گھر تھا زبس کہ بیم ورجا کا دل حزیں
کیا جستجو ہے دیرو حرم میں کیا تلاش
دل انسان ہے وہ اے مہر عجائب خانہ
ساحت عرصہ محشر ہے نہیں وسعتِ دل
موج زن دل میں رہا کرتا ہے دریا خیال
دل نہ کہنے اسے ہے قدرت رب الاکبر

سارے جہان کی ہے ہوا اس جباب میں
نسبت کہاں ہے مہر کو دل کے چراغ سے
بناؤ کعبہ دل کو یہی تعمیر بہتر ہے
خسانہ دل میں ہو کیس نہ کہیں
عینک کی طرح دل بھی آنکھوں سے لگا ہوتا
جو نہ دیکھا تھا کبھی ہم نے وہ دیکھا دل میں
قصہ دل میں وہ میہماں نکلا
روٹینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
دیکھتا دل ہی میں گرد بیکھنے والا ہوتا
بات کا یہ بھی کسی کی محنت نہ ہوا
مل گیا تیرا ٹھکانہ مل گیا
دل تو آئینہ مکر رہے
ہے اپنے آئینہ دل میں یار کی صورت
نقطہ دل کو شریکِ حال پایا رخِ راحت میں
جسہ حالات کا ہے آئینہ
کہ بنا سخت مشکل تھا کسی سے کعبہ دل کا
نہ پہنچا کعبہ کو جو نا بلد ہے دادی دل کا
بغل میں دل ہے لائق تیرے کوئی جامِ ہجیم کا
اپنی مشتِ خاک ہے یارب کہ آتش خانہ ہے
کیجے لازم ہے کسوں دل میں ٹھکانا اپنا
دل سے بھی کوئی مکاں ہے بہتر
ڈھونڈتا ہے صنم کو ہو کے جو دیوارِ دلنگیں
آتا نہیں رخ و محن آئینہ کے اندر
جس کی تلاش ہے وہ دل پر محن میں ہے
پر وہ نشیں وہ خانہ دل میں مقیم تھا
سیماب کی طرح سے مجھے اضطراب تھا
مہر روز میرے واسطے روزِ حساب تھا
غافل خدا کا گھر تو دل پا کبزار ہے
ایسا دیکھا نہیں دنیا میں کوئی کاشانہ
اس کو ماپے وہ مساحت میں نہیں پیمانہ
جامِ حبشید کے مانند ہے اس کا یہ حال
غافلِ عالم اکبر ہے نہیں یہ اصغر

[illegible]

نظر آتا ہے سراپا یہ زمانہ بال
دستِ عالم ایجاد کو ہم دیکھ چکے
ہے حدیثوں سے عیانِ ارحمن ہے دنیا
نامِ صحت نہیں اس میکدہ عالم میں
اہل زمانہ تھرے ہیں چو پڑے ہیں یہ جہاں
مثل گل خنداں نہ ہو یہ باغ جائے فکر ہے
غیر ممکن ہوں سب اچھے عالمِ ایجاد میں
شکستِ غم سے ہے کس کو نجات دنیا میں
دل میں بدوں کے خواہش دنیا بے ہیچ ہے
کیا ہو اُمید نفع کی بازارِ دہر میں
باغِ ہستی میں نہ سمجھو کوئی شے بیفائدہ
ہو اُٹا بہت ہوئے گلشنِ امکاں مخالف ہے
اجتماعِ دین و دنیا کر سمجھ کر اختیار
قدر دینا اہل دنیا نے بڑھائی اے اسیر
اڑا تا ہے غم دینا جو اس اہل دنیا کو
لذتِ دنیا نہیں ہے لائق کام و دین
کوئی صورت و قدر عالم میں بے معنی نہیں
چھوڑ کر دین کو دنیا کا طلبگار نہ ہو
آوارگی ضرور نہیں باغِ دہر میں
آیا جو خاک پر وہ اسیرِ محن ہوا
بدل بدل کے دکھاتی ہے صورتیں دنیا
بے ہنرمند نشیں اہل ہنر و زور خراب
کوئی شے آفاق میں بیکار لے ساقی نہیں
زالِ دنیا کے فریبوں میں نہ آنا لے اسیر
محیطِ دہر میں ہم جنس سے امید نہیں
لے دل کمالِ ابلق ایام شوخ ہے
ہوں رہو عدم مجھے دنیا سے کام کیا
دیکھتا ہوں جن میں اب مکر سے خالی نہیں
اصل کیا دنیا کے دوس کی زہر ہے اس کا مزہ
دریا میں عیاں ہے حالِ امواج
دنیا سان چاہ ہے انساں بزرگ بو
زنجیرِ تعلق سے مرا پاؤں تو نکلے
جان کر طبل نہ ہم آئے فریب دہر میں

صفحہ خاک غلط دستِ ایتام غلط
ہے جو آغازِ صحیح اس کا تو انجام غلط
فکرِ راحت ہے غلط خواہشِ ایتام غلط
ختم غلط بیشیشہ غلط۔ بادہ غلط۔ جام غلط
گھر سینکڑوں ہیں پر کوئی رہنے کا گھر نہیں
کونسا غنچہ ہے جس کا سر گریباں میں نہیں
ایک یوسف ہے خلف یعقوب کی اولاد میں
وہ کون کا سہ سر ہے کہ جیسے بال نہیں
ہے آشیان چغند مکان خراب میں
گرد و گدے کوئی خالی دکان نہیں
سایہ تو ہے سرو کا پھل گرچہ قبضہ میں نہیں
ہے گھر میں تو کیوں ہو تفرقہ بادم توام میں
دونوں جانب حق نہیں دونوں طرف باطل نہیں
منہ لگا یا ہے بہت کتوں نے اس مردار کو
پریشاں جس طرح کرتی ہے صرصر گی صحرا
کون کہا سکتا ہے اس حلوے زہرِ لود کو
صاحبِ دل چشمِ معنی آشنا پیدا کرے
کہ یہ دولت ہے جو فانی تو وہ دولت باقی
غیرِ پا بدامن عزت کشیدہ ہے
جالی ہماری قبر کی گویا کہ جال ہے
فریب دیتی ہے کیا کیا یہ پیر زال مجھے
عقلِ انساں سے خدا کا کارخانہ دور ہے
نگ سے حاصل ہے شیشہ اور مے انگور سے
میسوا ہے قحبہ ہے مکارہ ہے دلالہ ہے
تباہ موج ہوئی دم بخود حبابِ رہا
جمنے نہ دے گا یہ کبھی پٹری سوار کی
دور و زد دیکھنے کو یہ میلہ ٹھہر گیا
بیشتر شیروں میں کس دن جیلہ روباہ تھا
تخمِ حنظل سے کسی نے تلخ پھل پایا تو کیا
عالم ہے یہاں روار دی کا
دم بھر کو جو یہاں سبک آیا گراں ہوا
ہے فاصلہ دو کام کا ہستی سے عدم تک
صورتِ ساحر تما شے اس نے دکھایا بہت

غیر ممکن ہے کہ جائے طبع دنیا سے کبھی
ہے ہم سنگ کی طرح ہر وقت پیر در کج
دنیا ہے بیوقوفانہ فساد کی تلاش
کوفہ میں اور بار بار دہرتے ہیں اسیر
نقطہ لذتِ دنیا پر مہر کی طرح
مور و مار آسا ہے ان کو شیر کی طرح
چلتے ہیں جو مزہ دنیا میں ناوان ہیں اسیر
تخمِ حنظل ہے شیریں سبکی کی طرح
کردن نگاہ تو ہے تو ہے ضرر میرا
کہ زلِ بیوہ دنیا ہے جو جواں ہو نہیں
گلشنِ ہستی میں ہے نشوونما ملتا نہیں
نخل کو پانی ہے نہ وقت کیوں نہ ہو
منزلِ تاریک دنیا میں عدم کا راستہ ملتا نہیں
اس اندھیرے میں شبات نہیں
چھوڑ دنیا اسے شبات نہیں
چھوڑ دی ایسی کائنات نہیں
چھوڑ دے قابل میں یہ سبیلِ جہاں
سچ تو ہے نفرت کے قابل میں یہ کبھی نہ ہو
آفتابِ آسمان کا رخ ادھر کیوں نہ ہو
کنہِ دنیا میں توں ہے کہ اس نے خلق کو
دینیں بی شام کو وقتِ سحر کی آبرو
زال

یہ ترک کر رہی ہے شہ مرداں سے پیر کو
حقیقت چمن دہر سے جو ہو آگاہ
نہیں بننے کا سودا ہم سے اس بازار عالم میں
ظاہری بازی ایام ہے باطن سے خلاف
یہ عروس فاحشہ آتی نہیں دل کو پسند
دنیا سی خانگی کوئی ہوگی نہ بیسوا
مٹا ہے کیا جو آتش مرتے ہیں اہل دنیا
بھرتی سا کوئی دریا سے بے پایاں نہیں
نہیں اک مرد کو دنیا سے مطلب
باغ عالم میں وہ چلتی ہے ہوا و حشر خیز
عیش کچھ ہوتا اگر غم کہ دنیا میں
طالب نہیں ہے دولت دنیا کا دل مرا
طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار
دشمنی ہے عوض دوستیاں اے آتش
گلشن دہر بھی ہے کوئی سرائے ماتم
اہل دنیا ثقل سے دنیا کے ہوں سرگرم سعی
یہ ناگوار طبیعت ہے نعمت و نسیا
کیا سمجھ کر بھرتی میں کروں راحت طلب
دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
دنیا کے دنی محل آفات بھی ہے
دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر
دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دین سے اتنی الگ حد فنا سے یوں قریب
غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہو کر
پایا ہوا ہے دہر کو گلشن انبساط دل
کار دنیا شوق سے کرتے رہو لے دوستو
خوش نصیبی زال دنیا کی تعجب سیز ہے
ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں کدور ہے
اس تجارت گاہ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
یہی خوشیاں رنگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
اکبر عروس دہر سے چشم و فسانہ رکھہ
کریں س پہ ہم دارفانی پہ ٹیکے
یہ زمینت دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے پتی

دنیا کا خواستگار ہے جو زن مرید ہے
گل مراد چنے تو ہر ایک کیاری سے
عداوت کی ہے ارزانی محبت کی گرانی ہے
دانہ ہوتا ہے عیاں دام نہاں ہوتا ہے
زال دنیا کی نہیں منظور دامادی مجھے
شوہر سے اپنے رتی نہ دیکھی یہ زن دست
اک دو وجہ زمین پر اور دو وجہ کفن پر
آسمان نیلگوں سا سبزہ ساحل کہاں
میں نامرد اس زن پر ہزاروں
صورت بید ہو محبوں جو شجر پیدا ہو
روح قالب میں خوشی سے نہ سمائی ہوتی
اس سیم تن کا وصل ہے تحصیل زر مجھے
زر کی طمع سے چہانتے ہیں خاک نیا سے
درد سر ہی سبب صندل پیشانی ہے
شبنم اس باغ میں جب آئی تو گریاں آئی
بوجھ سر پر ہو تو جلد اٹھے قدم مزدور کا
نوالہ حلق میں اپنے ہے استخاں ہوتا
دیکھتا ہوں روز و شب دریا میں ہیں خواب و بچ
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
فکر روزی محفل آفات بھی ہے
بس اس کے مطابق اس کی حالت بھی ہوئی
انکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگ دنیا کر دیا
امیروں کے مقابل آتی ہے سن بتاں ہو کر
کھلتے ہیں کب گل مراد گلشن روزگار میں
لیکن اس کے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں
چاہے جانے کے نہ قابل تھی مگر چاہی گئی
چشمِ عبرت کے لئے دنیا محفل غور ہے
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہو گئے نہ ہم ہو گئے
دارا و جم کی جب نہ ہوئی تیری ہو چکی
کہیاں آشنا بھی تو نا آشنا ہے
بچوں کے سوا کون ہے اس کا تمنی

آتش

اکبر

دنیا

فریب بین ہے دنیا کی ترقی و تہمت
یہ وہ ہیں کہ دنیا کی غیب سے اس کو لکھا
قید ہستی سے فنا ہو کر رہا ہو جائے
بیکشت گل بیکشت گل کرنی ہے نفرت
اہل رغبت سے کرنی ہے دنیا
بڑی مہربان ہے دنیا
اپنے مستوں سے بھانپتی ہے دنیا
کس قدر پوشیدہ ہے دنیا
امیر اس بونا دنیا کی صورت پر تم جاؤ
بڑی عیار ہے مکار ہے دنیا
کوئی نہ جانے اس گہر میں وہ شاف ہے
جو ہے اس گہر میں دار دنیا
عجب تعبیبائی ہے امیر اس گہر میں جو اس گہر میں چکنا
نہیں آتا پھر اس گہر میں ہے سرائے دنیا
کبھی سوئی نہیں ہوتی ہے سرائے دنیا
اور اس آگے دوچار ہو مہمان گئے
خضر بھی عمر میں دنیا سے ہیں کم
یہ بڑھیا ساری دنیا سے بڑی ہے
اس غم کہ میں کٹ گئی یوں اپنی زندگی
قیدی پر جیسے روز گزر جائے عید کا
باد دنیا

کبر

اندر

امیر

دُنیا

کہا بھید کم کو نہ اس بات کا
کہ ہے یہ تماشِ علمات کا
سنے اس چین میں عجب کچھ
کہ چلتے مسافر کھڑے ہو رہے
نہ چاہے کچھ بے جا رہ کر سن
بکثرت ہیں دام اور دانے بہت
کچھ نہ تباہا خواب پرشیاں کے سوا
اس طغیانی کی حقیقت کھل گئی
جہاں دیکھو دنیا سے کیا تر لیں
نزل مہمانِ جبرِ آبدہ آب نہیں
زال دنیا کی مائیں دیکھ کر
اچھے خاصوں کا وضو جاتا ہے ٹوٹ
یہ دنیا کہ ہو کے کی شے ہے
ہمیشہ رہی کم کو اس کی طلب
کیا کہوں کیا حصولِ مہنتی ہے
روحِ قیدِ بلا میں پھنسی ہے
یہ تو ہے دنیا نہیں اے دولت مند
یہ تو ہے دنیا کہ اس زال کا شوہر ہوں
ذوقِ ہستی نے دی کیا ہلکلیف
تھے عدم میں بڑی فراغت سے
اعتبار

سینک

بار دنیا جس کے سر پر ہے اسے راحت کہلا
دُنیا کا حال اہل عدم ہے یہ مختصر
امیر صانع قدرت کا کھیل ہے دنیا
دین کی فکر کروں ہائے میں کس وقت آئیں
دنیا ہے طرفہ میکدہ بے خودی امیر
نہیں ہے مزعِ آفاق میں تن پروری اچھی
آنکھ دُنیا میں جو وا کی تو نہ کچھ حال کہلا
برسوں کیا نظارہ جہاں حساب کا
باغ جہاں میں بچ ہے ثمرہ ریاض کا
آدمی سے یہ لپٹی ہے بلا کی صورت
گلشنِ فانی نہیں رہنے کی جا
چمنِ خسارِ خار ہے دُنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے
بے نیم جہاں خزاں پرور
کوئی دُنیا سے کیا بھلا نالگے
یہ عارضی بہار ہے دُنیا میں چار دن
باغ جہاں میں ناز کریں کیا حباب پر
ہائے دنیا تھی کہ اک تصویر تھی
کھٹکا خزاں کا باغ جہاں میں لگا رہا
مقام یوں ہوا اس کا رگاہ دُنیا میں
ساتھ جاتا نہیں کچھ جس عمل نیک انیس
کہانے کو رزق رہنے کو گھڑا اور لحد کو جا
باطل سے اتفاق اُسے حق سے تفاق ہے
باغِ عالم کا یہی اسلوب ہے
عجب حال ہے دنیا پرست لوگوں کا
خالی غلش سے پایا نہ دُنیا میں کوئی شے
تو تے روتے عمر آخر ہو گئی شبنم کی طسج
مرد ہوں مجھے نفرت کیوں نہ ہو دُنیا سے
اُسے عدم سے جائیں گے پھر جانبِ عدم
جائے شادی نہیں ہے باغ جہاں
دیکھو ہر ایک شے کو ہوتی ہے حیرت بہت
حُبِ دنیا کی یہ ہے اولیٰ مثال
گلستان جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی

باقی

چور رہتا ہے شقت سے بدن مزدور کا
اک دو قدم کا چہرہ امید و ہنس تھا
بنانا کے مشائی ہیں صورتیں کیا کیا
کبھی دُنیا کے بکھیروں سے فراغت ہی نہیں
سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں
کناد اں ہوگی پریش حشر میں کیا کیا لڑائی
ضعف ہے خواب ہے غفلت ہے کہ بیداری ہے
آنکھیں ہوئیں جو بند تو عالم تھا خواب کا
پتھر پرستے میں شجر بار بار پر
تف ہے دُنیا عجیب طرح کی تھکاری ہے
ڈر ہے گلپیں کا تو کھٹکا حسد کا
خون صد نو بہا رہے دُنیا
موت کا انتظار رہے دُنیا
دیکھنے کو بہا رہے دُنیا
وہ تو بچاری آپ ننگی ہے
پھولیں بہت نہ رنگ پہ اپنے چمن کے پھول
حال آئینہ میں گل ہیں تو عکس چمن کے ہیں
مٹ گئی تصویر حیرت رہ گئی
دیکھا کبھی نہ گلشنِ دُنیا بہا رہا
کہ جیسے دن کو شام فرما میں آ کے چلے
اس پر انسان کو بے خواہش دنیا کیا
دنیا میں ایک جہان کو کیا کیا نہ چاہئے
دنیا کے خواستگار پھنسی بھی شاق ہے
کوئی طالب ہے کوئی مطلوب ہے
معاذ کا بھی خیال اور فکر جاہ بھی ہے
دیکھا تو گل کے ساتھ چمن میں بھی ٹھارے
مثل گل اس گلشنِ ہستی میں جو زنداں ہوا
جو کہ اس کا طالب ہے وہ مرید ہے زن کا
دُنیا کی سیر کر لیں پھر آئیں گے یاں کہاں
کیوں نہ دل تنگ ہو زمانہ سے
عالم اسباب کیا ہے اک عجائب خانہ ہے
ابتدا شیریں ہے اور انجام تلخ
مگر جو گل کے جو یا ہیں انہیں کیا خار کا کھٹکا

کچھ دیکھو

انہیں

اعتبارِ عالم فانی نہیں اصل دلا
اک شے پسند خاطر اپنے تو یاں نہ آئی
ہے گلا عالم اسباب کا یہیں اسباب
ہے دگرگوں رنگ اس محفل میں خاص عام کا
دنیا ہے دُور بھی بھول بھلیاں سے کم نہیں
زمینت رنگ بقا چاہتے ہیں نقشِ فنا
بنائے خانہ دنیا ہوئی ہے بے بنیاد
اہل دنیا کی کرامت کو سمجھ نہ بدھیا
آدمی مایہ و رایام کا شکوہ نہ کرے
کون خارستان دنیا سے گیا ثابت قبا
دنیا بنی تو خوب نہ پایا مگر ثبات
جلوہ ارباب دنیا دیکھئے
زمینت و لہو و تفاخر سے نہ مالوف رہو
کا ہش لے ہم کو حرف غلط سامٹا دیا
حوروں کا رنگ جمنے نہیں دیتی سامنے
وحشت سرائے دہر میں اپنا یہ رنگ ہے
کچھ حقیقت نہیں کیا مال ہے دنیا بے دوزنگ
کیا امیروں کا محل تاک لیا دنیا نے
شیخ دنیا کی حلاوت پر ہے دست انداز تو
مین العدین آدمی ہے
کبھی نہ ایسے تماشے دکھائے دنیا نے
مال دنیا کی حلاوت میں بشر غافل نہ ہو
موافقت ہے خبیثات کو خبیثوں سے
پاک رکھہ قلب کو آلودگی دنیا سے
دیکھو دنیا کی حلاوت پہ نہ گریں مثل مگس
فکر دنیا میں عبت مرتے ہو جنت کو چلو
گنبدِ چرخ کو فانوس نیالی سمجھو
دین و دنیا کے بکھڑے میں بٹکتے پھرتے ہیں
جو طلبگار ہیں دنیا کے بڑے اُن کے دماغ
باغِ عالم میں نہیں بے شروں کو کھٹکا
نہ پھلے گی تجارتِ دنیا
بے خرد جو ہیں وہ خوش ہوتے ہیں دنیا دیکھو
یل و نہار پر ہوئی فتح و ظفر کسے

بقبر کی تعمیر کجے قصر و ایواں چھوڑے
باقی جہاں کا دیکھتا بازار چلتے چلتے
کوئی اٹھائے نہ لیجائے گا زمین سر پر
دور ساغر ہے نمونہ گردشِ ایام کا
انسان کیا ملک بھی جو آیا بھٹک گیا
اس مرتع کا دکھائی دیا نقشہ الٹا
قیام خمیہ گردوں کا بے طناب ہوا
دار پر منصور کرتا ہے تماشا جھوٹ سیح
اس ضعیفہ کا لہو ہے صفت شیر سفید
گل بھی پرزے پرزے اپنا جیواں لچلا
ایجاد اور عالم ایجاد دیکھئے
سوانگ ہے یہ بھی تماشا دیکھئے
ہم کو قرآن سے ثابت ہے کہ دنیا ہے پھی
اپنا نشان نگینہ ہستی میں نام ہے
دنیا ہے پیرزال بڑی شوخ و تنگ ہے
گھر ہم کو مثل روزن دیوار تنگ ہے
شیر مردانِ خدا میں یہ سگ ابلق ہے
کوئی دن گھر میں فقیروں کے بھی جہان ہے
یعقین البحر کا سمعہ قطار مور ہے
دنیا اک بیج کی سرائے ہے
کہ چار روز تو ہم غمزدے بہل جاتے
اشرفی اک دن خلش دکھلائیگی زنبور کی
عزیز رکھتی ہے دنیا بے دلوں کینوں کو
شیشہ ہے بغل میں جو ہے دنیا دل میں
شریت خالص نہیں یش بھی ہے نوش میں
بحر سب کچھ ہے وہاں اور یہاں کچھ نہیں
غیر دورانِ سری دور جہاں کچھ بھی نہیں
اس دورا ہے میں ہمیں راہ سفر ملتی نہیں
اپنے سر سارے زمانہ کی بلاتے ہیں
ڈھیلے چلتے ہیں نہیں پر جو بھلا کرتے ہیں
ہے یہاں نفع میں ضرر سے دل
طفل رونا بھول جاتے ہیں تماشا دیکھو
ہاتھ آئی آفتاب کی تیغ و سپر کسے

دنیا
چاہئے مریغ فانی میں کفن کی تدبیر
بوخراستے میں نہ بولے در بیضا کیسے
خدا سے کہو تنگ کہاں مجھ کو چھپ
میں اس غمکہ میں نہ دم بھرا اٹھ گیا
اعتقاد ارباب دنیا میں کیا کیجیو
منہ میں میں دود و زباب میں نہ کیجیو
کسی کا کام جاری ہے بصورتِ پیا
ہر کسی کا کام جاری ہے بقدرِ کار
ہاتھ چلیا ہے غنی کا پاؤں بے نقدور کا
دنیا ہے فقر ہے کہ اب میں کسی کا
منہ دیکھیں کسی کا نہیں نام کسی کا
یہ جگہ وہ ہے فرشتوں کے کنوے جھانچیں
پاک آلائش دنیا سے ہر جانی ہے
فاختہ خانہ بر انداز ہے ہر جانی ہے
گھر میں دنیا کو جو ڈانٹا تو گھر کیا ہوگا
کچھ اپنے ساتھ کوئی لیکیا نہ دنیا سے
کسی کے پاس انا نہ گھر کسی کے پاس
حاصل ہو کلشن دنیا سے کچھ نہیں
جو خاک دھول خاک نہیں صبا کے پاس
پست انجام ہے آغازِ عروج دنیا
یکڑوں پاؤں تلے پس گئے بریا ہو کر
کچھ نہیں

دُنیا

کالقطار میں تار نہیں کچھ پس میں شک
اس زمانہ میں غیر دل میں بدتر اپنے
وہاں ایک آیا ایسا کیا ناپاک جانا ہے
جو اس عالم میں تو امن نہ بیجاک جانا ہے
منا فرماتے رہتے ہیں یہ عالم غنیمت ہے
پس اس کے لئے کچھ چاہیے دُنیا کا
نہیں کچھ اعتبار دُنیا کا
بچ چاہیے کاروبار دُنیا کا
نہ دیکھتے خدا کی کوئی
رُوسیا بجا دُنیا کا
حق تعالیٰ نے اس پر کچھ
پونہ کوئی دستور دُنیا کا
دُنیا کے نظر میں فقر کی
سچ میں کچھ شراب کی مستی
وہی ہے جسے خار دُنیا کا
وہی ہے جسے خار دُنیا کا
نہیں گنجلے عارفوں کو کائنات
کوئی نقش دُنیا کا
حال فرعون کا سننا چاہو
تھا وہ اک شہر یار دُنیا کا
مڑ گیا

تراپ

کچھ نہیں فکر و است کی عالم میں یہاں
نہ مزہ ملا نہ پیٹ بھرا مجھے ہر نوالہ زہر ہوا
ہے غم آلود بہت آب و ہوا دُنیا کی
دُنیا سراسر ہے چین سے کیا خاک سوسے
ساز و دنیا میچ ہے سامان عشرت میچ ہے
ایک جاتا ہے تو آتا ہے عدم سے دوسرا
سارے عالم سے طبیعت برق میری اٹھ گئی
درکار ہے ہما سگ دنیا کے واسطے
ترک دنیا کر جو تجھ کو آبر و درکار ہے
ترک لذت کی وہ لذت ہے کہ نعمت گرد ہے
کس کو دنیا میں ہونے کی عدم سے فرحت
جہاں ہے ماریہ لازم نہیں کہ ہو وہاں گنج
چمن زمانہ کا آنکھوں میں اب کھٹکتا ہے
دنیا ہے چھوڑنے کی جگہ سب رفیق کو
یہ وہی دنیا تو ہے جو آخرت کا کھیت ہے
یہ نہیں کی جا نہیں ہنسنا یہاں بیکار ہے
لطف سیر چمن و ہر کا کہنا کیا ہے
یاں کسی کا ہے تولد تو کسی کی ہے وفات
چھوڑ کر دار فنا شاہ و گدا جاتے ہیں
دُنیا کرنا خاطر خواہ
عجب صورتیں ہیں عجب سیرتیں ہیں
یہ ہے دنیا تو رفتہ رفتہ ہے
چوری یاروں و پیروں و غاکرتے ہر لوگ
یا رو دنیا کے لئے اتنی مشقت ہے عبث
مزرع عقبے ہے دنیا اس میں کچھ شبہ نہیں
یہاں جو کچھ کیا پایا وہاں پر
ہے چند روزہ مہاں آیا ہے جو کوئی یاں
یہ دنیا کیلئے ایسے وزیر و میر لڑتے ہیں
یہ کہتا ہے جس اپنی زباں میں
ایسی دنیا کی نمائش تو یار و وقف ہے
طالب دنیا کے دل میں نور چمکے کس طرح
چشمِ عبث سے ہم نے دیکھا خوب
باطن میں الگ تھے سب سے دانا

داغ کام آئے کبھی پھول جو درکار ہوئے
تری نان نعمت لے دنیا مجھے تو نہ سفر نہ ہوا
ہے ہوا آہ کی شکل آب ہے آنسو کی طرح
آتی نہیں ہے نیست پر اے مکان میں
چاہئے اطلس نہ کھو اب و مشجر چاہئے
اس کی محفل کا کبھی خالی مکاں ہوتا نہیں
ساز سے خالی نہ پایا میں نے دنیا ساز کو
موقوف اپنا رزق نہیں استخوان پر
جب جدا قطرہ ہوا دریا سے کیتا ہو گیا
طامعوں کے واسطے دنیا میں دنوں چکا
موت بھی ساتھ دے پاؤں چلی آتی ہے
جہاں ہے گنج وہاں ایک مار ہے موجود
کہ گل جہاں نظر آتا ہے خار ہے موجود
آیا جو ساتھ جان کے بے جان تن چلا
واں بھی گردش ہی ہے اسکو جو بہاں شوق میں
حالت دنیا پر اے اجاب شیون چاہئے
یہاں رنگینی قدرت کا مزہ کیا کیا ہے
غور سے دیکھئے دُنیا میں کہ ہوتا کیا ہے
عالم الغیب ہی جانے کہ یہ گھر کس کا ہے
اب دیندار ہی ہے تو یہی
جہاں میں ہیں اہل جہاں کیسے کیسے
آخر اک روز جان کا دینا
کیا کسی سے ہو کوئی اسوقت میں امیدوار
طلبِ سیم و زرد خواہش زینت ہے عبث
کھیت جو ہے اس میں خر دیکھئے ہوتا ہے کیا
وہی دانہ جما آخر جو بویا
نت کو چ لگ رہا ہے ہر دم روانگی ہے
نجات کیلئے جیسے سگ و خنزیر لڑتے ہیں
مسافر ہیں سبھی اس کا رواں میں
نام کے واسطے کرتا ہے نگین کا لامنہ
دل تو ان کا ہو گیا از حب سیم و زریا
اس جہاں کا عجیب عالم ہے
ظاہر میں ملے گئے جہاں سے

بکر

برق

بیدل

بیان

تراپ

عجب طرح کی زن فاحشہ ہے یہ دنیا
 اچھے اچھوں کو بھانس کہا ہے
 کھینچا ہے کس اُستاد نے دنیا کا مرقع
 جلیل اب کیا کہوں تم سے اُدا اسی بزم ہستی کی
 یہاں کے عیش طرب کی نہیں ہے کچھ بنیاد
 نکلنے کی کوئی تدبیریاں سے تیکھے جو یا
 آنکھوں سے نہ دیکھہ شکل دنیا
 اک دن تجھے چھوڑ دیگی دنیا
 رہنے کی جگہ نہیں ہے دنیا
 قابل مسکن نہ تھی یہ ہستی ناپائدار
 دل نہ دے دنیا کو ہے یہ آباد عدم
 ہے یہ دنیا مثل سایہ آدمی کے گرد ہے
 منزل عبرت ہے دنیا اہل دنیا شاہد ہیں
 دنیا کی جستجو میں ہوئے ہائے خوار و زار
 حیرت پھنسا نہ دل کو دنیا کے دوں میں ہرگز
 کہنے نہ پائے اپنا کچھ در و دل زباں سے
 کچھ یاں سے لے چلے ہیں کچھ اس لئے ہیں
 یہ ہے دنیا کوئی دن کا تماشا
 یہ میلہ تماشا ہے دنیا تمام
 ہے یہ دنیا کوئی دن کا شور و غل
 دار دنیا ہے نہیں جائے فنا
 آشنا ہے باغ دنیا کی ہوا
 گئے جو کج مرقد میں بچے تکلیف دنیا سے
 یاں زندگی خراب وہاں خوف باز پرس
 اس نہایت ہے کہ دنیا نہیں راحت کا مقام
 ساتھ اپنے چاہنے والوں کے دنیا بگٹی
 وہاں سے آئے تو ہم پاک و پارسا ہو کر
 یہ جہاں تو بخطر تو اُم ہے
 غافل سے سمجھتے ہیں شاید کہ پائدار
 جہاں کی سیر کر کے خانہ اصلی کو جائیں گے
 ہمیں ثابت ہوا دنیا میں یوانو کی بستی ہے
 جب خاک میں مل جائیں گے ہو جائیگا آرام
 سب کچھ ہے اور کچھ نہیں عالم کی کائنات

نہ اس سے پیر نہ لڑ کا نہ نوجوان محفوظ
 زال دنیا جوان ہے گویا
 اک ایک سے ملتی ہوئی صورت نہیں بچی
 ہزاروں تھے جہاں بیٹھے وہاں دچار بیٹھے ہیں
 ہمیشہ باغ میں کب موسم بہار رہا
 رہو گے کب تک اس قید خانہ میں سدایہ بیٹھے
 گر مانگے تو خاک دے شکم کو
 تو پہلے ہی چھوڑ اس کے غم کو
 اک روز یہاں سے جائینگے ہم
 کر گیا جو یا بھی دنیا سے سفر اچھا ہوا
 یہ ظلم دل شکن ہے اور فنا مہمور ہے
 یہ چلے تو وہ چلے نزدیک ہے اور دور ہے
 ایسی دلجمعی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے
 پیدا کریں گے ربط کسی اولیا سے ہم
 مٹی میں مل گئے ہیں عالی جناب کیا کیا
 ہدم رہے ہیں ہم تو دنیا میں مہماں سے
 اک جاں ہے تن میں سو وہ امانت خدا کی ہے
 رہا ہے کوئی لئے اس جارہیگا
 اُسے دیکھ لے اور کراپنا کام
 پھر رہے گلشن نہ بلبل اور نہ گل
 غم کہ حسرت کدہ ہے یہ سرا
 دیر پھرتے کچھ نہیں لگتی ذرا
 حصار عافیت کو لوگ کیونکر بھول جاتے ہیں
 آئے عدم سے ہم یہ نہایت بُرا ہوا
 ابتداء ہی سے بشر ہوتے ہیں گریاں بکیدا
 کیا سمجھ کر لوگ جاں دیتے ہیں اس مردار پر
 یہاں سے دیکھئے جاتے ہیں کیا سے کیا ہو کر
 کہ مسرت کے ساتھ ہی غم ہے
 ہستی جا بے ارطس جہاں کی ہے
 تماشا گاہ دنیا ہے اُسے میلا سمجھتے ہیں
 مقام نیستی کو دل میں سمجھتے ہیں کہ ہستی ہے
 دنیا کے تکلف سے ہے تکلیف بدن پر
 دنیا برائے دوست ہے عقیقی برائے دوست
 حفیظ

دنیا
 سچ ہے دنیا سراسر فانی ہے
 سچ ہے دنیا ہے عالم عبرت
 ایسی جگہ پیار و بیگہ کی کا جی کیا
 مگر عدویہ آئے ہم کو بھلا نہیں کیا
 اس بات کو سمجھنا اور جاننا رہتی
 منزل ہے اک اجل کی یہ رگزار رہتی
 لگاؤ نہ اس دار فانی سے دل
 عیاں اس کی تیر سست بیاباں
 محبت کا دنیا کی حلالی مال
 پشیمانیوں میں پشیمانیوں
 پھر دی ہم میں کہ عشوہ بہ کافر کیوں
 زال دنیا سے ہو گیا دل مرد
 عیش دنیا سے ہو گیا دل فانی
 دیکھ کر رگ آشنامانی کی
 جس سے دنیا نے آشنامانی کی
 اس سے آخر کو کج ادا دانی کی
 غور و حرص میں نہ یوں عروس دنیا کے
 بناؤ گئے یہی اس نا بجا کے لائق
 راحت کا جہاں میں یوں ہی اک نام ہے گویا
 راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا
 نہیں

دُنیا

کون ہے جو ترا نہیں خواباں
زال دُنیا تو ہے جو ان پری
پہیں خوار کرنی سچوں جب دُنیا
چلے کوئی چپ میں کوئی تھکر
یہ دُنیا ہے دنی تھی صرف کیا ساری خلق میں
بڑا ہستی موبوم کالائی کہاں مجھ کو
دُنیا کا عجب حال ہے اسے زندہ پوچھو
اجاب میں اجاب کی دستا کو کہتے
عبرت کا ہے مقام اس کی کو نہیں
اس بزم میں کسی کی کھانیکے لئے
کون جان رہے تھے دیکھ کر
سیر کر لی عدم آباد تھے یہاں
اہل عالم تھی قبریں یہاں تھے
ہے خراب آباد راسخ نام اس تھے
حادث زمانہ ہے اسے کیوں کہتے تھے
اس کی تجلیاں تو حقیقت نام ہیں آپ
حقیقت میں خرابات جہاں بھی جا کر ہے
ان آنکھوں میں آرام ہے مجھے تھے
جانے آتائیں آرام کا ہر وہ اجلا
اب جو دیکھا تو وہ کاشی کا ہر وہ اجلا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

دُنیا

نہیں بونس کی اس ننگہ میں
دُنیا کے خرشوں سے چنچ اٹھتے تھے ہم قتل
دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
دُنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و اربان
بارہا دیکھ چکے تیرے فریب لے دُنیا
جاننا دُنیا کو ہے اک کہیں تو
آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا
بشر ہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
ہم سے خود دُنیا ہی پتیا ئی نہ جاتی ورنہ یاں
دہر مہیا رہے یاں قلب کا سودا نہ بنے
خاطر جہاں نہیں سب کے لئے ہیں بیتیں
ہستی بھی میری جہاں نہیں مثال موج
نہ ہوے طالب دُنیا کبھی مردان خدا
آئے عدم سے گلشن ہستی کی سیر کو
گلشن ہستی خوب ہے بتی اس میں سبھی بازار بھرا
ہے دُنیا کا فسانہ پیچ و در پیچ
بیٹری کیونکر کٹے اس قید تعلق کی خلیق
مکان دہر ہے عبرت کی جا مکینوں کو
عیاں ہے چار طرف انقلاب کا نقشہ
کسی کی پیش ہے خوشی ہے کسی کی
صفوہ دہر یہ ہستی موبوم مگر
کوئی عدم سے آئے نہ اس قید خانہ میں
دُنیا بھی اک بہشت ہے اللہ کے کریم
ممکن نہیں ہے ذوق علائق سے چھوٹنا
بطن مادر ہی سے جب پیدا ہوا تکلیف سے
فلک کے رنگ سے ظاہر میں ماتمی آثار
خواہ پھر تار ہے فلک اور خواہ پھرتی ہے زین
وہ کونسا غم ہے کہ جو دُنیا میں نہیں ہے
دُنیا کے الم ذوق اٹھا جائیں گے
جب آئے تھے روتے ہوئے آپائے تھے
گلابے رنگ رنگ سے ہے زینت چین
ریخ دُنیا سے نظر آیا عدم کا رستہ
باغ عالم کا اعتبار نہیں

کہیں دل جا کے بھلانا پڑے گا
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گیا گوارا
وہ دن ہے کہ جہن کہ اسے چھوڑ کے جانا
جھل بل میں تم اس ال فسوں گر کی نہ آنا
ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا
کیصل قدرت کے تجھے دکھائیں کیا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بہائی بہت
اسے دُنیا کا غم کہنا پڑے گا
دین تک دُنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم
فائدہ کیا ہے اگر مس کو زرا ندو دیکھا
وہ کون ہے کہ عیش میں جس کی بسر ہوئی
آرام آگیا مجھے جب میں فنا ہوا
جو ہے مردار سگ و زراغ و زغن کا حق ہے
دیکھا تو سبز باغ تھا دھوکا بڑا ہوا
سودا کچھ بازار کا کرے ورنہ تجھے شرانا ہوگا
اُسے سمجھے یگانہ پیچ و در پیچ
خوش ہر اک قیدی ہے نایاب یہ زندان کجا
کہ پیش اس میں ہے پستی بلند مینوں کو
بدل رہے ہیں مکاں روز و شب مکینوں کو
کسی کی خلش ہے مزہ ہے کسی کا
حرف ہے تو ہے غلط نقش ہے تو باطل ہے
قید حیات سا تھ نہ ہو گر لگی ہوئی
کن لغتوں کو حکم دیا ہے جواز کا
میشک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ
یاں کہاں راحت کہ تو کرتا ہے راحت کی طلب
خوش اپنا کیونکہ ہو اس نیلگوں حصار میں دل
پر ہمارے واسطے یاں منزل راحت نہیں
اور اس پہ دلکش یہ غم آباد غضب ہے
ہم کیا کہیں کیا آئے تھے کیا جائیں گے
اب جائیں گے اور دن کو رلا جائیں گے
اسے ذوق اس جہاں کو ہے یہ اختلاف سے
دشت غربت کی مصیبت وطن یاد آیا
آج ہے خشک شاخ کل تھی ہری

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

حالی

اب مری آنکھوں میں یرانی سے بدتر ہے جہاں
بھر جہاں میں غافل سا مان ہیں سفر کے
دنیا تمام ملک عدم میں شریک ہے
قید اس گنبد بے در میں کیا قسمت نے
کس کی یہ جلوہ گہ ناز ہے بزم عالم
دنیا کا تماشا ہے فقط ہستی کی صورت
خندہ گل بے نمک مسریا و جلیل بے اثر
لطف کیا رکھے ہے اس باغ کی سیراے سودا
زیب و زینت کا میں دنیا میں نہیں پاتا کنار
سودا میں س چمن میں ہوں جوں غنچہ دل گرفت
میں اک آن میں دکھلاؤں یہ طلسم جہاں
دیوے تجھے وہ کچھ کہ نہ پھر چھین لے تجھ سے
زال دنیا ہے ظاہر آشورو
آہ اے دنیا نہیں ہرگز کسی قابل ہے تو
دنیا سے میل رکھتے نہیں اس لئے بزرگ
لے تھی دست ہے بازار جہاں میں سب چیز
اہل دنیا کے لئے دنیا کا
پوشیدہ و لاخار جدائی کا ہے کھٹکا
دنیا کو فناء عالم عقبی کو بقا ہے
خار حشرت کا ہے آخر چمن دنیا میں
شمع کے مانند ہم اس بزم میں
زندگانی میں کسے آرام حاصل ہو یگانہ
بغیر از مرتے جیتے کس نے دیکھا بزم ہستی میں
بہاریاں کی ہے بلبل خزاں سے ہم آغوش
باغ دنیا کی ہے حریف خزاں
ریاض دہر سے ہمد قدم اٹھا کے چلو
یو دنیا کی ہے سر آج ہوا
سمجھ کر بیوفا چھوڑا ہے ہم نے زال دنیا کو
کیا کریں لیکے اُسے جس کو نہیں کچھ بھی ثبات
ہیں کس آرام سے ساکن عدم کے
یہاں ہر نقش صورت اک جناب بھر ہستی ہے
بلانے اک دن کسے نگھیرا ہوسے دنیا کی کس کو چھوڑا
منزل آرام و آسائش نہیں دنیا سخن

جن دنوں آبادیہ مہا سرائی میں نہ تھا
باہر جناب اپنے خیمے نکالتے ہیں
تھوڑا سا آگیا ہے یہ بازار بیچ میں
آدمی بھاگ کے جائے تو کہ صر سے نکلے
سیکڑوں اٹھ گئے رونق نہ گئی محفل کی
معنی ہے وہی ہست اکیلا مرے آگے
اس چمن سے کہہ تو جا کر کیا کرینگے یا دہم
شاخ پر دیکھنے دے گل کو نہ گلچیں جس میں
زائل عزت میں اپنی طبع کی مرغوبیاں
ماتم سرا میں صورت دیکھ کر شرط ہے
جو قید تن سے فلک مجھ کو یک نفس چھوٹے
زہار نہ رکھ اب طمع خسام جہاں پر
اور باطن میں بے وفا بد خو
حسرت و غم جس کا ہے انجام وہ محفل ہے تو
مکارہ ہے زمانہ کی یہ پیر زال ایک
لینے کو چاہئے کچھ نقد خریدار کے پاس
جشن منانی ہے الم باقی ہے
ظاہر میں تو ہے گلشن دنیا بہت اچھا
اولی سے ہے وہ خانہ آخری بہت اچھا
پیر کسی کا گل مقصد سے نہ دامن دیکھا
چشم غم آئے تھے دامن تر چلے
ہائے آسودہ جہاں میں کونسا دل ہو یگانہ
کٹی اپنی تو مثل شمع صبح و شام دنیا میں
لگانہ دل کو تو اس بوستان فانی سے
کس بھروسے پہ آشیاں کیجے
مثال نہج گل ساتھ تم ہوا کے چلو
نہیں چلتی ہے اکیساں اچھی
طلب کیوں ہو طمع کیوں ہو تعب کیوں ہو فغاں کیوں
ہم نے اب دیکھ لیا سارا جہاں بیچ ہے بیچ
بنے ہم عید شمع ہستی میں آ کے
توج سے ٹپس کیا کیا ہوئیں شکلیں عیاں کیا کیا
سراج بیتا مثل ماہی ہر اک بشر اس کی جال میں تھا
جائے عبرت ہے سرا سر رخ سے آباد ہے سخن

دنیا
چار دن کے واسطے کیا کیا نہ چھپا سکا
کوئی یاں دازا اور کوئی اسکند رنبا
دنیا کے تماشے کیا کیا نہ چھپا سکا
اس خواب کی ہمار تعبیر تو یہ ہے
دنیا میں عیش کم ہے مصیبت زیادہ ہے
دشمن اگر ہیں غم کے تو دوزخ میں عید ہے
کیا بچھا ہے تم نے ابھی دنیا کا تماش
ہاں چشم غافل ہو اگر باز تو دیکھو
غیب وہ سمجھتے تھے اس نیلے بے نیل کو
جو نہ سمجھتے کچھ بھی اس کی سکی ہو
لے سخن چین سے گزرے جو بول سکی ہو
کہتی انسان کے ہے عاشق دنیا کیا ہے
خانہ بیچ ہے سب جہاں کے کہ کیا ہے
اس گہر زب سے میں جہاں جہاں ہے
کہیں بنے قابل چمنستان جہاں ہے
گو کہ یہ بچوے مگر اک روز خزاں ہے
وہ سب بچتے ہیں ال دنیا کے
وہ سب سوچتے ہیں یک دہر کو دیکھتے ہیں
جو غیب سوچتے ہیں زینت دنیا کا اعتبار
بالکل نہیں ہے زینت دنیا کے پاس
مجان ایک رات کی خوشبو دہر کی پاس
تو صفت

١٠

ونبی
 غافل و شیار و وار مجن ہے وہ مقام
 پہنچے سو اور در و درج و ہم جہاں ملتا نہیں
 جو جمیت دل کیا ہو بھلا و نبی میں
 ہم سبیل بھی پریشاں آیا
 سنگین ہے کہ یہ سنگام ولادت انفال
 کیوں نہ رویا کریں سنگام ولادت انفال
 کیا جو مستحق موبوم میں نالاں آیا
 آج میں ہے حکم کوئی نیا ملک دیکھئے
 اس قابل قیام یہ دیکھئے کہ نہیں
 اس کا تہ جہاں نقش بر آب ہے ہم
 خط موبوم ہر اک چیز کا نقش و جہاں
 گرتی ہر زمین حسرت عالم شایع
 کہیں سے کہیں تہیت یج کیا کیا جہاں
 دنیا ہے خیال شکل جیسے تہ
 موت کوئی اس کی کیا تہاے
 نامزد کی ہوئی زن و نبی نہ مرد کی
 اس سید اکملے گئے دونوں جہاں
 ترع تحقیقی جو دنیا کو کیا ہے ٹھیک ہے
 برہمن ہو گیا وہ جو جہاں کے اند تھا
 دنیا کو عجیب جا ہے تماشے کی جو دیکھو
 اس راہ میں کھو تو بہت پاؤں سنجھلی کر
 بیدار ہو کر

میں

نیچے

نیما

10

شماره

Figure 1

—

تری صنعت کے کرشموں نے بھلا دی تری یاد
 پیچیدہ راہ دہر سے غافل سنبھل کے چل
 ہوش آیا تھا کہ سودائی بنے
 سرائے دنیا میں کیا دہرا چل اب یہاں قدم اٹھا کر
 رہنے کا اس جہان میں کیا شوق ہے
 بہانہ کی ہے بے ثبات صحبت برے میں کج ایل مدت
 اس آئی کسی شوہر کو نہ زال دنیا
 سرائے ہستی موہوم کے ہے غم سے کیا مطلب
 آئی ہے کام یار وہ دنیا کسی کے کب
 نہ ساتھ جاتی ہے دنیا کسی کے بھی واحد
 دامن الفت میں جو دنیا کے پھنسے ہیں غافل
 ابھی کچھ تھا ابھی ہوا کچھ اور
 خلق میں آ کے نہ کیا کیا دیکھا
 خدا اس سے نے جلد سید نجات
 کا رخسار نہ کو جہاں کے سید
 جب ملک و اں رہے کچھ نہ فکر نہ بھتی
 دنیا قیام گاہ کسی کی نہیں شفق
 زال دنیا سے کبھی کیجے نہ انس
 دنیا قیام گاہ کسی کی نہیں شفق
 گلشن رہے بہار رہے باغیاں رہے
 عیش دنیا پر کبھی کیجے نہ ہرگز اعتبار
 دنیا سے رکھ کبھی نہ امید وفا شفق
 ہیں سرا سر کار و بار مردم دنیا غلط
 روز کھاتے ہیں گل تازہ بتازہ اس میں
 کہتے ہیں جس کو دنیا وہ خواب ہے طلسمی
 دنیا سے دل لگایا تو پھر یہیں رہو گے
 دوسنے کی یہ جگہ ہے ہنسانہ تم یہاں پر
 لوٹ میں رنگینیوں پر جن بھی آدم زاد بھی
 قطع نظر جو نقش و نگار جہاں سے ہو
 زال دنیا کے عشق میں ہے خلقت کو جور
 عروس دہر نہیں التفات کے قابل
 کار دنیا کے تمام نکر
 صاحب عقل کو نہیں ہے زیب

وقت سب کہو دے نظارہ عالم میں ہے
مشکل پڑے گی تجھ کو شیب و سراز میں
پھنکے ہم دنیا کے مکر و بات میں
مٹا دے اپنی خودی کو غافل ارادہ منزلِ فنا کر
کب مانگتے ہیں خضر سے عمر و راز ہم
غراب ہو کہ محلِ عبرت بنا ہے گدغنِ بکتگیں کا
ہو گئی رانڈ یہ سو بار سہاگنِ بنکر
مسافر کو ہے راہِ فکرِ بیش و کم سے کیا مطلب
کیوں اعتبار کرتے ہو اس کو ہکا باز کا
یہ منعموں نے عبث اس کا اعتبار کیا
جز غم و رنج حصولِ ان کو بھلا کیا ہوگا
گلشنِ خلق کی ہوا کیا ہے
خوب قدرت کا تماشا دیکھا
نہیں رنج دینا گوارا مجھے
دل مرا دیکھ کے مرجاتا ہے
آکے یاں مفت کا جھگڑا دیکھا
اس گھر میں مہمان جو آئے چلے گئے
اس زنِ قحبہ کے شوہر میں کئی
مہمان اس سراے میں آئے سب ہے
افسوس ہے کہ ہم نہ رہے اور جہاں ہے
ایک دو دن کے لئے ہے پھولِ خدانِ بلوغ میں
یہ پیرِ زلالِ قحبہ ہے دیدے اُسے طلاق
قول ان کے سارے جھوٹے فعلِ سترِ پانِ غلط
باغِ عالم کو سدِ اچھولتے پھلتے دیکھا
آنکھیں کھلیں تو آیا ہم کو نظر نہ کچھ بھی
تو بکریں کے ہرگز پھرتم نہیں رہو گے
جانا ہے تم کو دیکھو پھر اس کے آستان پر
واہ کیا دلکش جگہ ہے عالمِ ایسا دیکھی
دیکھوں وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں
ہر مرثہ اس قحبہ کی ہے صورتِ نشرِ سفید
نظر سے کہہ دینا کہاے فریبِ نقش و نگار
کام جاری ہے کارخانے کا
کہ اٹھائے جہاں میں رہ کے فریب

44

مهرت

سمندر

سید

شش

10

شماره

شا	
----	--

شور

1

بیدار ہو کے چشمِ فکر سے دیکھ لے
 عروجِ مرتبہ کو کم کرے مسلمان دنیا کا
 جائے بیزاری ہے دنیا اسلئے رکھتا ہے پشت
 ہے فقط دنیا سے دوں صحرائے خواب
 گلشنِ دہر ادبِ کلبہ ہے مقامِ اے صابر
 تماشا گاہِ دمِ بازاں ہے یہ دنیا کے دوں صابر
 یہاں کی صفائی پہ صابر نہ پھسلو
 خشکی سے تازگی ہے جہانِ خراب کو
 نہیں ہے بزمِ عالمِ شادمانی کا مقامِ ایل
 پھنسیا غفلت ہستی نے اک طفلانہ حرکت میں
 ہمراہ آرام ہے دنیا میں بے چینی ضرور
 حبِ دنیا سب گناہوں کا سرا ہے غافل
 عالمِ اک پل ہے مٹانے کے گزر جانے کو
 جولا مکان سے مجھے اس مکان میں بھیجا
 و نیائے بے ثبات میں دو دن کے واسطے
 رنگِ نشاطِ گلشنِ دنیا بے بے ثبات
 حسرتِ کدہ دہریں رنجِ عالمِ دور و
 دنیا ہے اس کا نام بڑی میوا ہے یہ
 ہستے کیوں گل کی روشِ باغِ جہاں میں غافل
 چین اے کس کو فلک دہ آپ ہی چکر میں ہے
 جو ہوتے ہم نہ جہانِ خراب میں داخل
 دیکھ بھڑا خرخراں ہے کوئی دن ہے یہ بہار
 کوئی حلاوتِ دنیا میں پڑ کے کیا نکھے
 دنیا ہزار رنج و مصیبت کی جائے ہے
 دنیا ہے جائے رنج و مقامِ غم و الم
 کھو کے دیں گر ہوئی دنیا تو ہوئی کیا دنیا
 دنیا مثالِ فاجہ جاتی ہے جس کے پاس
 نقشِ سراب ہستی ناپائیدار ہے
 ظہیر آٹھو ذرا ہشیار ہو کس نیند سوتے ہو
 میں زباں پر تلخ کامی کے مزے
 جہاں کے جس قدر جھگڑے ہیں سب قصے کہانی ہیں
 روزِ اک سیر ہے اس بزمِ گدنیاس میں
 اے پیرِ فلک دولتِ چشمت نہیں مقبول

اے یو قوتِ گلشنِ ایجاد خواہی
 بڑھاپاؤں نہ اک سوزِ گدوں پر سیا کا
 نہ نہ پھیر گیا اُدھر کو تا بمقدور آفتاب
 دیکھ اے غافل نہ ہو جو یائے خواب
 پاؤں سے پہلے درختوں کا یہاں سر نکلی
 گزرتی ہے یہاں موت بھی انسان سے دم لیکر
 یہ دنیا نہیں دل لگاتے کے قابل
 خالق نے ابھروں سے بنایا سحاب کو
 سیلِ گریہ شمعِ گمن کچھ اور کہتی ہے
 تماشا دیکھتا ہوں خانہ رنگین دنیا کا
 کچھ سکوں کچھ ہمتیں رکھتا ہے لفظِ آرام کا
 اس سے چونک جائے اس کو کچھ خطر تو نہیں
 یعنی انسان اُدھر آیا ہے اُدھر جانے کو
 گرے میں اے مرے پروردگار پھینک دیا
 اے منعوبائے ہو دولتِ مٹا عیش
 مثلِ انارِ خندہ دندانِ مٹا عیش
 دو دن کے لئے آئے تھے کیا کیا نہیں بکھا
 دھوکے میں ہم نہ آئیں گے اس پیرِ زلال کے
 اے ظفر ہوتے اگر یاں کی ہوا سے واقف
 ہے ہوسِ راحت کی زیرِ آسمانِ نیلا
 تو ہوتے کا ہے کورج و عذاب میں داخل
 اس چمن میں آشیاں اپنا نہ اے بے تاب
 کہ یہ تو بس لگس دانگیں کا ہے نقشہ
 یہ غم کدہ نہ عیش نہ عشرت کی جائے ہے
 یاں ہوتا کس طرح تجھے غافل سرور ہے
 ایسی دنیا پہ ظفر ہم تو ہیں لعنت کرتے
 رہتی ہے اس کے پاس یہ بذاتِ چند روز
 شکلِ حبابِ زندگی مستعار ہے
 نہیں یہ جائے خوابیدن کہ دنیا اس کی کہیں ہیں
 لذتِ دنیا سے فانی دیکھ لے
 کگل بوئے ریاضِ دہر کے نقشِ فانی ہیں
 اٹھ گیت کوئی کوئی رونقِ محفل آیا
 دنیا ہے عجزِ مجھے و انا نہ کرنا

شاہ

صابر

"

"

"

"

"

"

"

"

منشی

طالب

ظاہر

"

"

"

ظفر

"

"

"

"

"

"

"

"

"

ظہیر

"

"

عاشق

"

وہ
 گھر و نداد پر کاش و کاش
 کوئی ایسا نہ آیا جو گرا جاتا جاتا
 غیر حسرتِ مال دنیا سے کبھی حاصل نہیں
 کب سکندر سے گیا نہ زریں زینتِ انہیں
 چارون کے لئے دنیا میں کچھ نہیں
 طلبِ عزت و ملک و زور و جاگیر عیش
 حالِ مایہی جو دنیا میں غم و غم
 رزق تو پایا کس کا شامِ دنیا میں
 کچھ بھی نہیں سمجھیں جو کچھ ہے جو ہیں
 دنیا تو ہے کھیلِ تماشا کوئی دن کا
 کس پوچھیں کہ کیا عالمِ اسباب میں ہے
 جو نہیں ہے وہ ہے بیدار جو ہے خواب میں
 زیرِ فلک مقامِ کریں کیا سمجھیں
 رستہ میں رہے نور و نباتات میں کھجور
 کیوں نگاہِ دہریں آئے ہیں نشہِ ایجاد سے
 پرستے آنکھوں پہ پائے ہیں نشہِ ایجاد سے
 مدتوں یکساں رہے جو چیز آہیں طاف کیا
 زلِ دنیا ناز کرتی ہے شبابِ عور پہ

ہوئے

دُنیا

نہ اس آئی ہوئے باغِ دُنیا
 کریں گے نیراب ملکِ عدم کی
 کیوں بُبھاتی ہے میں چھوڑ دوں دُنیا
 پھر آئیں گے ترے سر کی قسم جانتے ہیں
 اس جہاں ایک دن اپنا سفر پورا ہو جائیگا
 عیشِ دُنیا چھوڑ کر جنگل میں گھر ہو جائیگا
 حبِ دُنیا سے علی احمدی نہیں جانتی رہی
 ہو گا پچھانے سے کیا اگر سب جانتی رہی
 خزاں ہے بہارِ چین اس جہاں کی
 کہ غنچہ گلِ خندہ زن ہو رہا ہے
 یہ دُنیا نہیں قابلِ اعتبار
 بڑا ہے زمانہ کا لیلِ اعتبار
 دُنیا کے مکر و کید سے قاتل کو کیا غرض
 کب غلط ہو مردِ جواں پیرِ زلال سے
 خانے پائے خزاں بیمار اگر بی بی
 دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیشِ دُنیا کا
 شکر ہے خوفِ فرستِ مہتری کا کوئی غم
 عمرِ عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

کمر نہیں

ہوتے ہیں کیوں مقیم جہاں خراب میں
 مردِ جواں ہے جاہلِ دولت پہ جو ہے نائل
 لگی رہتی ہے یاں آمد خزاں کی
 بیچ ہے عشوہ و اندازِ عجزِ دُنیا
 یہ دُنیا کشتِ زارِ آخرت ہے ہمیں کچھ بولے
 تعمیرِ جہاں خاک ہے دراصل جو دیکھو
 سب ہے یہ تادیقِ عالمِ اسباب میں
 ہاں یہ دُنیا سراب کی سی ہے
 یہ کیا ہے عاشقِ جنوں نہیں یہ کیا ہے غفلت اگر نہیں ہے
 دُنیا ہے چند روزہ نہ اس پر اچیل کے چل
 دل کو ہٹاؤ خانہ دُنیا ہے چند روز
 دُنیا سے ایک روز سفرِ تجھ کو ہے ضرور
 حسرت کے سوا کیا ہے طلسماتِ جہاں نہیں
 بگاڑ کھیل اور لاکھوں بنائے
 آکر خراب کیوں ہوئے ہم اس جہاں میں
 عجب لائی ہے رنگِ دُنیا طلسم کیا کیا ہوئے ہویدا
 ہر طرح سے دیکھا ہے طلسماتِ جہاں کی
 طلسم جہاں ہے مقامِ تحسیر
 بہت سے لوگ یاں آئے گئے اور آئیں جائینگے
 نہیں آں تماشہ دیکھنا کچھ ملکِ امکاں کا
 اس گلشنِ مہستی پہ نہ کرنا ز تو گل چیں
 یہ عدم کا اور یہاں کا حال ہے
 سیرِ دُنیا دیکھ کر یہ حال ہے
 اک آیا اک گیا یہی نقشے جہاں کے ہیں
 دارِ فانی کر بلا ہے یاں کہاں آبِ بقا
 چمن و ہر کی ہوا اے عیش
 کس کو دُنیا یہ ساز گار ہوئی
 غمخانا جہاں میں نہ خوش خوش نشست کر
 طفلِ جواں کرشمہ دُنیا کے ہیں شکار
 نہ سمجھ سکتے ہیں موجود نہ معدوم عزیز
 کچھ نہیں کشورِ وحدت میں مگر سب کچھ ہے
 نہ ملا خانا دُنیا میں تو آرامِ عزیز
 نظرِ فریب ہے گلزارِ عالمِ امکاں

عالم

علی احمدی

=

=

=

عالم

عالم

عالم

=

کرتا ہے اس مقام کو کیوں رواں پسند
 ایماں ہے مہرِ غافلِ دُنیا سے پیرِ زن کا
 عجب آب و ہوا ہے گلستاں کی
 چائے یہ کہ تو مردانہ اس عیار سے بچ
 نہ کر کچھ نازِ نادانِ س جگہ کے ساز و سامان
 تعمیر ہے دل کی کہ نہیں نام کو داں خاک
 دیکھنا اس کو ہی تو دیدہ اگر دیکھنا
 چشمِ حق میں میں خواب کی سی ہے
 عجزِ دُنیا پہ جاں نثاری الٰہی تو بہ الٰہی تو بہ
 عبرتِ گدہ ہے اس میں تو غافلِ سنبھل کے چل
 ڈالو نہ چند روز کی بُنیاد کی طرح
 سیدھی طرح سے چاہے تو چاہے محلِ کچل
 کل جو ہوا پیدا تھا گیارہ ہی گزر آج
 یہ نیرنگی ہے نیرنگ جہاں کی
 بے قدر ہے وہی جو وطن سے نکل گیا
 کہ سبزہ و گل نے ہو کے پیدا پتہ یا صورتِ آفرین کا
 اک خواب ہے نظرِ نہیں یہ دُنیا مرے آگے
 کہ غفلت میں انسان آئے ہو ہیں
 مسافرِ خانہ ہے دُنیا یونہی ہم بھی ہیں نکلے
 کہ یہ ہو کا مکاں جس میں ہے عالمِ حوشاں کا
 پڑمردہ ہیں اک روزی گل اور خزاں ہے
 آئے تھے گریہ کنناں مضطر چلے
 ہم عدم کو بھی ہیں بشدِ رچلے
 پر جلتے سب وہیں ہیں کہ اصلی جہاں کے ہیں
 تشنہ کامی سے ہے پتلا حالِ دُنیا دار کا
 غمِ فزا ہے نہ باعثِ تفریح
 عیش کرنا کبھی نہ اس سے ساز
 اے عیش جھینکنا ہے یہاں بات بات کا
 خوبی تو کیا ہے سحر کچھ اس پیرِ زن میں ہے
 کوئی عارف ہو تو پوچھیں کہ یہ کیا عالم ہے
 کثرتِ آباد میں سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں
 آؤ اس گھر سے چلیں اور کوئی گھر دیکھیں
 دکھائی دیتی ہیں خالق کی صنعتیں کیا کیا

عاشق

عالم

عالم

عالم

عالم

عالم

<p>کم نہیں حسانہ ماتم سے یہ دنیا جیہیں جو سانسہ آ رہا مارا گیتا لاکھوں جوان دانوں میں دنیا کے آگئے مشتاق ہونہ اس چمن کائنات کا آباد جسے سمجھے ہو تم گویا ہے ویراں دنیا بھی ہے نمونہ احوال آخرت وہ ہی ویرانہ دنیا میں ہے گویا آباد نادان ہے تو جو سمجھا ہے ظرف زمرہ میں ہے آب و ہوا جہاں کی ناقص نکر آراستگی خانہ تاریک کرو مگر ہے خواب شب عمر آدمی کی دنیا کبھی نہ دوست کسی آشنا کی ہے مرتے ہوئے کو مارنا دیکھا بہت فدا غافل سمجھو جہاں کا نام ہے کون فساد ناداں جو تجھ کو چشم شیریں کاگاں ہے دنیا کی عمر سعد جوانی میں طے ہوئی کیا تیرہ تنگ جا ہے جہاں مطلقا جہاں زال دنیا نہیں دو دن بھی کسی کی پابند رونق دنیا نہیں کم دیدہ ہائے غول سے آکر یہاں فلک سے فرشتوں نے کیا کیا ہے یہ دنیا سرائے جہیں فوق پھنس گئے دنیا کے دار و گیر میں مصیبت اور دنیا کی مصیبت جائے بوندن نہیں یہ بھر جہاں جیا بکا کم کب اس بخت ارجمند سے میں کہتے ہیں خوشدلی ہے جہاں میں مگر غلط مکروہ گرم ہی ہیں جہاں کے تو لاکھ بار آرام سے کوئی دم کٹ جائے گر جہاں میں تھا بد و نیک جہاں سے میں عدم میں آزاد قائم عیش ہے فیکر رہائی کی مشل موج دنیا کے دوں کو آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھئے کبھی تھوکیں نہ مرد دنیا پر خوش نہ ہوں دولت دنیا سے زمانہ والے</p>	<p>سینہ زن کوئی کوئی خاک بسر ہوتا ہے منزل دنیا ہے جا افسوس کی صد ہا بھرے فریب میں س پیر زال میں کیا اعتبار جلوہ گہ بے ثبات کا یہ دشت جہاں غافل میدان ہے ہو کا موجود ہے آل شقی وسعینہ کا جس نے اس دیر خسر ابات کو ویراں دیکھا دنیا مگر ہے کاش ٹھکتہ سفعال کا اب کوچ مقام سے ہے بہتر خاک حاصل نہیں دنیا کے سفید یواں یہ دنیا گویا اک مہا نسا ہے جو بھگی قدیم سے اس بیوا کی ہے اک پیر سال خوردہ کی اک بھی چال ہے ہے خرابی سے ہم دنیا کی جو تعمیر ہے دنیا ستام زہر لائل کی جھیل ہے باقی جو کچھ کہ رہ گئی منخوس رہ گئی کچھ انشراح دل کو نہ آرام تن کو ہے اک نیار و زبانی ہے شو ہرا پنا جس کو تو آباد تھا ہے بڑا ویرانہ ہے چارہ کسی کو عالم اسباب میں نہیں ہر بشر مہمان ہے گویا ہوتی ہے کب تک رہائی دیکھئے قیامت ہے قیامت ہے قیامت خانہ برد و شش رہ توکل جاب پھنسا قفس میں جو چھوٹا چمن کے بندے میں بچ و لقب ہی ہم نے تو دیکھا جد ہر گئے افزوں ہے عمر خضر سے فرصت شرار کی ہم عمر خضر کے کب فرصت شرار ہے آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھ کو جب تک کہ بُو ہے ساتھ مرے پیچ و تاب کی عاشق جوان ہوتے ہیں کیا پیر زال کے تف یہ مکا رہ میوا کیتا ہے رونگے صورت فوارہ خزانے والے</p>	<p>دنیا شمار میں نہیں موبی جہاں فانی کی جنون ہے اسے لہریں گئے جویا پانی کی تم وہ اہل جہاں تم سے کنار اچھا لاٹیاں مار کے پانی کو جدا کرتے ہیں قتل نہایت آسان ہے یہ دنیا لاکھوں آتے ہیں لاکھوں جاتے ہیں فرقتہ اسین نہ بزرگ نظر کچھ بھی نہیں کھو کر دیکھ چکا بندہ کر کچھ بھی نہیں دنیا سے تو نے ربط رہا یا نہ اچھ اک بیوا کے دام میں آیا نہ اچھ مردان حق سے قہر دنیا بے تاب صورت چریل کی تو پیر زاد کا فرج زال دنیا بھی ایک قہر ہے جس نے دیکھی ہزار کی صورت واقف نہ تھا عدم میں نہ دنیا بے شکوہ آیا ہوں میں جہاں میں فقط اشتباہ ہے نہیں اب بطف زندگی کا نہیں رہنے کی جاتی تیا نہیں آج کل کے بھروسہ جیو سفر کو دنیا کے مال و زر پر بھروسہ تو طلب یہ زندگی ہے آب پیل جاب آج ہے آج</p>
---	--	--

دنیا کی نہ کرو خواہش
 اس سے کبھی بہرہ ورنہ ہو لگا
 دھوکا ہے تمام جبر و کج
 دلچھے لگا کہ ہونٹ پر نہ ہو لگا
 مویں کر سے ہے جبر جہاں میں بھی ہو
 جانے کا بعد مرگ کہ عالم حجاب تھا
 آفاق کی منزل سے گیا کون ملک
 اسباب بٹا راہ میں یاں ہر سفر کا
 آشوب بستر ہی کیا جانے ہے کب سے
 موج و حباب اٹھ کر لگ جاتے ہیں گناہ
 دنیا میں دیر رہنا رہتیا نہیں کسمو کا
 یہ تو سر اسے فانی اک کار و انسر ہے
 کارواں کا وہ جہاں میں نہیں رہتا کوئی
 جسکے ہاں دیکھتے ہیں چلنے کی تیاری ہے
 جائے بودن تو نہ تھی دنیا سے دوں
 اتفاقاً آیا آنا ہو گم ہے
 عالم نیست مجموعی سے ایک عجیب مریخ ہے
 ہر مغنیوں و رق ہیں کے دلچھے تو عالم لچم
 دنیا میں ایک دو کوئی کرتا نہیں پیام
 جو ہے روادار وی ہی میں اس مقام میں

الحمد لله

५६

پنج

ہے آج نام کو تو نہیں گل نشان تک
دہر دلالہ کو بہتر ہے کہ دیدیجے طلاق
ہاں ہاں یہ زال دہر کو دیدیجے طلاق
زال دنیا سے نہ کرا خلاص قطب
اے ساکنان عالم ایجاد ہوشیار
یہ بے ثبات بہار ریاض ہستی ہے
خزاں ہے میری نظروں میں تھار اس بلغ عالم کی
دیکھو بے دنیا میں کم میں دوست اور دشمن بہت
منامد بھی یہاں تو نقصاں ہے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
گلِ راحت کہاں ہے باغیں نیا کے اے لائق
لائق کوئی فریق میں آسودگی نہیں
تماشاے گل گلزار دنیا سب ہے لائق
جب جہاں ہے تب سے خرابی یہی ہے میر
اچڑی اچڑی ہستی میں دنیا کی جی لگتا نہیں
یاں چلتے دیر کچھ نہیں لگتی ہے میر جہاں
جہاں رہنے کو جی بہت تھا نہ کر کے میر کچھ توقف
یہاں کا دریا بیکراں قحط سہرا پایاں کا رنگلا
موہوم ہے ہستی تو کیا معتبری اسکی
ہستی میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھی
اک آن میں بدلتی ہے صورت جہان کی
اس مہلت دو روزہ میں خطرے ہزار ہیں
حاصل بجز کدورت اس خاکداں میں کیا ہے
سہل مٹ بوجھِ طلسم جہاں
دیکھو نہ چشم کم سے معمورہ جہاں کو
جہاں میسر رہنے کی جاگ نہیں ہے
خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں
کچھ نہیں موج جہاں کی موج پرست بھول میر
ہوتا ہے یاں جہاں میں ہر روز شب تماشا
ہر گل زمین یہاں کی رونے ہی کی جگہ تھی
اس کا رداں سرا میں کیا بار میر کھولیں
یہ تو ہم کا کارخانہ ہے
اس کہنہ خرابے میں آبادی نہ کر معیم

کیسا ذکر ایسی ہستی ناپا ملار کا
قطب تم زل جہاں کے کبھی داماد نہ ہو
بس بھول جائے یہ زن بد چلن کی یاد
ابھی ہو جس کا ابھی سے سر سفید
دنیا نہیں فریٹ دغا کا یہ حال ہے
گلی جو چٹکی تو مستی پر اپنی ہستی ہے
برابر جانتا ہوں بوستان کو اور شبنم کو
سات زیر پا زمیں تو آسمان بالائے سر
سنگ کہاتے ہیں بار واد وخت
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
بجائے گل کے اس گلشن میں غار غم بدست آئے
جو کا رخا نہ دیکھو تو برہم بہتہ ہے یں
مگر اس باغ سے کچھ نیک نامی کا ثمر لیتا
تم دیکھ کر زمانہ کو حیران کیا رہے
تنگ آئے ہیں بہت ان چار دیواریں میں ہم
رخت سفر کو اپنے شتابی سے بانٹ کر
پناہ تھی ناپا ملار اس کی اسٹی رہنا نہا نہ اپنا
جو لوگ تر سے کچھ آشنا تھے انہوں نے لب ترکیا پلنا
ہے گاہ اگر کوئی بے گاہ نہیں کوئی
کھلتی نہ کاش آنچیں خواب خوش عدم سے
جلد اس نگار خانہ سے کرا انتقال چل
اچھا ہے رہ سکو جو خسرو آج کل
خوش رہ کہ اٹھ گئے ہیں داماں جھٹک جھٹک کر
ہر جگہ یاں خیر سال ہے کچھ اور
بنتا ہے ایک گھریاں سو صورتیں بگڑا کر
چلا چاہئے یاں سے اسباب کر ڈور
کس خرابے میں ہم ہوئے آیا د
دور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے ملیر
دیکھا جو خوب تو ہے دنیا عجب تماشا
ما تدا بر ہر جہاں زار و زار ر و دیا
یاں کو چ لگ رہا ہے شام و سحر ہمارا
یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
اک شہر نہیں یاں جو محرابہ ہوا ہو گا

دنیا
 تنہا آسمان کی مٹی خراب ہے
 عالم میں اک جہاں کی مٹی خراب ہے
 بارش تو اس جہاں سے اٹھائے مجھے پیاب
 جس میں کہہ رہی ہیں غم سے
 منزل بتائی میں بہت ہم ہے
 مصحفی ابیاں سے سفر کیجیے
 دنیا میں دل کو دل سے محبت نہیں ہی
 پہلے جو دوستوں میں تھی الفت نہیں ہی
 ہے زوہار گلشن آفاق دیدنی
 آئینہ میں تو اسے دل پیو کہ
 ہم نے کچھ تیرے دل کی دنیا کی دینے
 دینے ہم کو بھی غم کے تھاویاں گزراں
 ہم ہاتھ ہے کہ تو یہ بادیدہ تر جا ہے
 یاں جو آتا ہے وہ بادیدہ تر جا ہے
 تعلیق کھینچتے ہیں اس گلستاں میں ہم
 بدل میں آگ دیں نہ رہی شیاں میں ہم
 ہیں اک روگ لگ گیا ہم کو
 ساتھ لانے نہ تھے عدم سے غرض
 خاک آئینہ خون شہاں ہے دنیا
 خبر مجھے میں باز گدازاں اس کو
 غم کو تو ہم

مصحفی

اس حدیقہ کے عیش پرست جاؤ
 شادی و غم میں جہاں کے ایک سے دوس کا ہے فرق
 جو ہے سو پائمال غم ہے میسر
 اہل دنیا کو ہے ووزخ اہل تقویٰ کو بہشت
 یہ کارخانہ عالم تو ہے فریب نظر
 جو چونکتا وہی ہے یہاں پریشاں حال
 ملتا نہیں ہے درس حقیقت کہاں مجھے
 کشتِ عالم میں یہ نیکی کا ثمر ملتا ہے
 بغیر سب کا بل کچھ نہیں ہوتا ہے دنیا میں
 بیچا چھڑانا تجھ کو دنیا سے ہے محال
 لطف دنیا کیوں نہ جی بھر کر اٹھائیں زاہد
 کوئی ذرہ بھی جہاں میں نہیں ہرگز بے کار
 امید و بیم کا میداں ہے عرصہ ہستی
 ہے زندگی خیال تو دنیا بھی ہے سراب
 مرغ ہوا نما کی طرح پھیرتے ہیں سُنخ
 یہاں کی شادی و غم میں کوئی بھی ہے نسبت
 جو غنچہ ہنستا ہے ہستی طفل روتا ہے
 خوش گیا دنیا سے جو غافل گیا
 یہ مادر گنتی بھی عجب ڈائن ہے
 یہ طلسم جہاں ہے پراسرار
 اپنی تو اس چمن میں عمر اس طرح سے گزری
 کسی کے عقد میں رہتی نہیں ہے بولہوی دہر
 بزم ہستی میں کچھ آسودہ نہیں ہم بیٹھے
 ہر دم کو سمجھتے ہیں ہم باز پسیم ہسم
 ملک ہستی سے جو جاتے ہیں جریدہ ہو کر
 زمیں سر پوشش خون کشنگاں ہے
 جو کوئی عالم فانی سے سفر کرتا ہے
 خلعت خاک میں عالم ہے جو یک رنگی کا
 دنیا بڑی جگہ ہے وہ جب مالدار ہو
 اے مصحفی جیسرت کے سوا اگر کوئی دیکھے
 اے مصحفی کچھ یاں سے نہ لیجا بیگا کوئی
 ہونہ دانستہ کسی چیز کا یاں صاحب ہوش
 ہم سوئے عدم یوں گئے دنیا سے تہیست

مے نہیں ہے ایانغ پر گل کے
 عید کے دن ہنسے تو دس دن محرم روئے
 چال بے ڈول ہے زمانے کی
 یہ جہاں پر غل ویراں بھی ہے آبا و بھی
 ہمارے سامنے داغ سراب رہتا
 وہ ہوشیار ہے جو مست خواب رہتا ہے
 فطرت کا مدرسہ ہے یہ سارا جہاں مجھے
 ڈھیر خرمن کے ہوئے بونے سے اک دانے کے
 مصیبت کو بھی ہم اعمال کی لپٹے نہرا سمجھے
 گرا ایک بار بھی وہ کسی سے لپٹ گئی
 ہم سرائے دہر میں آئے ہیں جانیکے لئے
 آب و آتش ہے نہ ہے خاک نہ ہے بادِ عبث
 سراب تنے ہیں اس میں کہ کچھ حساب نہیں
 خواہ میں عجیب دیکھ رہا ہوں میں خواب میں
 اہل جہاں بھی دیکھنے والے ہوا کے ہیں
 خوشی ہو ایک تو صدمے ہزار ہوتے ہیں
 سبب ہے ایک ہی روینکا مسکرانے کا
 عقل والوں کو یہاں کیا مل گیا
 جتنی بھی ہے اور آپ ہی کھا جاتی ہے
 جز خدا کوئی اس کو کیا سمجھے
 یاں آشیاں بنایا و ان شیاں بنایا
 یہ قحبہ روز ازل سے ہے کچھ طلاق نصیب
 مثل شمع سحری ہم کو سفر ہے درپیش
 دنیا میں مسافر ہیں نہیں کوئی یکس ہم
 راہ میں اپنا سبب باب لٹا جاتے ہیں
 سوائے خوں نہیں زیر زمیں کچھ
 اس گلستاں کی لے رہتی ہے حسرت باقی
 واں نظر آتے ہیں درویش و تو مگر میلے
 مرنے پر کا کیوں نہ پسر چاہنے لگے
 کچھ اور تو اس آئینہ خانہ میں نہیں ہے
 حسرت ہی فقط سوئے عدم ساتھ چلے گی
 رہے دنیا میں لے آپ کو مہاں جانے
 جس طرح کہ مفلس کوئی بازار سے خالی

میسر

مصحفی

غنچہ کو تبسم کی جگہ یاں نہیں ملتی
 اسے دل تمام عمر یہاں کون خوش رہا
 لالہ پڑ مردہ دلِ افسردہ ہے زنگیں بیمار
 کیا خوش آئی ہے دلائلِ منزل ہستی تجھ کو
 تو اُس سے لگا و جو ہمیشہ رہے منت
 غور سے موجِ سیرِ دنیا دیکھ
 چاروں طرف سے نالہ و شور و بکا ہے یہ
 دنیا نہیں سرائے سیرِ رہگزار ہے
 دنیا کا مقام ہے تعجب انگیز
 اک دم کے لئے چاہئے کیا دولتِ دنیا
 دنیا کے لوگ چاہتے ہیں دنیا کے واسطے
 بند دنیا میں پھنسے تم تو رہائی معلوم
 خواب کا نقشہ ہے یا نقشِ طلسمی یہ جہاں
 اس گلشن جہاں میں نہیں ہے شگفتگی
 صلاح نیک ہے میری پھنسنو نہ دنیا میں
 بندہ دنیا نہ بن مرو خدا اتنا تو سوج
 خوابِ دنیا کا تماشا اس طرح
 خوشی کی جا نہیں مری گلستاں کیلئے
 دنیا کی ہوس کوٹ کے اس طرح بھری ہے
 جنگل دکھیا ہے اور بستی دکھی
 دنیا ہے وہ جا کہ حق پرستی کے بجائے
 گراں میں پھنس گیا ہے تو سودائی ہے
 دنیا ہے فقط ایک تماشا اے مہر
 دنیا اے دنی میں چونکہ دل بستہ ہے
 اس راہ میں آرام کے اسباب نہیں
 ہے رنج و الم کا گھر ترسریہ جہاں
 جو رنج کا گھر ہے اس میں راحت کیسی
 دنیا ہے مہر ایک بازار لگا
 خواہش ہے کہ سب کو کھینچ کر لاتی ہے
 مڑی ہے عین ذاتِ ناظر اے دل
 ہے علت و معلول میں یکسانیت
 دنیا ہی کو ثابت نہ کیا اُس نے مہر
 آئے ہو تو کچھ یہاں کا تماشا دیکھو

منہ

مہر

لے نفس مطمئن ترسے ملنے کی کیا ہے راہ
 دنیا سے دوسری دنیا میں بہت فیر و فرسہم
 عظیم ماسوا کی بولے غافل
 بیچا جان اس گورامیدت لگا رہا ہے
 تماشہ گاہ عالم میں تماشے کو بخت میں
 کثرت ہی مگر آئینہ تو جید باری ہے
 ہارستان امکان کے عظیمی کا رخا نے میں
 تیر صورت تصویر آن خود ہے تیر میں
 گلستان ظہور انیچ کچھ رنگ و صورت میں
 عجب بزرگیاں میں کار کا نام و صورت میں
 مودی ہے جو داس عالم کثرت کے غافل
 جاب آسانیاں جو بے پائی و صورت میں
 جھوٹی دنیا کی ہے کہانی ساری
 ہے نقش بر آب زندگانی ساری
 یہ عالم مثال ہے بزرگ خیال
 لے طبع رواں تیری روافی ساری
 کیوں چھوڑے عیش جاوداں آتا ہے
 انسان سے کوئی کو کہاں آتا ہے
 دنیا سے مٹی رنج و الم کا گھر ہے
 رونا ہوا آلودہ بیاں آتا ہے

دنیا میں رہ کے لے سگے نیا تلاش حق
 آکے یاں شاہد اصلی کو تو ہم بھول گئے
 خواب کا نقشہ ہے عالم دیکھنے والا ہے تو
 مہر دنیا قید خانہ ہے کہاں و راستگی
 پہچھاتے ہیں خوشی سے یوں جو مرغان چین
 خوشی تجھ کو دنیا میں ملتی نہیں
 ہونا ہے حال تیریاں ایک دن و گرگوں
 دنیا فنا کا گھر ہے ملک فنا کی بستی
 عبت کی جایہ کا رگہ اعتبار ہے
 گزری مگر یہ دہر سر پر بگزار ہے
 وہ مخالف ہوا ہے دنیا کی
 جائے و بستی نہیں دنیا
 نمٹنے کی جسا نہیں ہے تردد امنی ہمارا
 ہتیار ہو کہ ناداں کا لگ لگی سب کو
 بنا ہے تو جو ایسا بندہ بے دام دنیا کا
 نہ کر مجھ پہ بھروسہ پھر وزہ ہو نہیں لے غافل
 یہ ہے وہ بیوفانا آشنا کچھ بھی اگر سمجھے
 اجل جب تجھ کو آئیگی نہ ہو گا فکر دنیا کو
 چلے گی یہ نہ تیرے ساتھ تو کیوں ساتھ دے سکے
 پھنسا جو اس میں آکر وہ نکلنے ہی نہیں پاتا
 نتیجہ خود فراموشی ہے سچو سوچکر فاضل
 ہوس بیفائدہ ہے محض بڑھ چلنے کی دنیا میں
 نہیں ذکر و عبادت کی جگہ غافل ترے دہیں
 سحر سے شام تک بس تو ہے اور دنیا کے دھنیں
 تجھے چلنا ہے خالی ہاتھ اور نا کام دنیا سے
 بزم دنیا میں نہیں نام کو جمعیت دل
 ہوں دنیا سے دوس کی ہے کہ تجھ کو خواہ کرتی ہے
 نہیں جز نام و صورت طیسیم عالم امکاں
 گراں ہے بار دنیا وہ اٹھا بیسے نہیں ملتا
 نہیں کھینچتے ہیں ارباب صفا دنیا کے جھگڑو میں
 فنا فی اللہ پر لیکن کہاں تو کان دیتا ہے
 تعلق جتنے تو لے آکے دنیا میں بڑھائے ہیں
 جسے کہتے ہیں ہم دنیا وہ کھیتی آخرت کی ہے

یہ خسل آرزو ہے جس میں مٹ نہیں
 ایک خاطر میں بستور ہے پندار کی بات
 بوا لہوس کیا جستجو ہے اور کیا ملتا نہیں
 جو یہاں آیا اگر قرار من و مانی ہو
 ان کو دنیا کی لگی شاید ہو کچھ بھی نہیں
 خوشی کی نہیں مہر یہ سرزمین
 دنیا ہے عارضی شے کیوں تو ہے اس پھنسا
 لے بوا لہوس کر گیا کب تک ہوس پستی
 کس کو یہاں ثبات و قرار و قیام ہے
 کس کو یہاں قیام ہے کس کو قرار ہے
 سر اٹھانے کی کس کو فرصت دی
 گھر ہے یہ سرور و رخ پیہم کا
 وہ شے ہے لوث دنیا دیکھو جسے بُری ہے
 لے غافلویہ دنیا کا جل کی کو ٹھہری ہے
 ذرا سوچا بھی ہے تو نے کبھی انجام دنیا کا
 زبان حال سے تجھ کو یہ ہے پیغام دنیا کا
 نہ لے پھر خواب میں بھی بھول کر تو نام دنیا کا
 تجھے رہنا ہے گرچہ صبح سے تا شام دنیا کا
 جفا جائے وفا اک قاعدہ ہے عام دنیا کا
 عجب ہے بیچ وریچ اہل دنیا دام دنیا کا
 فقط دار و بے بیوستی سے پر ہے جام دنیا کا
 کہ کرنے کے لے اے غافلویہ بام دنیا کا
 بھرا رہتا ہے اس میں تو خیال خام دنیا کا
 نہیں عقبی سے تجھ کو کام ہے وہ کام دنیا کا
 یہ ہے اک روز انجام لے دل نا کام دنیا کا
 مطمئن آئے تھے ہم اور پریشاں لے
 وے ارباب باطن کو ہوسنیا نہیں ہوتی
 مگر صورت کبھی ماہیت اشتیا نہیں ہوتی
 نہیں جھگنی مگر اس بوجھ سے تیری کچھ بھی
 تجھے دیتے نہیں لیکن یہ جھگڑے دروہر کچھ بھی
 خدا تیرا ہے دنیا تو اس پر جان دیتا ہے
 خدا سے بھی تجھے نادان اتنی ہی جدائی ہے
 سچ یہ ہے بدیہی محنت سرگرم و ہتھکاں کا

جسے کہتے ہیں

جب سوئے غسل کوئی گسلائی ہے
دنیا سے ہلے مہر کنارہ ہی بھلا
دنیا میں بھینس کے مہر کیا لینا ہے
دریا میں بھی ٹھہرا ہے کوئی لے نہال
غافل دنیا میں دل نہ زہار بکا
کس کس کا کریگا رخ کس کس کی خوشی
آخر کچھ بھی خیال عقبے کا ہے
رہنا ہے ہیں کہ یاں سے پلنا بھی ہے مہر
ہر اک شاہ و گداس شاہ سے روزی کا طالب
انجام کو جب دیکھتا ہوں دور جہاں کے
امیت نہ رکھنا کبھی دنیا سے وفا کی
روز و شب مجھ کو طلسمات جہاں کے اندر
اہل عقبی سے یہ سگ دنیا
کون دنیا سے دنی کے نہیں رہتا پڑے
یہ بشر ہے شبدہ جہاں یہ جہاں بزم مسافراں
یہ سب نشان ہے یرنگ زار عالم کا
نقد دل دیتا ہے پے دنیا
کو بکھو ہے پے دنیا سے دوس خانہ خراب
یہ مرقع جہان کا اسے دل
امس سزل ہستی میں بہت اے گئے ہیں
عالم ہستی کا یا رب کچھ عجب انداز ہے
بیداری اس جہان کی سامان خواب کا
جہاں میں کام کسی کا کبھی بد بھمی
ملک ہستی میں کیا کیا جسا کر
جو عقل رکھتا ہے تو توڑ دام دنیا کو
نفس کی آمد و شد کو ج کا ہے تقارہ
یہ دن دکھائے ہو جھگڑے تھے کن فکان کے
ہے نہیں اک برگ گل محفوظ باد و ہرے
خوب ہی گزری عدم آباد میں لیکن یہاں
زور چلتا ہے کسی کا کب یہاں
ہوتی گواں جہاں میں کچھ خوبی
شیطان کا اس کو جال بچایا ہوا سمجھو
یہ دنیا کی حقیقت ہے کہ گویا

دیکھا کہ بالعموم بھینس جاتی ہے
پھنسر نکلے گا کس کی یہ چھاتی ہے
اک روز وہ آئیگا کہ چل دینا ہے
تجھ کو اس پار ناؤ کھینا ہے
ورنہ یہ سمجھ جان کو آزار لگا
انے جانے کا ہے یہاں تار لگا
کچھ بھی تجھے خوف حق تعالیٰ کا ہے
بندہ اس طرح تو جو دنیا کا ہے
جہاں کے دور کو سمجھا ہوں میں سہ گدائی کا منتہی
عالم نظر آتا ہے چراغ سحری کا
مشتاق نہ ہونا کبھی کھوٹے سے کھرے کا
نظر آتا ہے نیا نقش و نگار ایک نہ ایک
جتنے بڑھتے ہیں اتنے گھٹتے ہیں
دام تزدیر میں یاں کون گرفتار نہیں
یہ مکان دھوکے کا ہے مکاں یہ مانہ قابل دور
نظر جو صورت نقش و نگار آتی ہے
دولت لازوال کھوتا ہے
ایک دیوانہ ہے وہ بلکہ سگ دیوانہ ہے
چشم بینا میں نقش باطل ہے
ہر ایک مقامی ہے ہر اک یاں سفری ہے
یہ نہیں معلوم تیرا راز ہے یا ناز ہے
یاں موج آب پر بھی گماں ہے سراب کا
بوجہ زندگی مستعار ہو نہ سکا
چار دن رہ کے پیٹ بھر آئے
جو اس میں پھنستا ہے وہ بے شعور ہوتا
قیام کرنا یہاں عاقلوں کا کام نہیں
ظاہر ہے رہنے والے ہم لوگ تھے جہان کے
گلشن ایجاد بھی صرف خزاں ہو جا بیگا
چار دیوار غنا صرف قید خانہ ہو گیا
آکے سب سہراب و رستم حل دے
کہتے پھر کیوں صفت میں اسکی حرا
دل مت پھنسا جہان کے نقش و نگار میں
مکاں اک دل لگی کا راہ میں ہے

دنیا

بھڑکتی میں جو ابھر کے چلا
جے نٹاں صورت جباب ہے وہ
پتھن میں میری رہائی محال ہے
لایا ہے آب و دوا یہاں بھلا سیر کا
دنیا ہے مقام رہ گزر کا
سناں کر رہا ہے ہم سفر کا
چار دن کی ہے چاندنی دنیا
ماہ دور و ز میں تمام ہوا
چلتی پھرتی چھانوں ہے دنیا کا یہ ساز و آفرین
تیرگی شب کا باعث روز روشن ہو گیا
بینا کیب مجوزہ دنیا کا یہ پیر کا ہے
اندھوں ہی کی نظر میں پیری پڑا ہے
ڈرتا ہے کیوں مجوزہ دنیا کو ہے
عاشق وہ تیری ہے نہ تجھے فکر ہے
جگا جہاں پیچ بچھے کا غم و رنج
کیا ادسکو زاری بھلائی کا فصل ہے
نہیں سے کہیں کہیں ایسی دنیا کی تھیں
عدوت سے ہم اک آدمی کا تھیں
خلاق جگر گندہ میں فریب دنیا سے
عجب ہی طرح کا طوفان ہے میرا فریب

۵۶

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

علم اور

منظر

منظر

منظر

تم اپنا

دنیا
دنیا ہے ایک بڑی سیڑھی کا
پاؤں پر لپکا لپکا دنیا
تو کتبے ہو دنیا کو یہ ہے دار فناء ہے
تسلیم نہیں ہم کو نہیں اس کی تباہی
طلسمات جہاں کے صنم کا عالم زلال ہے
عجائبوں کا دیکھا تارنگ کیا کیسی بے پایاں
یہ بازی کا دیکھو لڑائی جھگڑا کا رواں بھر
یہ ہے اس قدر نادان مجھ کو کاشا
دنیا کو دیکھو دنیا ہے شکل غلط
شکل غلط اور یہ دنیا غلط
زندگی ہے جابجا ہی اپنی
نور و سحر و فن ہے بس
دنیا کی شکل کاشا کاشا ہے
دنیا کے نقشے دیکھا نہیں
نغمہ نشین جہاں میں کوئی جہیز نہیں
پست شہنشاہ میں تھکا نہیں خار ہے
نغمہ نگار کا ہے یا خندہ برق
جو دُشمن است اہل قتل کیا

گلستان

تم اپنا یا رکھتے ہو یاں قیام مدام
غافل رہو نہ کوچ سے گھر جان کر اسے
ایک چھوٹا تو ملی دُشمن کے کو قید حیات
پس از مردن بھی ظاہر ہے دل ان اہل دنیا کا
ایک کے نفع سے ہے ایک کو نقصان پہلا
تنگی عالم امکاں کی یہ قاطع ہے دلیل
بی حیائی سے ہے دنیا میں حصول مقصد
جہاں میں تیرہ دل جو ہیں ہی بیرنج رہتے ہیں
ملاقات دُور روزہ کو یہاں آئے تھے لیکن
ازل میں جو کہ ہیں باہم جدا ہوتے ہیں نیامیں
ایک کا دشمن جہاں میں ہو نہ کیونکر دُشمن
دنیا میں اکل و شرب ہے حاضر مسافر و
شیر سے تا شربت مرگ ایک سے ملتی ہے یہاں
عیش ہے عاریت اس باغ میں اور رنج مدام
چین دنیا میں زمیں سے تافک دم بھر نہیں
چین کی جا کوئی دنیا میں نہیں جز غمگدہ
گل نہیں جز داغ حسرت بوستان دہر میں
رنگ عشرت کر گیا پر داز باغ دہر سے
باغ عالم میں نہیں جز دل صد چاک گل
تہلکہ ہے جان کو ہر آن زیر آسماں
رنگ عشرت باغ عالم میں نظر آتا نہیں
طفل یہ رور و کے کہتے ہیں زبان حال سے
نشہ ہستی میں ساتھی بادہ عشرت کہاں
آلودگی سے دہر میں بچنا محال ہے
زادہ کیونکر کروں میں ترک یہ دنیا وہ ہے
غل - شور - بولا - آگ - ہوا - اور کچھ پانی مٹی
یہ پیچھے غیب ہے دنیا کی اور کیا جنس کھٹی ہے
واہ واکیا کیا نظیر اس خلق کے اطوار ہیں
یہ تہیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے
کلیج نہیں کر جا سہ یہ یاں بکودے اور ماتے
کاخ دنیا جو ہے باز بچہ طفلان ہے نصیر
دنیا ہے فاحشہ نہ لگا اس سے دل نصیر
دنیا مقام رنج ہے بیدار ہو نصیر

رہا ہے کون رہے گا یہاں کد ام مدام
ارمان کا مقام ہے یہ ایسا ماسرا
کبھی ہوتا نہیں یہ حسانہ زنداں خالی
وگرنہ کیا سبب ان کے روضوں پر طمع ہے
جام بھر جائے جو ساتھی تو ہے مینا خالی
آئے دو چار جو آہیں وہیں دو چار چلے
نظر آیا نہ کبھی کا سہ سا حل خالی
کہ نازل ہوتی ہے آفت ہوا کی شمع روشن پر
سراسر دہر کو سب مقام جنگ ٹھہرایا
دلیل اس پر جدا ہوتا ہے یاں طفلان تو ام کا
عرصہ امکاں نہیں میدان ہے یہ جنگ کا
اللہ نے بنائی ہے کیا مہا سراسر
غم لگا کہانے وہیں انسان جب پیدا ہوا
کیا ہوں گلبن سے بھلا گل کی روش خار جدا
داغ ہیں یہ گل نہیں نا سو رہیں اختر نہیں
کیا ہی دانا ہے کہ ساکن حم میں فدا طون ہوا
طور ہر برگ شجر میں ہے کف افسوس کا
بھٹک حیرانی ہے گل کیونکر ہے خداں باغیں
یاں سوا اشکوں کے کب آب و اں درکار ہے
جلد نکلا چاہئے اس قصر کی بنیاد سے
گل کو گل جیں کا خطر بلبیل کو غم صیاد کا
جو عدم میں چین تھا واماں تا در میں نہیں
ہے سر و گردن میں صورت شیشہ معکوس کی
خوں کافروں کے نگتے رہے ذوالفقار میں
سیر کو آئے تھے آدم باغ رضواں چھوڑ کر
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دُشمن کی سبٹی
یاں مال کسی کا مٹھلے ہے اور چیر کسی کی کھٹی ہے
خوار میں سردار میں زردا نہیں ناچار میں
یہنگی یہ سب میاں اسی آدم کے واسطے
کیا خوب سودا نقد ہے اس کی تھوڑے اس کی بے
کہ کبھو گھر یہ بنا اور کبھو بوٹے گیتا
مرتی ہے پیر زال یہ ہر نو جوان پر
غافل ذرا تو سوچ کہ قید فرنگ ہے

مہتاب
ناسخ

نصیر

نصیر

گلستان جہاں خار غم ہے قسمت گلچین
ہوا ہے گل سے جزا در جز سے گل ہونا مقرر ہے
خاک دیکھا کچھ شہستان جہاں میں اوسیم
جب نہ جیتے جی مرے کام آئیگی
سیلی موج حادثہ پڑتی ہے اب جباب
اس بھر پڑ خطر میں ہوں جس خوف سے
سختیاں جھیلے نہ کیوں انسان دنیا کیلئے
سمجھا ہوں عیش و طیش جہاں خراب تلخ
دنیا کو آنکھ بھر کے نہ تھا دیکھنا تجھے
کیوں آبا باغ دہر میں کیا جانتا تھا میں
اس پیر زال دہر کی ہم ٹھو کروں میں ہیں
بد کے دنیا نے بھیس دیا اُسے ڈرایا اُسے بھایا
جہاں حادثہ آگیاں میں ہے بشر کا درود
کسی کے قصہ پر کیوں رشک کیجے
اب لذت دنیا پر ٹپک پڑتی ہے رال
پہلے ہی سے آنے سے دل میں یہ خیال
جیتنا بھی یہاں کا سخت مرنا بھی ہے سخت
خالی نہیں غم سے زندگانی یک لخت
سامان کر رکھ یہاں سے چلنے کے لئے
منہ کھولا ہے قبر نے نکلنے کے لئے
زال دنیا کو میں دل دیتے ہو ڈرتا ہوں
مکن ہی نہیں یہاں لگانا بستر
سب کو ہے یہاں خیال آرائش سر
عدم اک دائرہ ہے اور محیط چرخ ہرگز
یہاں کے لالہ و گل داغ دل زخم جگر بھلے
منزل اسے سمجھ کے کر کھولتے ہیں ہسم
بندگیں آئیں یہ کبکرم نے وقت واپس
دل ملک عدم میں نہیں لگنے کا ہمارا
دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے
دنیا نہیں تو دین کی رونق کہاں ہے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً برا کہا
مکن نہیں ہے دین میں دنیا نہ ہو خلیل
طلسمی کا رخا نہ ہے کہ اک قدرت خدا کی ہے

نہال حسرت شداد ہے گلزارِ رضواں کا
یہ چندے کے لئے کچھ کا تا شا ہے خدا کی کا
ڈھیر پر دانوں کا تھا شمع سحر کے سامنے
کیا یہ دنیا عاقبت بخشائے گی
اس بھر بے کنارہ میں سر کیا اٹھائے
ڈر کر ہوا سوار طلاطم جہاں زمیں
کو کمن پر کب فریب پیر زن ثابت ہوا
ہے جام و اثر گوں میں فلک کے شراب تلخ
ہستی کا ایک جام بھی ہے لے جباب تلخ
کر دیگا زندگی دل خانہ خراب تلخ
جب سے گئی ہے ہمت مردانہ چھوڑ کر
کبھی زن پیر زال ہنر کبھی بیت شیخ و تنگ ہو کر
گزر جباب کا دریاے موج زن کی طرف
سرا ہے یہ نہیں مسکن کسی کا
پھر شرکت غیر سے تجھے ہو گا ملال
دنیا تو ہے اک اپنا را اور سو ہمار
دونوں کا ہے اک جال تختہ ہو کہ تخت
جینا ہے کب آسان جو ہے مرزا دشوار
رکھ پاس عصا گر کے سنبھلنے کے لئے
اور تاک میں ہر وقت ہے چرخ خدا ر
پیر گرد و رخ کہیں دشمن جانی ہو جائے
ہتیاے نہ دوسرے کی جبتک چادر
لیکن ہے کسی کا سر کسی کی دستار
جہاں سارا مہر پایا ہے رہین بے سرو پائی
نہ بھلی اس گلستاں میں طبعیت لاکھ بہلانی
بتی جو رہزنیوں کی بتائی ہوئی سی ہے
کیا تا شا دیکھے دنیا سے عبرتناک کا
بھولیں گے نہ ہستی کے مزے یاد کر سینگے
دنیا نہیں تو دعویٰ دیں مکر و زور ہے
اعلاے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
میں اس کے منہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا
ایسا خیال کر نہیں سکتا کوئی عقیسل
یہ دنیا کیا ہے کچھ آتا نہیں فہم انسان میں

دُنیا

دُنیا میں جان و دولت دنیا کی فکریں
مرنے میں لوگ مہنتی تا پا کر اب پر
دنیا میں اگر ثبات ہوا بھی تو کیا ہوا
دریا میں دم جباب نے دم بھر اٹھایا
پھر سے طلب میں جو دنیا کی وہ نہیں نیار
شمال دانہ جو گردش میں آتا نہیں
گنہ رجا عالم امکان ایدل نور جان کر
گراد سے چار دیواری غاصر لا مکان نہیں
ان کی آرائشیں بیان جو کسی قابل نہیں
ہے فنا اس باغ میں چن چن ویکے واسطے
جس کو دیکھ کر ہمت خوار خیال جان
بیداری کے ذریعہ یہاں میں غوا ہے
ہر گھڑی ہر وقت اتنے میں نظر جلاسنے
بائے کیا شے ہے طلسم عالم ایجا بھی
بے عجب خشک یہ دریائے جہاں فانی
جائے گوہر میں قطرہ خلائانی کا
پیر اب میں جہاں میں ہو اکو سا غیب
ہر را ہر کو تو تباہ ہے دھوکا سرب کا

ایک

دنیا
 کشتی کے جعبہ میں منظر عکس میں دہرے
 اور کیلئے جب خدا کا گھر جیسا نہیں
 زلال دنیا صاف باطن کو رستہ پیرزین میں چھینے
 موجب خندہ ہے دست پیرزین میں چھینے
 کچھ زلال سے رنگ گلشن ایسا ہے
 کہیں کسبل پریشان نہیں گل شاہ ہے
 دیکھو کچھ غور سے باز آ رہو
 یوسف کا کچھ نشان خبر پیرزین میں
 کہیں کیا جو دنیا ہے ہم کے لیے
 غم دور دور رخ عالم کے لیے
 پھیلانی کیوں ہے جال یہ دنیا پیرزین
 دانا جو ہیں چسپیں نہ وہ اس کے دامن
 دنیا ہے جالے الم خوش ہوں کیا ہیں
 مہم کیوں نے محرم میں دیکھیں
 سیر باطو دہر سے فارغ ہوا میں
 تپلی کی طرح چشم کسے سے
 دیکھیں بل نصیرت چشم عالم میں
 عادت کے قابل بھی یہ قدر عالم میں
 کوئی محتاج شکر کا ہے خدا کا کوئی
 حق تو یہ ہے کہ یہاں سائل امداد میں
 حشر

ایک آتا ہے تو فوراً دوسرا تیا ہے راہ
 یہ دنیا ہے وہ قحبہ پر فستق
 نہ ہو تو فکری سے دنیا کی مومن باریک
 نیا وے دین کی لذت جسے دنیا کی خواہش ہے
 بھلا اس وحشت آباد جہاں میں دل لگے کیونکر
 یہ دنیا ہے دوں بھی ہے مہمانسرایے
 مثل مہمانسرایے ہے دنیا
 ہے جو دنیا و قار خواب ہے وہ
 مثل ریگ رواں نہیں ہے قرار
 پیرزین دہر کے سے حبیب ہوں کو فریب
 جز رنگ کچھ نہ آب ہے بحر خراب میں
 دیکھ لے اسے چشم ہر گل کی بہار رنگ و بو
 پاس اس قحبہ کے اک خلق کی ہے آمد و رفت
 آئے تو تھے عدم سے ہو کر آو اس ہدم
 رکھتے ہیں سوز و گداز ایسا ہی اہل دنیا
 ایک نظر خوش گذر بس ہے یہاں جو شر
 ہدم ہے جہاں جاگنے کا سپنا
 جینے ہی کی ہے ہم محبت الفت
 ہدم جو عیش چاہئے موجود ہے یہاں
 دنیا کی نجاست میں جو ہوتا ہے طوشت
 کنارہ کیونکہ کیجیے ہدم اس دریائے عالم سے
 اگرچہ ہوش ہے ہدم تو سب چھوڑ الفت دنیا
 روز و شب نسان رہتا ہے امید و بیم میں
 ہو گئے آزاد و دام دہر سے جو اٹھ گئے
 جہاں سے حسرت و اندوہ کر حصول گیا
 عدم سے آیا جو مہتی میں مثل نقش قدم
 گرفتار دنیا ہو یاں تم تو ہستم دم
 دہر ہے ظلمت کدہ غافل سمجھاس واسطے
 ہے بدی نیکی کا یاں نفع و ضرر دست بستہ
 ہے یہ دنیا سراب کے مانند
 دوزخ و زہر گیا خوش باش جو آیا مسافریاں
 آئے یہاں جس کے لئے دیکھا نہ اسکو گھر چلے
 کشاکش کچھ عجیب دنیا میں پائی

کیا سکرادار فانی بھی مٹا فرخانہ ہے
 بچے اس سے وہ جو کہ ہیں اہل راز
 سیاہ دل کو کر گیا خضاب کے مانند
 قفل ہے لذت دنیا حقیقت کے خزانے کا
 پریشاں دیکھتا ہوں ہر طرف خاک عزیزاں کے
 جو شام آ کے ٹھہرے سحر چل بسے
 شام کا آیا صبح را ہی ہے
 یہ جو نقشے ہیں نقش باطل ہیں
 جس کے دل میں ہوائے دنیا ہے
 مرد سادہ کیا نیا ہے اس زن مکار ہے
 پانی نہ تشنہ لب کو ملے اس سراب میں
 گلشن دنیا بنایا ہے تماشا گاہ کو
 پایا ہم نے نہ کہہو خانہ دنیا خالی
 پیریاں سے لیک اپنا کچھ دل اچاٹ پر ہے
 آگ پر موس میں جس حال تب میں زر ہے
 عمر عدم کی ہے پھر صرف سفر شرط ہے
 آیا ہے جو یاں اُسے ہے آخر کھپنا
 پھر آپ کیٹھو کے ہیں نہ کوئی اپنا
 ڈر موت کا نہ ہو تو جہاں زور جائے خوش
 سرگیں کا اُسے دیکھ کے ہوتنگ میں کیڑا
 پڑی بے کشتی دل بے طرح گرداب حیرت میں
 کسوٹے میں بھی لے ناداں تو یاں جی اپنا لٹکا
 سوچئے تو ہے مکان دہر بھی اعراف دار
 ہیں گرفتار آہ ہم کس درد میں بھٹکر
 میں جس قدر کہ خوش آیا تھا ووں ملو گیا
 یہاں سے پھر آڑ اپنے سر پہ وصول گیا
 وہاں ہو گی کیا رستگاری تمہاری
 دن دے روشن ہے مہر نور افکن کا چراغ
 بلخ میں دہر کے ہے آج شمر دست بدست
 کر خیال اس کو خواب کے مانند
 سن لے غافل جہاں کا گھر میرا تیرا ہے
 بزم جہاں نہیں کیا کریں وہ رونق محفل نہیں
 گھٹا کی عمر تو غفلت بڑھنا کی

طسرفہ پر سوز ہے یہ جزمِ نشاطِ عالم
کون وہ گل ہے خزاں کا نہیں جس کو کھٹکا
یہ دنیا نہیں دل لگانے کے قابل
دُنیا سے نہ دل لگاؤ ہرگز
باغِ عالم کی فضا ہے چاروں
زالِ دنیا کب ادا تیری پسند
زالِ دنیا چاہے میری بلا

ساز جو میں ہمہ تن نالہ و فریاد میں سب
قابلِ سیر جہاں میں کوئی گلزار نہیں
کہ یہ بیسوا سر بسر بیوفا ہے
اس نے نہ کسی سے کی وفا حیف
پھول میں اس کے نہیں بوے وفا
ہوتی ہے مردانِ حق آگاہ کو
اس بلا سے خدا بچائے ہمیں

ہوش
یقین

دُنیا سے فانی

دیکھہ اے منعم ہے بجا شوقِ ایوانِ بلند
پھرتے پھرتے لحد میں ٹھہرے ہم
رنگِ ثبات مجھ کو کہاں باغ و ہر میں
اپنا تن خسراب بنا اور بگڑ گیا
احوالِ صاف ہستی موہوم کا کھٹلا
منعم کہاں ہے فرصتِ اکدم کی بھی ہستی
کوئی رہنے کے لئے آفاق میں آیا نہیں
دہر فانی میں تجھے فکرِ عمارت ہے تجھے
گہ عدم میں گاہ ہستی میں ہوا اپنا گزر
ہنسنے نہ پائے پھول کہ آخر ہوئی بہار
جہاں میں چند روزہ ہے مکاں کی تنگی و ست
کارخانہ ہے زمانہ کا سرا سرفانی
ہے بے ثبات منزلِ ہستی کرو سفر
کیا ہے آتے ہی عالم میں کوچ کا سامان
آئینہ کی طرح سے اس عالمِ مکاں میں ہم
ڈھونڈتے پھرتے تھے کل تک دولتِ دنیا جو لوگ
شاید بساطِ دہر ہے شطرنج کی بساط
یہ سب باشندے ہیں ملکِ عدم کے
بچ بچا ہوں جہاں کو نظر آتا نہیں کچھ
جو بنایا قصروہ بر باد ہوئے کے لئے
دارِ فانی میں زیادہ ہے عبثِ فکرِ قیام
کل یہاں جو عدم آباد سے آگے رہے

خاک میں اک روز تیرا قصر تن ملجسا یگا
دورہ آخری تمام ہوا
گولر کا پھول میں کھلا اور جھڑ گیا
اک دم میں یہ حباب بنا اور بگڑ گیا
جس وقت نقشِ آب بنا اور بگڑ گیا
شداد کی طرح سے کیوں بوستاں بتایا
اس قدر ہے اعتمادِ عالمِ فانی عبث
امن چاہے تو کسی دل میں مکاں پیدا کر
مثلِ ریگِ شیشہ ساعت ہے ستیا رہم
وقفہ کہاں ہے اس چین کا ثبات میں
گزر شاہ و گدا کا ایک دن ہے کنجِ مرقد میں
نہ رہی ہے نہ رہیگی کوئی دولتِ باقی
آواز آ رہی ہے یہ کوسِ رحیل سے
زمین پہ ایک قدم دوسرا رکاب میں ہے
دیکھنے آئے تماشا خود تماشا ہو گئے
کچھ نہیں معلوم ہو کو آج وہ کیا ہو گئے
جس کو میں دیکھتا ہوں جد اس کی چال
جسے دیکھو وہ صورتِ آشنا ہے
شکلِ اعلیٰ میں شب و روز میر مجھ کو
ہے بنا محکمِ خسرابی کی مری تعمیر سے
ایک دور واز کا میل ہے یہ گھر کس کا ہے
نہیں معلوم کہ وہ آج کہاں جا کے رہے

ایسر

دُنیا سے فانی
دُنیا سے گئے جتنے اسیرِ ازل شرفِ تھے
باقی نہ رہا ایک بھی ان ناموروں سے
دولت کو ہے قرار نہ وقفہ شباب کو
تجھ کے ہیں غافلِ جہاں سے گزرتے
نقاشِ اسیرِ زرمِ جہاں سے گزرتے
بقیہ نقشِ فانی معنیِ بیکار ہے
باقی ہیں شامِ نہیں شام ہے تو صبح نہیں
صبح ہے شام نہیں شام ہے تو صبح نہیں
اس دورِ تنگی سے ہے ظاہرِ جہاں فانی ہے
ملتی ہے نیتی کو اٹھا کر محنِ چلے
غریب میں جب ہوا گزرا راجن چلے
جوانا بے نسیں کچھ بے نسیں عدمِ کبریٰ
جو دوری و دورِ چریدے ہوئی منزلِ تیرے
مہمانِ ادھر نہیں منزلِ تیرے
آگے یہاں کوئی کوئی تیجھے زوار ہے
آج اٹھل اٹھل اس از فانی سے ایسر
میں تجھ میں ہم بیکار ہیں
منزلِ ہستی میں سرگرم سفرِ تیرے
کوچ میں دیوید کا سنات
آج بچ تمام تجھ پر کائنات
آج نہیں مجھ میں ذرا بھلا کہاں کائنات
دارِ فانی

زین العابدین

[illegible]

وارفتائی میں ذرا ہم نہ ٹھہرتے لیکن
 فلک اہل جہاں سے جہاں کو کیا پروا
 اول تو رہی تلاشِ دنیا
 رہنے آیا نہیں اس منزل ہستی میں کوئی
 بے ثباتی اس چمن کی دیکھ کر
 باغ ہستی میں سبک رنجی سے ہم
 جن کو رہنا تھا وہ پیچھے رہ گئے
 اس سرزمین ہے مقام اک شب کا
 دارِ عمل سے وار جزا کا ثبوت ہے
 جو ان مرتے ہیں بوڑھوں سے جو پہلے کیا تعجب ہے
 جابِ سائیر اس بحر میں کیوں لگ ہیں کمرش
 گدا و شاہ ہیں دو چار روزِ لقمہ گور
 گور میں رہنا ہے یاں بہر سکونت چند روز
 ہوا ثبات نہیں طفلی و پیری و جوانی سے
 جبابِ ہل جہاں بحرِ ظالم خیز ہے دنیا
 ترائے ہستی سے اے مسافر ضرور کہ قہابِ عدم کا
 گئے کچھ ایسے نہیں پتا ہے جو کوئی ڈھونڈے کبھی نہ پتا
 جانستِ باقی تو دنیا کی حکومت مانگتا
 موت سے کرتا ہے آگاہ زمانہ سے فلک
 کرچکے مرحلہ ہستی فانی ہر کم طے
 کثرتِ مالی و منالِ زر و گوہر ہمہ صبح
 حرصِ دولت، طلبِ جاہ، سرِ قدرِ بلند
 جملہ افرادِ بزرگِ خطِ باطل۔ باطل
 حقِ حق اہل منزل بق بق اربابِ سیر
 چلے جاتے ہیں روز و شب مسافر
 بحرِ جہاں نہیں کوئی آشوب گاہ ہے
 کیا نہ یہ میری طرح بھرتا میں ہونگے غرق
 یہ وہ منزل ہے جہاں قافلہ اُتر ابھی نہیں
 ظاہر میں ہوں مقیم تو باطن میں ہوں واں
 منزل دہر نہیں ہم سفر و جاے قیام
 تا چند یہ صحبت تن و جان
 جتنے اجباب ہمارے تھے وہ دنیا سے گئے
 اک دم ہے سو آئے یا نہ آئے

کر چکے خوب جو چلنے کا سہرا انجام چلے
 مہاں کو غم نہیں غارت مکین معے تو ہوئے
 آحسہ کو اہل کی جستجو کی
 جو مسافر ہے وہ چلنے کے سہرا انجام میں ہے
 پھر رہی تھی خوش بہنم رو گئی
 مثل رنگ آئے بزمگ بو چلے
 جن کو جانا تھا وہ آگے جا چکے
 شام آنا ہے سحر جانا ہے
 ظاہر ہے کہ شرط کوئی بے خبر نہیں
 تو انا تو اس سے جلد ملے کرتے ہیں منزل کو
 ثبات زندگانی کیا کہ وقفہ ہے کوئی دم کا
 زمیں کو شام تک اپنا پیٹ بھرنی
 طاق کسری کا فریدوں کا محل پایا تو کیا
 کہ ہستی سے عدم تک فاصلہ ہے تین منزل کا
 بہت ٹھہرا جو اس طعناں میں کوئی۔ ایک دم ٹھہرا
 سحر ہے نزدیک رات کم ہے سحر کا تاواں فلک چمکا
 غبار و بانگ جبرست تو بیکسو نشان نہیں یکے قدم کا
 چاروں کے واسطے کیا پیچ نوبت مانگتا
 روز دکھلاتا ہے کافور سحر کی صورت
 ملک الموت سے کہہ دو کہ ہے تاخیر عث
 وسعت کشور و جمعیت لشکر ہمہ، پیچ
 فکر دنیا، غم روزی، طمع زر، ہمہ، پیچ
 مقتی و ناظر و سر و دفتر و دفتر ہمہ، پیچ
 مستی صاحب زر، کبر تو نگر ہمہ، پیچ
 کبھی ہوتی نہیں راہ و فنا بند
 کہتی ہر موج، موج سے جلدی گزر گزر
 ہنس رہے ہیں کیا سبک ساراں ساحل بیکھر
 کان میں آنے لگی کوں سفر کی آواز
 دریا ہے یہ زمانہ تو کشتی نشیں ہوں میں
 تم چلو یا نہ چلو ہم تو سفر کرتے ہیں
 جگ ایسے ہزار ٹٹتے ہیں
 ماتم قیس کریں یا غم نہ یاد کریں
 حق یہ ہے کہ کچھ نہیں بشر میں

اٹھا رہا زندگی سے مٹی صورتِ جناب
سمجھا ہوا ہوں باغِ جہاں کو جو بے ثبات
ہم اس بحرِ جہاں میں کشتیِ طوفانِ سیدہ میں
بے ثباتی چمن و ہر کی کرتی ہے بیاں
رہنے والے اس جہاں کے جتنے میں برابر ہیں
نہ زندگی نے وفا کی نہ فصل گلِ ٹھہری
ثباتِ بحرِ جہاں میں کہاں خوشی کے لئے
زمانہ پیشِ نظر رنگ بے ثباتی و ہر
اٹھا جہان سے لے دلِ شبابِ رختِ سفر
ثبات اس کو نہیں عالمِ دانشدورِ روزہ ہے
کوئی زمانہ سے جاتا ہے کوئی آتا ہے
دنیا سے کوچ کرنا ہے اک روزِ ہر روز
حسرتِ انجامِ جہان گزراں ہے غافل
گھر بناتے اگر لیتیں ہوتا
عجیب بھول بھلیاں ہیں غفلتِ ہستی
دو چار دن کی ہستی وہمی کا کیا وجود
قابلِ سیر نہیں بسکہ جہان گزراں
یارانِ رفتہ ہم سے منہ ایسا چھپا گئے
مسافر کی طسج رہ خانہِ برد و شش
دم بھی اس مہمانِ لئے دہریں لینے نہ پائے
اک دم میں جا ملونگا عزیزانِ رفتہ سے
غافلِ منزلِ دنیا ہے سرے فانی
اک روز اس سرا سے ہے لاکھام کو بیج
ایک دن میں منزلِ ہستی سے جا پہنچا عدم
قالبِ خاکی کو تو سنتے ہیں آتشِ زیرِ خاک
دو چار روز لالہ و گل کی بہا رہے
پوچھو نہ کچھ حقیقتِ ہستی بے ثبات
میں حالِ بحرِ ہستی موہوم کیا کہوں
بے ثباتی جہاں کو دیکھتے جاتے ہیں ہر
بحرِ ہستی میں جناب آکر چلے
دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرو خیال
ثباتِ بحرِ جہاں میں نہیں کسی کو امیر
ہم مسافر ہیں یہ دنیا ہے حقیقت میں سرا

آنکھوں کا کھولنا نفسِ داپس ہوا
ہنستا ہوں گل کی طرح میں اپنی بہا پر
تباہی سے تباہی ہے تباہی ایک عالم پر
سرورِ فناختہ ہے یا سرِ نمبر و اعظ
کیا بُری ساعت ہوئی تھی حیفِ بنیادِ فلک
شبابِ عمرِ کہوں یا شبابِ خندہ و ہر
فتا ہے عشرتِ پادِ رکابِ خندہ گل
سرورِ فتح نہ ہم نے غمِ شکست کیا
سرا ہے یہ کوئی ہوتا نہیں مقیم بہت
ہنسوا تنابھی اے غنچہ تم کھل کھل گلستاں میں
کسی کا کو بیج کسی کا مقام ہوتا ہے
بانگِ جرس سے شورِ ہی کارواں میں
حسن رہتا نہیں گلزارِ خزاں ہوتا ہے
اس خرابہ میں استقامت کا
جسے کہ راہ ہوئی اس خوب ہی بھٹکا
آیا جو یاں عدم سے وہ آخر عدم ہوا
جو گیا یاں سے کبھی اُس نے نہ پھر کر دیکھا
معلوم بھی ہوا نہ کہ ہر کارواں گیا
نہیں جائے امتِ امتِ دارِ فانی
آتے ہی یاں تو سن عمرِ رواں پر زیں ہوا
کیا عرصہ ہے زمانہ ماضی سے حال کا
اس خطر گاہ میں تم چھاؤنی چھاتے عیث
سن تو سہی پکا رہا ہے یہ مقام کو بیج
راہزنِ ستنا تھا جس کو ہو گیا ہادی مجھے
کچھ نہیں معلوم ہم کو روح کس عالم میں ہے
کیجے تباہ اور نہ دستار پر گھمنڈ
آیا جو کچھ خیال میں عالم تھا خواب کا
دم بھر بنا ہوں دم میں طلسمِ جناب کا
دیکھنے پر بھی ہیں اندھے مثلِ مادرِ ادم
زندگی کا کہنے کو دم بھر چلے
اس گھر میں پہلے تم سے بھی کوئی مقیم تھا
ادھر نمود ہوا اور ادھر جناب نہ تھا
ہے توقف نہیں اس جا تو فقط رات کی رات

دنیا نے فانی
میں مٹ جائیگی پیشِ جناب لے امیر
میں عیثِ نغمہ و نغمہ و نغمہ و نغمہ
مجلسِ کو رختِ بیاں نہیں خالی نہیں مٹی
روزِ آرتے ہیں نہیں پہاڑ تری
شبیچہ نظر ہے کسی کو کوئی پورے بنایا
شام نے صلح ازخِ نیراز کی طرح
بحرِ ہستی میں جناب کی برباد رہے
جس سے کب کہے کوئی کی طرح
جس سے کب کہے کوئی کی طرح
دشتِ مٹی میں لانا خاکِ گولے کی طرح
خاک اُڑاتے گئے ہم خاک اُڑاتے گئے
نہ کھالے و نغمہ و نغمہ و نغمہ و نغمہ
ڈلی اس پان میں ہے سکھیا کی
اس سرا میں میں مسافر نہیں رہنے آیا
رہ گیا تھکے اگر آج توکل جاؤ لگا
کچھ ہے پیشِ کب ہو گیا ایا بادشاہ
گر گیا اس گھر میں جو دور و زماں رہ گیا
عمرِ دن و شب و شب و شب و شب و شب
کتنی ہے اعتبار ہے دنیا
ایک چھوٹے میں ہے ابراہیم اور
چار دن کی برباد رہے دنیا
آئے

وہابیہ و فاضلہ

دنیا نے فانی
دیکھو من کل علیہا فانی میں
کوئی دن دنیا نے فانی اور ہے
ہے بہار باغ و دنیا چند روز
دیکھو لو اس کا تماشہ چند روز
اسے مشافروچ کا سامان کر
اس ستر میں ہے بے ایر چند روز
ہے زمین ک موج دریا کوئی دن
آسمان ہے بلبل با چند روز
ہے نائش اس جہاں کی اس طرح
جیسے نو چندی کا میل چند روز
کے رہا کچھ روزیاں ہم کوئی دن
کچھ دنوں شد اور کسری چند روز
مہاجر اسے دہری کیا فکر و دو باتیں
تو غریب لوگ میں آج اسے کل چلے
جہنم میں ہزاروں بلبلے لاکھوں
بتیاں خبریں ہزاروں غائب ہزاروں
ہر گولے میں تپا ہے غائب ہزاروں
ہزار عالم امکان نہایت عجیب ہے
غاصر کو چھپا ہے باغ فانی کا
دنیا سے سفر بنجور شہید کے مانند
سے صبح کی کا تو سرشام کی کا
ہزار

آنے جانے پہ سانس کے ہے مدار
بدتر اس کو سمجھ خزاں سے امیر
جس طرح عمر گذرتی ہے امیر
دنیا ہے بے ثباتی افلاک کی خبر
حال فنا ہے دہر سے غافل نہیں جناب
پہچانتے ہیں خوب جو ہیں معنی آشنا
کہاں ہے دارِ فنا میں قرار کی صودت
منزلِ سیل جہاں ہو گئے کتنے بے نشان
چلتے ہی گزری ہیں دم کی طرح
اربابِ کمال چلے بسے سب
قیام اس بحرِ طوفانِ حیزِ دنیا میں نہیں بہم
دارِ فانی میں پتا اس کا میں کس سے پوچھوں
کو کس رحلت سے آتی ہے آواز
دنیا ہے بے ثبات میں کیا ہو میں ثبات
بحرِ ہستی میں تنِ انساں جنابِ آب میں
ہوئے نامور بے شاں کیسے کیسے
نگل میں نہ غنچے نہ بوٹے نہ پتے
رہنے کیا آئے تھے دنیا میں امیر
بہت بقا نہ سمجھ اے ہزار چھوٹوں کی
ریاض و ہر میں پوچھو نہ میری بربادی
اس کشورِ فنا کا عجب طرز و طور ہے
بزمِ فنا میں کچھ نہیں جزِ نغمہ فنا
مہمانِ سراے دہر ہو جب منزلِ فنا
دنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اُسے
اٹھا بسترِ ستیاح اب یا آئیو الے میں
نہ سمجھے ہر نہال اک روزِ پامال خزاں ہوگا
یہ دو روزہ نشوونما کو تو نہ سمجھ کہ نقشِ بر آب ہے
کمر باندھے ہوئے چلنے پہ پیاں سب یار بیٹھیں
دنیا تو سیرِ گاہ و روزہ ہے آسماں
بہار و خزاں کو بقا کچھ نہیں
غافل یہ لوگ چین سے بیٹھے ہیں ہر غضب
بہاریں ہیں دنیا کی سب چند روزہ
نہیں جتنا کسی کا نقش اس دنیا میں

سخت ناپايدار ہے دُنیا
 دیکھنے کو بہا رہے دُنیا
 آپ بھی یوہی گزر جائے گا
 جامِ جہاں نما سے ہیں کم نہیں حباب
 ہر دم کو جانتے ہیں دم واپس حباب
 دُنیا ہے نقش آب سپھر بریں حباب
 نمود و عمر ہے برق و شرار کی صورت
 بیٹھے ہیں جم کے ہم یہاں صورتِ نقشِ عیث
 ٹھہرے کہاں نقشِ قدم کی طرح
 سو میں کہاں ایک دُور ہے میں
 حباب آسا ٹھہرتے برق کوئی دم ٹھہرتے ہیں
 سب میں پر دسی یہاں کا کوئی ساکن ہی نہیں
 کہ خبر دار لے مشافر ہو
 جس گھر میں ہم مقیم وہ گھر ہی سفر میں ہے
 آن و اُحد میں نہ کیوں یہ گھر بنے اور ٹوٹ جائے
 زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے
 ہوئے باغِ نذرِ خزاں کیسے کیسے
 سیر کر لی اور اپنے گھر چلے
 کہ چاروں ہے چمن میں بہا رہو نوکی
 بزرگ بواؤ ہر آیا اُدھر روا نہ ہوا
 دم بھر میں صورت اور ہے دم بھر میں درد
 جو کچھ نہیں سنا ہے سنا ہی سمجھ اُسے
 پھر جو محل سرا ہے سرا ہی سمجھ اُسے
 پنی جامِ مرگ آب بقا ہی سمجھ اُسے
 جو میں موجود وہ سب آگے پیچھے جانو الے ہیں
 قیامِ سخن گلشنِ تارِ رضاے باغباں ہوگا
 یہ سرا ہے یہ حباب ہے فقط ایک قصہ خواہے
 بہت آگے گئے پیچھے جو میں تیار بیٹھے ہیں
 آنے کو آئے ہیں یہ ٹھہرنے کی جا نہیں
 ہے سب کچھ یہاں پر سد اکچھ نہیں
 کو س جیل کی ہے صد اُرو زیاں بلند
 رہے گا یہ میلہ تو اک دن بچھڑ کر
 حباب آسا مٹا بھرا جو بحرِ زندگانی میں

ہزار موج صفت بحر دست و پانا سے
 کچھ اس کی فکر نہیں کل سفر ہمارا ہے
 حباب دار ہے دنیا میں بود و باش اپنی
 کونسا گھر ہے کہ جس سے نہیں مردہ نکلا
 ہم مسافر ہیں، سرادینا ہے چندے ہی قیام
 بحر تابت ہو گئی یہ بات جب ٹوٹا حباب
 منزل پہ کھلا حال کہ باز ارجہاں میں
 بحر کچھ اپنی روانی کی خبر نہ کہ نہیں
 ہر شے ہے بے ثبات ہے اس خاکدان میں
 اس سہرا میں یہی سنتے ہیں یہی دیکھتے ہیں
 اثاثہ نہیں جس کے جانے کا غم ہو
 سکراد ہر سے ایسا سفر تائب ہوا
 زرار کر گئی سوئے مزار تن سے روح
 کیسی پیری کیسی جوانی ہم سب لوگ مسافر ہیں
 کیا کہنے کیوں جلد اٹھے ہم چندے بھی نہ قیام کیا
 بادشاہی یا گدائی جو بن آئی کر چلے
 جب سنا دنیا سے خالی ہاتھ اسکندر گیا
 کس لئے تحصیل دنیا میں ہوں مصروف و تندر
 گوشہ گور کے طالب میں عمارت کیسی
 مسافر خلد کے تیار ہیں رخت سفر باندھے
 ساتھ جیمہ بھی نہیں چاہئے ماند حباب
 کسے خبر ہے کہ منزل قریب ہے کس کی
 ہاتھ اٹھا بیٹھنے کو ہے یہ جہان فانی
 انسان مرگ و زیت کے جگرے سی پاک ہو
 بحر اپنی بے ثباتی کوئی کیا دیکھے یہاں
 ہزار حیف نہ ٹھہرا گل و سمن کا رنگ
 دنیا میں کچھ بساط نہیں انبساط کی
 باشندگان دار فنا کو یہ چاہئے
 آسمان بھی اک حباب اس لچہ فانی میں ہے
 چمن میں موسم گل کا نہ کچھ زمانہ ہوا
 ہستی بے ثبات کا وقفہ نہ پوچھئے
 ملک بقا کو جائیں گے ملک فنا سے ہم
 اکدن سب چھوڑ کر جائیں گے اسلئے

حباب سا مگر اپنا قیام ہو نہ سکا
 سہرائے دہریں بیٹھے ہیں گھر بنائے ہوئے
 مقیم اہل فنا کوئی دم ہوئے نہ ہوئے
 دار فانی میں مبارک نہیں تعمیر کوئی
 چارون کے واسطے کیا دولت و زربا
 پاداری کچھ نہیں ہے سہرا ٹھانے کے لئے
 جان سفری زاد سفر نہ چیکر آئے
 تیرا ہر نفس ہے کس سے بدن زورق
 گردوں کو جانتا ہوں بگولا بلند ہے
 کل مقام اس نے کیا آج سفر اس کا ہے
 گھر و جد اے مٹی کا گھر ہے تو کیا ہے
 کہ اپنا منزل اول میں پاتراب ہوا
 نہ جب اہل سے سفر اس حصار میں دیکھا
 صبح ہوئی تو کوچ کی ٹھہری تمام ہوئی تو مقام کیا
 دنیا میں جب چین نہ پایا مقدس آرام کیا
 ربع مسکوں چارون اپنا بھی مسکن ہو گیا
 سلطنت بھی بننے میں ہم کو تامل ہو گیا
 کیا دیا ر زندگی پر یاں اجارا ہو گیا
 کفنی چاہئے سادی خرد و دیا کیسا
 ہمارے ساتھ چلنا جس کو ہوا ٹھے کر باندھے
 چھوڑ جانا ہے یہاں پناہ سب باب مجھے
 خبر نہ ہوں جو کوئی راہ مار کر اہ چلے
 پاؤں پھیلانے کو ہے گور کی منزل کی جگہ
 یہ جان ہو ہوا کہیں یہ جسم خاک ہو
 آنکھ ملے ہی جیابوں کی نظر ملتی نہیں
 خزاں میں صورت طوطی آڑا چمن کا رنگ
 اتریں نہ سوکھے گھاٹ کہیں آشنائے عین
 بنائیں گھر نیا تو گرہ ہے کے سر کے پاس
 سہرا ٹھاتا ہے کوئی لے بحر کس بنیاد پر
 ہوا کی شکل ادھر آیا ادھر روانہ ہوا
 معلوم کچھ نہ فرق وجود و عدم ہوا
 دودن کو کوچ کرتے ہیں کس اس سے ہم
 خوش نہیں آتا ہے باقی عالم فانی مجھے

دنیا فانی

مکے و مچھی جو مڑے کو جلا دیتے تھے
 کوئی دنیا میں نہیں رہنے کو آیا ہے سدا
 حقے موجود ہیں ان کو عدم لازم ہے
 ان کے دنیا میں رہا کون نکلے محفوظ
 ہے چند روز وہاں پایا ہے جو کوئی یاں
 پہلے کوچ کر گیا ہے دنیا کے کمر بوجھ
 غافل نہ کہہ مڑے دنیا کے کمر بوجھ
 حادث ہے سب تو فانی کیونکر بوجھ
 جہاں تو فانی حباب ہے شہ و موج و جابجیک
 وجود و کربا کو کچھ کیلئے شہ و موج و جابجیک
 برائے نام وجود و عدم ہے عالم کا
 جو بحر کچھ پیر سفر کرنے کو آئے ہیں
 وہاں جو یہاں میر و سفر کرنے کو آئے ہیں
 کوئی دن رہے کے پھر جائے بیکوئی ہیں
 فنا کی سیر جس کو دیکھنا ہو
 تماشایاغ کا دیکھنے خزاں میں
 کون اپنا نہیں مقبر جہاں میں تراب
 مسافرت میں یہاں ہم پہلے ہے نہ ہے
 کئی بھی ہے دیکھا چرندون کو چراگا ہیں
 بنیاد سے کریں کو کچھ جہاں خبر نہ کوئے ہیں

جہاں

دنیائے فانی

جہاں

=

صفت

صفت

حالت

حقیقت

=

=

=

=

گل ہوں گے غنچے سب دنیا چین میں ہیں
کوئی ہے دور کوئی ہے منزل کے لئے
یاں کوچ کی آئی ہے صدا پیا رطاف سے
دو ہاتھوں سے ہوا تم احباب کہا تک
شب بزم کی مثال اس سے کہیں
شب بزم کے لئے ہم چین میں
نہ شہر اور آقا خدا کی بستی سے گزرتے
کے حشر میں یاں کی بستی سے گزرتے
شب بزم کی طرح سیر چین میں گزرتے
شب بزم کی ایک رات یہاں بھی گزرتے
رہو دھوکے ایک دار فقا جس کا آٹا
دنیا ہے یہ ایک تار خیم افلاک ہے فانی
سب خاک سے تار خیم افلاک ہے فانی
کچھ جہاں میں کیا کوئی صورت قیام کی
کچھ جہاں میں کیا کوئی صورت قیام کی
ظاہر و باطن میں کیا کوئی صورت قیام کی
غافل نہ کریں دیر میں کیا کوئی صورت قیام کی
مٹ جائیگی یہی جہاں میں کیا کوئی صورت قیام کی
ٹھہرے دنیاں کا غم نہ جاتا رہے
میرے میں ہے کچھ دنیاں کا غم نہ جاتا رہے
ہر حال میں ہے کچھ دنیاں کا غم نہ جاتا رہے
کل کے چلے آج بستر اٹھا کر
یہ دنیا نہیں ایک ہمارا ہے

کھلی

جہاں کھینچ لے دامن کہ خارشائے گلشن
جائے عبرت ہے جہاں یہ بوجھ تو دلیں تراب
جی لگا تا ہے کیا تراب ادھر
وائے حسرت تراب بار و گر
جہاں سے آئے پھر جائیگے واں کتنے بنگیے یاں
وحشت سرائے دہریں آیا نہ پھر کوئی
شب کے سب مہمان رہے وقت سحر کوئے غم
رات کی شکلیں نظر آتی نہیں ہنگام صبح
عالم اسباب کی زینت ہے مانند حباب
شد و آمد سے ہی اس سہرا میں تھی رونق
یو دنا بود بشر یکساں ہے باغ و بہرین
گلستان جہاں کی بے ثباتی جاہ ظاہر ہے
تو ام حیات و موت بشر ہے جہاں میں جاہ
دیکھ لے غافل نہیں بھر جہاں جائے قیام
کارخانہ میں زمانہ کے نہیں پائا ثبات
ہوں بے ثبات گلشن ہستی میں اس قدر
غور سے دیکھا جو اس ماتم سرائے دہریں
روح کو دار فقا میں ہے نہایت وحشت
عاقبت اس منزل فانی سے لازم ہے سفر
نہیں یہ دار فقا جائے سکونت لے بوجھ
جائے ثبات کچھ نہیں یہ دار بے بقا
کہاں بیکھی ہیں سیریں سیر ہو کر بزم عالم کی
ایک دن شہر خوشاں کی طرف جانا ہے
چند روزہ ہے یہ دنیا اے دلی لے جو یا
ہزار ہو گئے پیدا جہاں میں اسکندر
آنکھوں میں ہے مرقع نقش حباب و بہر
سُرگ فانی یہ خاکدان لگا نہ دل اپنا اس منعم
خیال کیسا غلط تھا اپنا سہرا سے تھے دل لگاوتے
گئے سب قریا و دوست دنیا سے تو بچا نا
خواب و خیال گلشن ہستی ہے عسافلو
مقام اس کا آخر کو زیر زمین ہے
کہتے ہیں زندگی جسے اک انتظار ہے
اے فلک ملک چاند کے چھپنے سے ہے تیرا حال

جہاں بخارواں کب اپنے دامن کا گزارا ہے
کس طرح آئے یہاں سب کس طرح مرے گئے
یہ تو عالم تمام فانی ہے
پھر نہ آئے جو کوئی یاں سے گئے
وہ احمق ہے قیام اپنا جو دنیا میں سدا جائے
ایسے گئے یہاں سے مسافر ڈرے ہوئے
اڑ گئے مانند شبنم گلشن فانی سے ہم
عالم غفلت سرائے دہریں گویا ہے خواب
دیکھتے ہی دیکھتے سا مان محفل کچھ نہیں
کسی رُود کوئی مسافر نہ ہوگا
عطر گل ہے آج کل کا فور پیرا ہن میں ہے
کوئی شیرازہ اور اقی کل کیا سوچ کر باندھے
قالب میں جان زار اور دھڑائی ادھر گئی
کان رکھ کر سن یہ دیتا ہے صدا کو کس حباب
چینی سودا ریا کا سہ سرخو ر کا
سنگیں محل ہے قصر مجھے ہر حساب کا
جو ہو اپنا وہ طفل اندوہیں پیدا ہوا
ہم بھی اسے مردم اقلیم عدم آتے ہیں
اس لئے دنیا میں ہم اگر رہے خانہ بدوش
ایک دم کے لئے تم چھاؤنی چھاتے ہو عبث
کچھ یہاں سے دل میں غم سفر شتاب
پہرے صبح کی صورت یہاں مہلت تھی یک دم کی
ہے فیصحوں کو یہاں دعویٰ تقریر عبث
قدر اس کی نہ کبھی عارف کامل سمجھیں
کر ڈر مر گئے یاں جم سے ایک ہفتہ میں
عرصہ جہاں فانی کا کس درجہ تنگ ہے
فقط ٹھہرنے ہی کی جگہ ہے نہ دیر یہاں نہ گھر یہاں
لحد میں ہم چین سے ہیں سو تو یہ کھلا ال گھر یہاں
وطن سمجھے تھے جس کو ہے وہ عالم بے ریا کی کا
یاں کی خزاں بھی پیچ یہاں کی بیار پیچ
پڑا ہے یہ لشکر جو سا راز میں پر
آئے ہیں سب عدم سے جہاں میں برا مرگ
ایسے کتنے چاند زیر خاک پنہاں ہو گئے

تراب

تشن

تسلیم

جہا

جنون

بجوش

جویا

جھڑی

جرات

جلیل

کھلی کنبج لحد میں بے ثباتی عیش و عشرت کی
یہ منزل دنیاے فانی گویا کہ مسافر خانہ ہے
بھر عالم میں طلسم تن خاکی ہیں حباب
افسوس نامیوں کے کیا کیا نشان مٹے ہیں
کھلا یہ طلسم جہاں کو جو دیکھا
غیر حسرت آل دنیا سے کبھی حاصل نہیں
دنیاے چند روز کسی سے وفانہ کی
حباب کرتے ہیں یہ اشارے نہ لکھ کر کچھ بویاں
نہ پوچھو حال دنیا کو توح کا نقارہ بجا ہے
سمجھتے اہل دنیا ہیں کہ یہ عالم فنا کا ہے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بھی
چند مدت اب تم اے یاران آئندہ رہو
نامد حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
شرار و برق کی سی بھی نہیں بان فرصت ہستی
فقیہانہ آئے صدا کر چلے
کیا ہمیں کام ان گلوں سے لے صبا
کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
کیا کہیں سوئے فنا کس طور پر جاتے ہیں ہم
مور میں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
دل لگاتا نہ کبھی وارفتا میں ہرگز
ہر دم اپنا دم آخر کی سناتا ہے خبر
منزل عیش نہیں یہ ہے سہ اے فانی
ہنسی کے ساتھیاں رونا ہے مثل قفل مینا
اے ذوق گر ہے ہوش تو دنیا سے دو بھاگ
یہ تنگنا سے دہر نہیں منزل فساد
یہ اقامت ہیں پیغام سفر دیتی ہے
کہانیاں ہیں حکایات حضور آب حیات
کریں جدائی کا کس کسی بچ ہم اے ذوق
یہ دل لگانے کی دنیا جگہ نہیں ڈاکر
بہل ناواں چتر پلوں نہ پھول
بس اے عمر جوئے عدم مجھ کو لے چل
سوائے ذات خدا کے واسطے بنے فنا

کہ سامان جہاں مجموعہ تھا خواب پریشاں کا
جو شام کو ہے وہ صبح نہیں جو صبح کو ہے وہ شام نہیں
دم میں بنتی ہیں تو دم بھر میں بگڑ جاتے ہیں
خوشبو رہی نہ باقی سادات کے بدن میں
مسافر ہے انسان دنیا سہا ہے
کب سکندر لے گیا زر زریرین ہاتھیں
مثل شب صال ادھر آئی ادھر گئی
کہ جس کرنا پڑیگا دم کو بڑی خرابی ہے گھر بنا کر
کمر باندھے ہوئے چلنے کو سب تیار بیٹھے ہیں
ہوا پر کیوں مکاں کرتے ہیں پھر تعمیر کیا باعث
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
پیش زیں یک چند اس سستی میں ہم رہ کر گئے
کیسینا نہ پراس بھر میں وقفہ کوئی دم کا
فلک نے ہم کو سو نیا کام جو کچھ تھا شتابی کا
میاں خوش رہو تم دعا کر چلے
ایک دم آئے ادھر او دھر چلے
تھے آپ ہی ایک سو گئے ہسم
شمع کے مانند سر کیل ادھر جاتے ہیں ہم
ہے وطن ہر شخص کا زیر زمین
خواب دیکھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
کیا خبر تھی مجھے آج آؤنگا کل جاؤنگا
ہر نفس ہر نفس احوال فنا کہتا ہے
رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے
کسی نے قہقہہ لے بیخبر مارا تو کیا مارا
اس میکدہ میں کام نہیں ہوشیار کا
غافل نہ پاؤں حرص کے پھیلا سکیڑ تو
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
بقا کا ذکر ہے کیا اس جہان فانی میں
کہ ہونیوالے ہیں ہسم سے قریب جدا
مٹے ہی جاتے ہو دو دن کی زندگی کے لئے
شاخ گل پر ہے نشیمن چند روز
یہ دنیا نہیں دل لگانے کے قابل
ثبات ہستی ناپائدا رویکچہ چھکے

دنیاے فانی
مہر و مہر از حق سما، جن و ملک و حشر و طہر
سب فانی ہیں مگر ذات خدا باقی ہے
کارخانے حقے میں نیکے سب میں بے ثبات
مہر و مہر از حق سما، جن و ملک و حشر و طہر
مانند برق چشم زدن میں گزر گئے
پیشانی مجھے ہم کہہ کر گئے کہ صبر کر گئے
گزرے جن ہم کہہ کر گئے کہ صبر کر گئے
ہم نے جانا دنیا بے جا ہے فانی
جہنم میں حباب بے جا ہے فانی
غور سے دیکھ زیادہ تر جانیا نہیں
جہنم میں حباب بے جا ہے فانی
اس اندر ہے کچھ کہہ کر گئے کہ صبر کر گئے
جان لے کر جہاں آتا ہے وہ کس مقام پر
جہاں ہوں اہل دہر کے کوئی مقام پر
جو دم ہے ہر دم ہر دم ہر دم ہر دم
میں صبح ہو چکا کہ شام ہو چکا
مسافر تھے دم کے سیر نہیاں بجا آئے تھے
رہنماں جب تک منت میں ہیں اب وہ نہ تھا
بگور

دنیا فانی

اس خاکدانِ دہریہ کی خاک جی لگے
 رنجی گئے اب اپنا ارادہ سنبھالے
 کس بھول میں ہے
 سفر کا فکر کر گھر کا ہے
 نو دہرے دنیا فانی کو سراج
 کہتے ہیں دارِ حق میں رہنے والے
 چین کیا پائینگے آفاق میں کشمکشیں
 ایک دم میں رہے تر گاہ نہ تر کاماں ہے
 ایک دم میں ہوا سا ماں ہے
 بیدار کا سارا دل ہو اس میں
 آبِ بقا خضر کو مبارک رہے میں
 کافی ہے جامِ زہر کی پیالیوں میں
 رشک سے ہو بیوہ باغِ جہاں کا پیش تلخ
 لے شہید کی لذت دنیا اگر فانی نہ ہو
 لحدِ دنیا میں شہید کی لے کیا وقفہ نہ ہے
 کیا تھی آپ وہو اسے زیت ناو چلب
 انجمنِ آرائی اہل فنا کو کیا ثبات
 ٹوٹ جاتی ہے ہوا سے دم فانیوں میں
 ہم خلاق کسی دریا کی گھر میں ہیں
 دم میں سو بارے اور ہے سوا جلا

زمین پر

لب گور سے آرہی ہے صدا
 بہاریاں کی ہے بلبل خزاں سے ہم آغوش
 گرا آئے ہم نے تختِ سلیمان لیا تو کیسا
 خانہ بروکس میں حباب کی طرح
 چار دیواری عمارت کی تو مضبوطی نہیں
 نکلوں کے ہنسنے پر یہاں ہے گریہ شبنم
 اہل عدم عدم میں پوچھینگے حال ہستی
 یہ ہے سرائے دوراں کیجے سفر کا ساماں
 کہو روح کو نکلے قالب سے جسد
 صاحبِ خانہ ہم ہیں کہنے کو
 عجب مقام تر دہرائے دنیا ہے
 آن پہونچا تیرے وقت نہ وال
 یہ وہ خرابہ ہے سب اپنی اپنی راہ پر ہیں
 فنا ہے جو نہیں دیکھ کر مرقعِ دھڑ
 غافل و بیچ ہے سب حاصل دنیا کیا ہے
 یہ رونقِ بزم ہے کوئی دم
 سب وقت پہ اپنے چل بسینگے
 سچ کہا کرتے تھے اس زبست کو اجاب غلط
 ہستی سے عدم تک نفس چمک کی ہے راہ
 گر ہے گوشِ فہم عالم ورنہ کہتی ہے بہار
 ساحلِ بحر جہاں پر ہوں کہ جوئے ہنرمند شک
 رخصت ہے باغیاں کہ ٹکڑے دیکھیں جن
 ہے رنگ تماشا ہے جہاں صورتِ خوشید
 تل گئے مٹی میں کیا کیا جامہ زریں گھر کینچ
 گئے جہاں سے کیا کیا ستیزہ جوئے خاک
 اس بحر میں ہے موج کی حافظِ شکستگی
 لے غنچہ کیا سبب کہ آتے ہی جہاں میں
 سیر کی یوں کو چہ ہستی کی ہضم
 کر خانہ گردوں پہ نظر چٹم فنا سے
 کیا اس چین میں آن کر لیجا بیگا کوئی
 جاتے ہیں لوگ قافلہ کے پیش پس چنے
 سفر قریب ہے اک دن وہاں کو چلتا ہے
 زینتِ دنیا نہ اصل چاہئے

کہ دنیا سے فانی عبت ہے عبت
 لگانہ دل کو تو اس بوستانِ فانی سے
 اک روز اس جہان سے برباد جائینگے
 شکلِ نقشِ بر آب ہیں ہسم لوگ
 خام طبعی سے ہے نچتہ قصور ایوان کی عبت
 مٹے دھڑے میں یہ نقش و نگار کی صورت
 دیکھا تھا خواب سا کچھ دو دن کے مہاں تھے
 جانا وہیں ہے جاناں جو ہے وطن جہاں تھے
 اگر رنجِ دنیا کے جھیلے رہے
 آئے ہیں چار دن کے رہنے کو
 کرنیکے کو حق کب اسے ہمسفر نہیں معلوم
 شام کے آفتاب ہیں ہم لوگ
 کسی کو حال کسی کا سحر نہیں معلوم
 ٹیگیا یہ بھی جو نقش و نگار باقی ہے
 اس گھر وندے میں بجز خاک کے رکھا کیا ہے
 ہے شمع نہ انجمن ہمیشہ
 کس کا ہے یہاں وطن ہمیشہ
 فی الحقیقت ہے یہ سب عالم اسباب غلط
 دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا
 جو گل آیا اس چین میں ایک دن گل ہو ٹیگا
 ڈوبا پانی میں نہ تو آگ سے جل جاؤنگا
 جاتے وہاں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا
 جو صبح کو دیکھا وہ نظرِ شام نہ آیا
 اب تلک نقش اتو پڑتا ہے نقشِ بوریہ
 کہ گل جو آیا تو مجرد بے شمار آیا
 فیصل ہوا حباب کہ جس دم ابھر چلا
 گل جھاڑ سے ہے دامن تو نے بچی کو سنبھالا
 نے میں سے جوں نالہ گزر کر گئیا
 ہے مثلِ حباب اس کی بھی تعمیر ہوا پر
 دامن کو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا
 دنیا عجب سرائے جہاں آکے بس چلے
 تم اس سرائے میں ہو راہگیر کی صورت
 چار دن کے واسطے کیا چاہئے

ملہ ہو گا لے مثل سے جھاڑتا ہے لہ ہم نے لے آکر

زمین پہ تو نہ عمارت بنا کہ آخر کار
نہ اُبھر لکھ ہستی میں کہ تاتہ جہاں
بحر دنیا کی ہر اک لہر ہے مانند جہاں
ہر اک مبارکوش اودھرا آیا اُدھر گیا
آشنا دم کار رہا اس بحر میں مثل جہاں
بحر ہستی میں مکاں کی ہے بنائش جہاں
شہید آنکھیں ہوئیں جب بند اپنی بحر ہستی میں
بحر ہستی میں ہستی و بود میرا
نہ کو کج ہی رہا اور نہ کو ہمار رہا
جہاں بحر فنا دہر کا مکاں سمجھا
دنیا ہے خیال شکل حیسرت
اخسر کو ہے ایک دن جدائی
رکھی ہو قلمونی فلک کا نوں میں
قصر گردوں کا بھی قائم نہ رہیگا اکدن
جو ہوتا ہستی فانی سے واقف
سب یہ دنیا سرائے فانی ہے
نہ پوچھے کوئی مگر بے ثباتی عالم
سرائے دہر کو گرسوچے دل میں تو فی الواقع
دنیا کو بے ثبات سمجھتے ہیں اس قدر
دیر فانی میں عبت ہے جو کرے زر کی تلاش
کریں کیا خواہش تاج سکندر و ہرنانی میں
بیدار ہو کے چشم تفکر سے دکھ لے
جہاں دار یہاں زندگی ہے دم بھر کی
غیبت ہے دلاجو دم ہے امید بقا کسی
ایسے آنے سے تو ہم کاش نہ آئے ہوتے
کچھ نقشہ انداز مکان رکھتا نہیں ہے پروا
ہے سکندر کا نہ دارا کا نہ قیصر کا نشان
یہاں ہے جینے کا کیا بھروسہ حادثوں کی بھرپوری دنیا
جہاں فانی خراب پایا یہ بحر ہستی سراب دیکھا
فقط چاروں کی ہے یہ جاہ و شہت
نہ مال دولت نہ جاہ و شہت نہ دُور لیل و نہار ہوگا
ہے چند روز جہاں ہم چلے نامراد سوائے عدم
بحر جہاں نہیں زریست نہ کیوں ہو جہاں دار

تمام جائینگے خرد و کلاں زمین کے تلے
باد و نوحہ سے بھرے کا سہ سرٹوٹ گئے
گھر کے گھر ہو گئے اک آن میں برباد کئی
رہنے کا گھر کسی کے یہ مہمان سرا نہیں
ایک دم یاں زریست کرنا مجھ کو دو بھر ہی رہا
گھر قیامت تک یہاں کس کا تارہ جائیگا
جہاں آسا کھلا اس دم کہ سنبھلا رہ دم کا تھا
جون جہاں ایک دم ہوا نہ ہوا
فقط جہاں میں فسانہ ہی یادگار رہا
میں پیچ پوچ زمیں اور آسماں سمجھا
صورت کوئی اس کی کیا بتائے
کیا کوئی کسی سے دل لگائے
نہ خورتن ہی رہا اور نہ سنار رہا
کیا عجب گر نہ رہا قصر فریدوں ثابت
نہ ہنستا کھل کھلا کر گل چمن میں
عشق معبود جناد دانی ہے
کہ ہے یہ دندر دنیا جہاں کا کاغذ
مسا فر کی منط بس ایک شب سب گزرا ہے
گھر میت غنکبوت سے اوہن بنائینگے
لیگئے وہ ساتھ کیا جنگو تھی گوہر کی تلاش
کہ ہم نے خاک میں ملتے ہوئے حشر و قشون یکھے
اسے بیوقوف گلشن ایجا و خواب ہے
یہ دم رہے نہ رہے یہ مکان رہے نہ رہے
غنا صر میں بھی باہم چاروں کی آشنائی ہے
چاروں گلشن ہستی کی ہوا کھانے کو
کیا کیا بنا بنا کر نقشے مٹا دے ہیں
چاروں سب رہ گئے اس قصر بے بنیاد میں
یہی جو ہے موح کا تاج تو پھر قیام جہاں کب تک
تمام عالم کا کارخانہ بزرگ چشم جہاں دیکھا
زمانہ یہاں آشنائے کسی کا
فقط یہ چاروں کی ہستی ہم اور کج مزار ہوگا
یہی زندگی سے حصول تھا ہی اس جہاں کمال تھا
نقطوں ہی کا ہے فرق حیات و جہاں میں

تنبیہ

شوق شائق

شاہ صفدار

صابر

دنیا نے فانی

کنارہ کش ہو جو دنیا سے لے غفر کوئی
تو پھر نصیب سے کج فراغ اچھا ہو
مسکن اس بحر دنیا میں کہ نہ مانند جہاں
ڈال پانی پر دنیا دہر کی نہیں کچھ دنیا
نقش آرب ہے ہستی کی نہیں بنائی کج
لے جہاں اس پہاں گھر کے بنائی کج
بزرگ غنچہ باغ و دہر میں کیا کج زریست
بندہ ہستی سچا اپنی اور جانا نا تھا فانی ہے
کرتے ہیں فکر عمارت میں بس جہاں کج
کیا اٹھا کر اپنے سر پہ وہ مکان کج
بے ثباتی کیا کہوں ہستی کی کجی جہاں
سرخ زنگ فنا جلد اس قدر اڑے پوچھ
ہزاروں روز آئے میں ہزاروں دن بے ثباتی
تاشا ہے رہ جہاں ہے پلے پلے کجیاں کوئی
رہا کوئی نہ دنیا میں نہ رہو کجیاں کوئی
کہ فرمان قضا ہے قید خاص عام تاجا ہے
ہم نے دنیا میں آئے کیا کجیاں
دیکھا جو کج سو خواب سا دیکھا
گر یہ کج کام ولادت کیوں نہ ہو کج
جو ہوا دنیا میں پیدا نہ ہو کجیاں کوئی

روزنامہ

دنیا نے فانی

نقش

"

"

عیش

"

عیش

"

"

"

"

"

"

عیش میں رہیں۔ مرقہ میں جا کے چمچ لیں
قیام خاک کریں گھر خراب کسی
مہلت کی نہ سیر جہان خراب کیو
شب کو سر میں آئے سر کو رواں کیو
زینک مقام کریں کیا کیو کبھی
ستہیں رہ نور دنیا سے کی آخر مٹی
منہ مٹی میں مل جائے گی آخر مٹی
صورت قصور نہیں خانہ تن چہرے
نقل جہاں سبیل فنا دم کے ساتھ ہے
کیا گھر بناؤں عالم ناما پادار میں
سُن لے غافل یہ نقش و نگار شب تابانی میں
نیو اس شوق سے تو بوجہ خانہ زیب
کس کو یہاں قیام ہے کس کو ثبات ہے
مانند نقش آب یہ سب کمال کا پوچھ کا
آتے ہی ہستی میں بوتا ہے تیرا کس نہیں
طفل کا نالہ یہاں بابک درائے دنیا کا
لے ناواں کر چل بھروسا کیا ہے دنیا کا
نہ تو اتنا چل کر چل بھروسا کیا ہے دنیا کا
نہ بیچول اتنا تو دولت پر دنیا نے فانی
نہ بیچور تو بدل کر چل بھروسا کیا ہے دنیا کا
جہاں دن

روز معمورہ دنیا میں خرابی ہے بسی
رنج ہے دنیا میں وافر اور ہے عشرت قلیل
فکر گرداں کی ہمیشہ تجھے رہنا ہے جہاں
ماند حباب ایک نفس میں ہے خرابی
ہو جنس تنک مایہ ہستی کا نہ خواہاں
نہیں ہے گلشن عالم شگفتگی کی جسا
قیام رند کی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو
جس نے رکھ لیاں قدم تحت الثریٰ کو وہ گیا
و کھیل کھیل جس سے بنے کچھ وہاں کا کھیل
فرصت یکدم پہ اس بحر جہاں میں لے جباب
کھول کر آنکھ اپنی مثل جباب
خاک دنیا کی سیر کی ہسم نے
یہ جہاں مہمان سرا ہے جو ہے مہاں ہے یہاں
کہتے ہیں منزل دنیا جسے گھرا سکن نہ جان
منعم اس قصر وصل کی ہے بنانا پادار
جوں نقش قدم ملے یاں خاک میں لاکھوں
سطح خاکی پہ بہت زور دکھائے لیکن
مہرہ شطرنج کی صورت بساط دہر پر
ہے سفر و پیش اس بتا سر سے غنچہ وار
چلے جائیں گے جیسے آئے ہیں ہم سب
سراسر بے بقا بود نمود کاخ ہستی ہے
جہاں جس قدر جھگڑے ہیں سب کہانی ہیں
نہیں جائے قامت رگزار وادی ہستی
کاٹنا راہ بقا کا غافل و دشوار ہے
جو سمجھے نیست ہے یہ جملہ عالم
دنیا سے ایک روز سفر تجھ کو ہے ضرور
یہ ہستی نیستی سے ہے زیادہ
گلچیں کو ہے نگ کو نہ بیل کو ہے ثبات
نہیں قیام کسی کو سراسر اے فانی میں
بے ثباتی سن کے دنیا کی ادھر آنا نہ تھا
ہوتے ہیں کیوں مقیم جہان خراب میں
عاشق بہار گلشن ایجا د ویکھ لی
سر بھی پھوڑے تو نہیں لذت دنیا کو قیام

ایسی بستی سے تو ویرا نہ بنایا ہوتا
دیکھے یاں خور سند کم۔ اندو گیں دیکھے بہت
یاں مکاں کرتا ہے کس واسطے تعمیر عیش
اس منزل فانی میں ہے بنیاد مکاں بیچ
یہ جنس یہ بازار یہ گوہر یہ دکاں بیچ
برنگ غنچہ تصویر ہے صدا دیگر
کچھ اس کی اصل نہیں ہے مگر فساد کی جڑ
کیونکہ نکلیں دیکھئے دنیا کے اس دلدل سیم
کیا فائدہ ہے یاں کے ظفر کھیل کو۔ میں
کیا ابھرتا ہے تو اتنا تیری ہستی ہے یہی
کچھ نہ ہم نے بجز فنا دیکھا
یہ تو اک یونہی خواب سا دیکھا
زندگی دور و زہر مہمان کی مہانی سے ہے
فکر کر خانہ عقیقی کا کہ مسکن یہ ہے
بعد تیرے کچھ یہاں تعمیر ہوگی اور ہی
رکھا نہ فلک نے تو کسی کا بھی نشان خاک
عاقبت کہا ہی گئی رستم و سہراب کو خاک
مر گئے کتنے ہی اس دنیا کی برد و مات میں
باندہ تو رخت سفر غافل سفر سے پیشتر
رہے گا یہاں اور نہ کوئی رہا ہے
فنا ہونے کو غافل کل زمین آسمانی ہیں
کہ گل بوٹے ریاض دہر کے سب نقش فانی ہیں
مسا فر مہمان منزل دنیا سے فانی میں
دو قدم ہے راستہ بن بستی کو تار کا
دل اس کا ورہم و برہم نہ ہوگا
سیدھی طرح سے چاہے تو چاہے محل کے چل
مٹا کس کس کا یاں نام و نشان ہے
پھر اس چین میں کیا کوئی اپنا لگاے دل
ہر اک مسافر پا در رکاب ملتا ہے
اس خرابہ میں بنایا ہم نے گھر کیا دیکھ کر
کرتا ہے اس مقام کو کیوں کار رواں پند
نا پا پدار پھول بہت اس چین کے ہیں
جوئے فرما دے موجود مگر شیر ہیس

ظفر

ظہیر

عاشق

علی احمد

دنیا فانی

دنیا چھوٹی سی کیا اس دار فانی کا کچھ ہے
 پتہ کبھی نہ ملے یہاں تک کہ تم کو
 گزرتا ہے جیسے تھوڑے لمحے میں
 رینگے ہیں نشانِ پائے تم کو گزرتے ہیں
 ندی اور نالوں کا بیجوں سے بونے نہ ہو
 جہم میں جکل اس جانے کون رہتا ہے
 سر سے چھوڑ دینا یاں ہر شاف کی اقامت
 بی دو چار دن کی کوئی سنتا نہیں
 تجویز کی ہے صلاح لیکن کوئی دنیا نہیں
 جلتے دہشتن ہوا ہے کو چھوڑ دینا فانی کا
 علم کی رخا ہے غرقِ غفلت ہے
 بستی سو میں ہیں یوں کہ گویا خواب
 دنیا جانے کو تھن ہو نامیں کی اور صد بابا
 جو پڑ پڑا فانی ہے جو ہے ورنہ جانی ہے
 دنیا وہ رام کہانی ہے چھوٹے کی کھل بابا
 گزری جی یاں کا نقصان کچھ نہ ہو بابا
 نفع جی یاں کا نقصان کچھ نہ ہو بابا
 نہ جانے تار لگا دیا ہے اک بازار لگا
 دل بہن تو نہ بار لگا بنگلہ وہ جو بیجا بابا

کیونکہ

بجز رنگ فنا کے لائق اس گلشن میں کیا کچھ
 بحر جہاں میں آمد و شد جلد جلد ہو
 بڑھ کے اکدم سے نہیں گلشن ہستی کی بہار
 ہر دم کو سمجھتے ہیں دم باز پسین ہسم
 سیر جہاں سے ہم کو خبر ہے بھی اور نہیں
 یہ چین جائے اقامت نہیں تب تو شب
 جنگل میں جب سے قافلے آکر اتر رہے
 اجل لگائے ہوئے گہات ہر کسی پر ہے
 بے امتیاز مٹی چین و ہر کیا کہوں
 محفل ہستی میں جو آئے تھے یار
 ہم تو چمکتے ہی ہوا ہو گئے
 مل گئے خاک میں ایسے کہ نشان تک نہ رہا
 میرے رکھنے کی جگہ یہ ہستی فانی نہیں
 یوں مل گئے خوبانِ جہاں خاک میں سارے
 کبھی بیا رکھی ہے خزاں زمانے میں
 دنیا میں ہم ہے بھی تو کم فرصتی کے ساتھ
 بحر جہاں میں رہنے کی تاویر کیا خوشی
 نظر آتا ہے کہ اک روز میں اس گلشن سے
 باقی نہ مصحفی کا رہا خاک بھی نشان
 کیا اعتماد یاں کی عمارت کا ہے کیاں
 ہستی کا حساب کچھ نہ نکلا
 نہ گور سکندر نہ ہے قبر و آرا
 عجب کیا چٹا روح سے جائے تن
 اے مصحفی آئے تھے احبابِ سنور کر جو
 سینکڑوں صحبتیں پوشیدہ ہوئی ہیں خاک
 پوچھ کچھ صفحہ ہستی پہ نہ انسان کا حال
 راہ عدم میں خاک ہوے یافتا ہوے
 ہوتا ہے باد صبح کا تیار رفتا فسد
 سلائے فانی ہر کوچ کی جا ہر ایک کو فکر و مبدم ہو
 عروج و نشا و عشرت یہ چند انقاس کے ہیں جگر ہو
 کچھ نہ اس عالم فانی کا رہیگا باقی
 ہے نقش بر آب شکل ہستی
 یہ دنیا ہر سر کوئی زیادہ پانچ دن سے یاں

حساب جو کے مانند ایک دم جو چمکے تر کہو لے
 مانند قطرہ جا تو رنگِ حباب آ
 اس سے تو سیر گلستانِ عدم ہے بہتر
 دنیا میں مسافر میں نہیں کوئی کیس ہم
 اک واہمہ سا پیش نظر ہے بھی اور نہیں
 غنچے گٹھری لے بیٹھے ہیں سفر کرنے کو
 یوں ہی یہ رہو ان عدم جا بجائے
 پوششِ باش کہ عالمِ رواروی پر ہے
 اس بوستاں میں قد رگل و خار ایک ہے
 یہ نہیں معلوم وہ کیا ہو گئے
 مثلِ شہرِ روم میں فنا ہو گئے
 پھر کوئی خاک کرے گور غریباں پہ نگاہ
 چھوڑ کر مجھ کو گئی یہ بستی باطل کہاں
 وہ صورتیں گویا کبھی پیدا نہ ہوئی تھیں
 ہمیشہ کون رہا ہے جواں زمانے میں
 جیسے سر میں رہتا ہے انسان شب کی شب
 صد سالہ زندگی بھی ہے وقفہ حباب کا
 خاک اڑاتا ہوا مانند صبا جاؤں گا
 نقشِ قدم کی طرح زمانہ سے اٹھ گیا
 خورشیدِ زندگی سردیو اور ہی رہا
 جسز عالمِ خواب کچھ نہ نکلا
 مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے
 لئے راہ میں کارواں کیسے کیسے
 اس محفلِ ہستی میں افسوس کہ کم بیٹھے
 کوئی کیا جانے کلاس پر دہ میں کیا صحبت ہے
 ہے عجب نقش کہ بس آپ مٹا جاتا ہے
 یارانِ رفتہ آہ خدا جانے کیا ہوے
 ہم بھی تو چلنے والے ہیں کیوں اضطراب ہے
 رہا سکندر یہاں نہ دارا نہ فریدون نہ جہانگیر
 ملان رنج و غم مصیبت یہ چند انقاس کے ہیں جگر ہو
 قبہِ نختہ کا بنانا بھی بڑی خامی ہے
 یہ نشو و نما حساب کیا ہے
 یہ ٹھہری نہ ٹھہریگا نہ تم ہوں گے نہ ہم ہو گئے

لائق مصحفی

تار و پود ہستی موہوم تھا بے اعتبار
دل میں صفا صفا میں فنا تھی تمام عمر
لے گلو حسن چند روزہ ہے
ہر قدم پر ہے فنا ہر کام پر ہستی یہی
قبضہ میں جہاں بھی ہو تو رہتا نہیں دائم
کہاں ہ باغ ہیں جن میں ہجوم ٹہل و گل تھا
ہر مکاں کے واسطے اک دن خرابی ہی ضرور
باغ ہستی میں سیرا کوئی دن بلبلو
بحر فنا میں ڈوبے ابھرا نہ ایک بھی
باغبان سست - ہوا گرم بیستر نہیں آب
زمین سے اگتے ہی ہوتا ہے خشک ہر پودا
سب نظر کا فریب اصل میں کچھ نہیں
کوس رحلت پھر رہا ہے وقت رخصت ہو تریب
جو شہر نامور تھے یارب کہاں گئے وہ
دیوار و در بڑے تھے جہاں ان نشان نہیں
وٹے زور و جواں جنھیں کہے پہاڑ تھے
اس بحر میں ٹٹا شکل جاب ہر دم
پائے ثبات نہ دم بھر ٹھہرا اس میدان میں ستم کا
فرصت نکمیاں رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی
شور جرس سبگیر کا غافل تیاری کا تکیہ ہے
کیا چلے جاتے ہیں جہاں سے گوگ
یاں حادثہ سے باؤ کے ہر اک شجر حشر
ضعیف و قوی دونوں رہتے ہیں
نہ ٹٹکے و اشہر ہوئی دیکھی نہ جی کی لاگ کچھ پائے
مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں
شتابی گئی اس روش فصل گل
پھرتی ہے ساتھ اپنے لگی متصل فنا
اس تنگنائے دہریں تنگی نفس نے کی
دنیا میں ہے سیرا یا ر و سرائے کا سا
ہائے کس حشر سے شہنم نے سحر و کر کہا
کیا رنگے بود باد سحر سب ہیں گرم راء
میسر چلنے سے کیوں ہو تم فافل
زبیت ایک ماندگی کا وقفہ ہے

ایسے گور کہہ دھندے سے بکتک تو نگر کھیلے
موتی میں آب آب رواں میں جاب تھا
پھر تو یہ رنگ و پستہ خاک
پانوں پھر کیوں جانب باہ عدم اٹھا نہیں
دارا ہے کہاں ورسکند رہے کدھر آج
نہ گل کا ہے نشان باقی نہ بلبل کے نشین کا
کیا کرے کوئی حفاظت ان قدیم آسمان کی
چاہئے دو تین تنکے آشیانے کے لئے
منجد ہا میں جونا و ہماری اٹھ گئی
سب یہ آثار میں اس باغ کے مہربانے کے
زمین کا - آب و ہوا کا - یہ اثر کس کل ہے
سامنے اپنے سراب دیکھئے کب تک ہے
بلبلیں ہیں ہم بغل گل ہے بعد آہ و بکا
آباد کم رہا ہے یاں کوئی خانوادہ
یاں خانوادوں کے رہیں تارک تک
جب آئی موج حادثہ تنکے سے بہ گئے
ابھرا رہے ہمیشہ نقش بر آب کیونکر
باغ ہستی کیا عالم تھا غم دنیا و دین کا نہ تھا
آنکھیں کھول کے کان جو کھو کو بزم جہاں فنا ہے
یعنی آنکھ نہ لگنے پائے قافلہ صبح کو چلتا ہی
گر آئے تھے میہمان سے گوگ
کیسا ہی پائدار تھا آخر اکھڑ گیا
نہ یاں زال ٹھہر نہ رستم رہا
ہے دس دن جو اپنی عمر کے یاں ہم سوہاں تھے
لوگ وٹے ل مارے کید مہر گئے
کہ جو فرشتگی ہو جوانی کے ساتھ
آب رواں سے ہم ہوئے نابود ہر جگہ
چوں سج ایک دم ہی ہے ہم جو یاں ہے
یہ رہروان ہستی عازم ہیں سب سفر کے
خوش رہوئے ساکنان باغ ہم تو اب چلے
کیا ہے جو اس چمن میں اسی چلا چلی
سب کے یہاں رہی ہے تیاری
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

دنیا و فانی

اس کا روائے کیا میرا رکھیں
یاں کو قح گز رہا ہے شام و صبح مارا
جہاں سے تو رفت اقامت کو باندہ
یہ منزل نہیں ہے جب راہ ہے
کاروان جہاں میں نہیں رہتا کوئی
جکے یاں دیکھتے ہیں چلنے کی تیاری
اسکندرانہ دارا ہے نہ کسے ہے پیچھے
یہ مال ملک بیوفا ہے دار شاگھر ہے
کس بوچر و پستہ پستہ کی طرح
نہ کچھ ہم میں اور سائے بستی میں
بجز بیخ فنا حال نہیں ہے سر اٹھایا
جباب کس کوئی کس دیر میں لاکھوں
ایک کینک یہ وہ ہر گاہ و صوفی کے ہم ہونے
اک روز وہ بھی ہو گا و صوفی اس جہاں میں
اپنا ثبات لیدل اتنا ہے اس جہاں میں
شب بزم کا جس طرح ہو یونک خار پانی
خاک میں ہو جائیں گے جیسے یہاں
ہوئے ہی چلے جاتے ہیں ہر روز فیضان
حاصل ہوا جو جہاں میں کسے ثبات
ظاہر ہے جو جباب ہے پاد رکاب ہے

تدم

ہوں چراغ اس بزم کا ناسخ کہ جہلا کہہ بار
یہ رمز ہے کہ جائے سکونت جہاں نہیں
بس ولا صورت ہستی کو کوئی دم ہے ثبات
بزم عشرت میں ہیں طبلے غافل و طبل و حیل
ہے دلا کس کو دوام اس گردشِ فلاح میں
اسفل و اعلیٰ جو ہیں مل جائینگے خاک میں
ملک و دریا رہ گئے اکثر ہوئے دونوں تباہ
دنیا سہرا ایسی نہیں آکر جہاں رہ جائے
گلشن ہستی نہیں جائے شگفتن اے صبا
مثل نقش پایاں ممکن نہیں ہے بٹھنا
جلد آکر روح تن سے عزم سفر رکھے ہے
کیا خاک جائے عیش ہے دنیا کہ جوں فنا
بحر جہاں ہے دیدہ و دانستہ جوں حباب
دنیا میں غرض پیچ ہے یہ زندگی اپنی
کوئی دم تو اور شرط سیر ہستی کر حباب
آہ کچھ ہم کو نہ تھی فرصت یکدم کی خبر
بحر جہاں میں فرصت یکدم نہیں حباب
اک دم کی ہے بنیاد حباب لب دریا
نہے ہے اس لئے اس ہستی موہوم پرانی
سیح ہے کہ وہ عذاب سے دنیا کے چھٹ گیا
طرقۃ العین کھلا تجھ سے یہ عقدہ کہ جناب
ہو چکی باغ میں بہار افسوس
حباب کا دم ہستی سے ہوئے کیا خلاص
شمع پروانہ سے کہتی تھی یہ انگشت اٹھا
نہیں ہے فکر زار راہ کچھ یاران محفل کو
دل بستی دل ہے عبث باغ جہاں سے
فسریدوں کوئی یا کہ بہرام ہو گا
ہوایر ہے یہ بنیاد مسافر خانہ ہستی
طرقۃ العین کیا پیش نظر تو نے حباب
بہسار و خزاں کو بقا کچھ نہیں
دنیا عجیب مرحلہ بے ثبات ہے
کسطح آرام سے بٹھیں کہ بعد از چند روز
دار فانی مقام لغزش ہے

تیلیوں کا عالم ہستی تماشا کر گیا
گردش میں کب ہے آٹھ پہر آسمان عبث
یہ جہاں آئینہ ہے کاغذ تصویر نہیں
یہ مجروں کی صدا بانگ و را سے کم نہیں
خاک کے پیلے ہزاروں ٹکٹے ہیں خاک میں
آسمان اس رتبہ عالی پہ زیر خاک ہے
ایک سا عالم نظر آیا حباب و تاج کا
بس شب کی شب ہے اور پھر کجروم حل ہے
دیکھ جو غنچہ گلیاں گل ٹھکانے لگ گیا
لے مسافر اٹھ کہیں اور دوش سے بترنگا
رہنے کا کیا بھروسہ اس گھر کے مہماں کا
دیکھا جسے برنگ و گراہ تھ مل گیا
با چشم تر گزر جو کیا ہم نے کیا کیا
جو ہم نے سراغ رہ مقصود نہ پایا
کوچ کا کیوں ساتھ اپنے خیمہ تو لیکر اٹھا
لے حباب لب جو تو نے یہ عقدہ کھولا
دل کی شکستگی کا جو کچھ بیاں درست
ہیہات کہ ہستی کی ہے تعمیر سر دست
کہ سیر عالم فانی کی رکھتا ہے طلب انگر
ہستی سے جو عدم کو گیا انتقال کر
راہ ملک عدم اتنی نہیں کچھ دور راز
آہ اے بلبو ہزار افسوس
قنا سے رکھتے ہیں کیا مل بقا خلاص
صبح کو میں ہوں نہ تو یاد رہے رات کی بت
یہ اس مہمانسرایں رہ کے صاحب خانہ ہو بیٹھے
عقدہ یہ کھلا اب ہمیں غنچہ کی زباں سے
وے گور سے عاقبت کام ہو گا
نہ ٹھہرا ہے کوئی یاں لے دل مضطر نہ ٹھہرگا
عقدہ زندگی و مرگ کو حل دنیا میں
ہے سب کچھ یہاں پر سد اچھ نہیں
ہر ذی حیات کو یہاں آخر مات ہے
پیش ہے ہم کو سفر اک منزل دشوار کا
کوئی اپنا قدم جمانہ سکا

ناسخ
نیاز
نصیر
نذیر
نسیم

دنیا نے فانی
جانتا تھا پڑے رہی گئے ہیں
اس لئے میں تو گھر بنانا نہ سکا
یاد میں یا رختیں یا علم یا بداد ہے
کچھ رہ نہیں جاتا یاں خروک برباد ہے
جتنے نظیر میں یاں اک دم کے پیش فر
رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر
چھوٹے ملک نہ دولت نہ سر انجام رہے گا
آخر وہی اعدا کا اک نام رہے گا
جب آن کر فنا کی سر پہ پڑی تباہی
پھر سر رہا نہ شکر تاج بادشاہی
مستور نہ مشہور نہ کیا نام رہے گا
آخر وہی اعدا کا اک نام رہے گا
آغاز کس جانے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اعدا کا اک نام رہے گا
لوح و قلم و عشق بریں صاحب مطہق
سٹھا ٹھہرے کہہ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اعدا کا اک نام رہے گا
زردار نہ بنے زرد نہ بد انجام رہے گا
شاہی نہ غم گردش آئیم رہے گا
زینا

دنیا و فانی

آیا جویاں وہ آخر اس سے عدم کو پہنچا
موت سے دیکھتا ہوں یہ چال آسمان کی
بحر جہاں میں ہر دم تجھے جیاب طبعی فانی
کیا آنکھ کھول دیکھیں ہم بھی نہ لینے پہلے
اس بحر موج خیز عواذت میں جوں جباب
کھولے تھے ہم کبھی دم کی نہ بہت ہوئی ہیں
ہم اس بحر دنیا میں تھے جوں جباب
کہ یاں آن کر کوئی دم رہ گئے

دور اندیشی

اسے کون قیامت کو دور کرتا ہے
کہ جہت شرعیہ فادعہ کہ میرے
کی جمع احباب میں گنتا رہ جھپٹ کر
اب بات کہی ہم نے تو سوتا جھپٹ کر
کہاں تلک شغل عیش و عشرت نہیں جھپٹ کر
جو دم ہے باقی وہ ہے غنیمت خیال کہ وقت نہیں
خوابی سے ارادہ ہے مکان تعمیر کیا
گرا کر قصرن کو گور کی منزل اٹھانی ہے
جاؤ گے

دنیا میں نہ کوئی خاص نہ کوئی عام رہیگا
یا سکھہ میں یا دکھہ میں غرض جان سچ گزرجانا ہی یاں
بسکہ سیلاب فنا دارمحن ثابت ہوا
قسمت میں دہریں لکھی ہوئی ہی ویرانی
منزل دنیا میں مسافر جو شام
بحر ہستی میں رہے شکل جباب
آخار واری میں پس و پیش ہے لگا
غنا صریر تربت جا کے آپس میں جدا ہونگے
دم بھر کا ہے قیام یہاں صورت جدا
ہو گئی آنکھوں کو روشن بے ثباتی دہری
بحر عالم میں نہ دیکھا کبھی عالم کو ثبات
دار فانی میں کہاں مثل شر رہم کو ثبات
ٹھہرنا چاروں بھی بحر عالم میں ہوا مشکل
محیط دہریں کیا رہو ملک فنا ٹھہرے
دیدہ فور سے دیکھا تو یہاں کچھ بھی نہیں
کہاں قیام ہے کسی مقام کی صورت
دنیا کو کچھ ثبات نہیں مثل نقش آب
چھانتا ہے خاک تو کیا گھر بنانے کے لئے
جو رگروٹ ہو اگر خلق گریزاں ہم دم
نقش برآب زسیت نظر آئے جب کہ ہم
برسر کو قح ہے عالم ہوا اس سے معلوم
قیمت دنیا سے گو آمادہ ہے خوان فلک
جو یہاں آیا ہے ہم دم آخر اس کو ہے فنا
حیث دنیا کو جو میں رہنے کا مسکن سمجھا
ہے رنگ بوئے گل تو فانی لگانہ دل کو
ہے بے ثبات جہاں میں کر نہ فکر مکاں
جو کہ دنیا میں ہے آیا وہ عدم ہے ہم دم
پائدار ہی نہیں اس بحر جہاں میں ہرگز
کون آیا ہے سدا رہنے کو یاں لے ہم دم
ہے ایسا گلخن دنیا میں اپنا جلوہ ہستی
ہمیں جوں شر ہے مہلت یہاں ایک دم غنیمت
تو ڈھونڈ ہے یہاں ل غافل یہاں کہ شرم
سراے دہر فانی میں ہمیشہ کس کو رہنا ہے

نے صاحب مقدمہ ورنہ ناکام رہے گا
یاں چاروں کی زندگی آخر کو مر جانا ہی یاں
بلبلہ پانی کا یہ چرخ کہن ثابت ہوا
میں نے ہر خاک کے ذرہ میں بیابان بکھا
آکے رہا صبح سفر کر گیا
ہر نفس تاراج فرصت ہو گیا
جائیکا کوئی آج اگر کوئی کل گیا
بہر و سا کیا جہاں میں چاروں کی زندگانی کا
بحر جہاں میں کوئی رہا بھی تو کیا رہا
جو جباب آیا نظر ان کو وہ جام جسم ہوا
بلبلہ تھا جو یہ پانی کا اٹھا بیٹھ گیا
آنکھ کھلتے ہی گزرجائینگے اس محل سے ہم
برنگ بوئے گل ہم اب چین سے جانیو لے میں
جباب سا کوئی ساعت جو ٹھہرے بھی تو کیا ٹھہرے
نیست ہے نیست ہے ہتی کا نشاں کچھ بھی نہیں
سراے دہریں دو دن کے مہماں تھے
چشم فنا سے دیکھہ کہ دریا جباب ہے
فکر رہنے کی نہ کر آیا ہے جانے کے لئے
جس کو دیکھوں لہن نہیں وہ سوئے عدم بھاگے ہی
اس بحر سے جباب منط چھوڑ دم لٹھے
ہفت افلاک کی ہے یہ جو گری پال پہ پال
کیا ہوں لذت یاب کوئی دم کے ہیں مہمان ہم
بحر عالم کے ہیں سب جاتے ہیں تیلے گل کے گل
یہ اترنے کی سدا تھی دم مردن سمجھا
باغ جہاں بچشم دنیا نہیں خوش آتما
بے کی طرح گزرا اپنی کاہ کے گھر میں
دمب دم موت کا پیغام ہے ہم کو تم کو
لے جباب اپنا عبث باندھے ہے گھریانی میں
چل بے یار جو ہیں وہ بھی ہیں جانیو لے
چمک دکھلا بیک چشمکے دن ہو جو شرر غاب
جو ٹک آنکھ کھول دیکھیں ہی جانیں ہم غنیمت
کہ رہنے کو یہ جہاں کا نہیں ہے گھر میراث
اسے نادان کہہ محکم جو ہے ادراک گھر باندھے

جاؤ گے یاں وہاں چاہئے کچھ یاں کا پاس
آغاز سے زیادہ ہے انجام کا خیال
بڑھ چل قدم اٹھا کر دشت جہاں سے ایدل
نقل کو پہنچاتے ہیں اسل سے بنیاد میں
سفر درمیش ہے اٹھئے کمر کو باندھے حضرت
روتی ہے شبنم چین میں کس لئے باغیاں
ہوتا ہے ارادہ سفر ملک عدم کا
عیش و عشرت میں مجھے رنج و محن یاد آیا
کہے ایک جب سُن لے انسان دُور
والہ کوئی دوست نہ ہو ویکانہ ہمدم اپنا
کھو دی بنیاد مکاں کی تو لحہ یاد آئی
جس کو دنیا میں ہے کچھ فکر مآل اندیشی
کام وہ کیجے کہ آخر کو شیشیانی نہ ہو
اپنی ہستی پہ نہ آئے مجھے رونا کیونکر
غریق بحر ہشیاری کو ہر دم فکر سا ماں ہو
ہر بات میں جاہل کی طرح کب میں اُبھتے
ہے مآل کار کا اندیشہ اب ہر دم مجھے
خرج زائد اور آمد کم یہ نادانی ہے شوق
کیا وہ دنیا کہ ضرر جس میں ہو عجبی کا شہید
خود نمائی خود پسندی کو ہے رہبر آئینہ
مثل یہ اسے ظفر ہے نکلی ہونٹوں و چڑھی ٹٹوں
کام کا ہے کو وہ کرے انسان
جو کوئی ہنسنے پہ روتا ہے بہت فہمیدہ ہے
کھلجائے زندگی میں اگر لطف خواب مرگ
بشر کو عاقبت کا رکھ خیال رہے
قرض کی پیتے تھے مے پر یہ سمجھتے تھے کہ ہاں
الہی اُن کا کیا انجام ہوگا
اتک مال شادی سے آگاہ جو نہیں
انجام پر نظر نہیں ہے جن کو لے فدا
نہیں جو لوگ عاقبت اندیش
خوف گرا اعمال تلنے کا ہے اے گویا تجھے
لبیوں نو ہویا کہن پہنے تو کر یا دِ کفن
آسمان روتا ہے اسکے حال پر

آئے ہو واکس یہاں چاہئے کچھ یاں کا لحاظ
پیری کی آرزو ہے زمان شباب میں
سننے میں سو طرح کے اس رہز میں کھٹکے
قالب خاکی جو پایا قبر ہم نے یاد کی
اگر دو چار دم ٹھہرے بھی جو یا تم تو کیا ٹھہرے
کیا خزاں بھی گل کے ہمراہ رکاب نیکو ہے
جب دیکھتے ہیں ابلق ایام کی صورت
جو ڈانٹا دی کا جو پہنا تو کفن یا آیا
کہ حق نے زبان ایک دی کان دُور
اپنے اعمال پر اس وقت میں رونا ہوگا
قطع پوشاک کرائی تو کفن یا آیا
لے سخن اس کو پھر اندیشہ فردا کیسا
سوچ لینا خوب ہے آقا میں انجام کا
جب فنا سامنے خورشید کے شبنم ہو جائے
کبھی یا کشتی مے پر نہ ہم نے بادیاں دیکھا
دانا تو ہم کرتے ہیں تدبیر سے تدبیر
بس یہی غم ہے نہیں ہے اور کوئی غم مجھے
اہل دانش پاؤں پھیلاتے ہیں چادر پیکر
وہ نہ کر کام ہو جس کام کا انجام قبیح
مرد آخر میں کو ہے قبر سکندر آئینہ
نہیں کہنے کی جو بات اُسکا کہنا کچھ نہیں چھا
اپنے نزدیک جو بُرا جھانے
رونے پر ہنستا ہے جو وہ کہے مانہ دیدہ ہے
بدلے مکاں کے چاہئے انساں بنائے گور
بخیر دیکھئے اپنا مال ہو کہ نہ ہو
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
نہیں جو سوچتے سود و زیاں تک
کیا باؤ لا ہے مرد گھوڑا بیاہ کا
کرتے ہیں وہ پسند بکھیرا بیاہ کا
لے فدا ان کی عاقبت معلوم
چاہئے یوں جب ترازو دیکھنا روزِ حاضر
کیوں ہے تو محو زین تن ہو موت کے سامان میں
جو کہ اپنے حال پر روتا نہیں

دور اندیشی
عطر مٹی کا لگا یا چاہئے پوشاک میں
خانہ غیبت ہے مٹا ہے کدن غائب
جنہیں دی جا ہے خدا نے عقل و دانش
ہے ان کو تو آج ہی اسے فکر کی
مسافر چل پڑا جو آخر شب
تو منزل اس کی جو جاتی ہے کبھی
نفس کو خفا میں اتنی ہی بڑی ہے خدا
عقل کی کبیر دی دل کا فنا چھوڑے
مجھے ہی نہیں یہ ناہم جو کچھ انتفاقت
وہی شیا ہے جو ہر زمانہ کی اداسی
کیوں زمانہ کرتے جہانے
وقت کا جو نہ منتہی ہے
پیشگی و عقل و دانش کے کچھ دیر میں
خام بآتش کباب سے پختے ہیں وقت
طوفان انقلاب سے پختے ہیں وقت
منج پھرتے ہیں جلد جو اپنا ہوا کے ساتھ
نچے وہی ہیں بغیر سے اہل کامیابیاں
جو سازشوں سے بت آپ کو چپکے چپے
وہی تو مرغ چین میں ہے باغیاں پر
نفس دیکھئے جو سوتے آشیان چھوڑا ہے

کوئی

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

دوستوں کے لئے غم

جو دوستی کے پردہ میں کرتے ہوں دشمنی

دیکھ میں سکھ ہو جو یار ہو وے ساتھ

دل سے یاروں کے اٹھ گئی بالکل

کوئی کسی کا کہیں آشنا نہیں دیکھا

بجا کرتی ہے دونوں تھ سے تالی میاں میں

فرانجی و عسرت میں شادی و غم میں

دوستی اور کسی غرض کے لئے

ہم اپنا جس کو سمجھے تھا غیر سے بدتر

مصیبت میں جو شخص کام آئے اپنے

یہ سخن موع کی زبانی ہے

دیکھا جسے جہاں میں مطلب کا آشنا

داستان یوسف کی سن لو جاہلو

جسکو پایا اپنے مطلب کا ہی پایا آشنا

جسے دوست سمجھے تھے دشمن ہے وہ

نہیں ہے اگر تو ہمارا تو کیا ہے

دوست

اس سے کوئی عبت ہو طلبگار دوستی

صحبت یا رغنا رہے بغیت

آشنائی و دوستی کی داد

سوائے اس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

جو ہم کو بھول جائے اسکو کب ہم یاد کرتے ہیں

بہر حال یاروں کے تم یار رہنا

وہ تجارت ہے دوستی ہی نہیں

اور دوست جس کو جانا دشمن تھا وہ جانی

وہی دوست اور وہی آشنا ہے

بے غرض آشنا نہیں جاتا

پر کوئی با ونا نہیں ملتا

رہرو کو ہر ساریہ ہے دیوار کی تلاش

دوست بھائی کا کوئی بھائی نہیں

آزما یا خوب ہم نے یار اور غم خوار کو

نہیں اب ہمیں دوستی کی تلاش

زمانہ میں کوئی کسی کا ہوا ہے

نظر آغاز میں کر جو سوا انجام چلتا ہے
گفتار کا مضمون دم گفتار ذرا سوچ
اے صحن گلستاں کے گرفتار ذرا سوچ
عیش و عشرت دیکھ کر رخ و محن یاد آگیا
منکر نکیر سے تو اک دن پڑیگا پالا
جہاں میں رہتے ہیں ہ شور و شہر نہیں کرتے
اور تو نے رکھا ہے اس کو اپنے سر پر
کیوں کر طے ہو گا تجھ سے غافل کیونکر
مرقد میں دوست ہے نہ کوئی غمگسار ہے
اپنے سوا وہاں تو کوئی دوسرا نہیں
بھولے بشر نہ رنج کو راحت کے سامنے
بہار باغ پہ نازاں نہ باغیاں ہوتا
مٹھے رونا ہے خندہ گل کا
ہم اسی سوچ میں دن رات رہا کرتے ہیں

دوست
جو رنج و دکھ میں کام آئے
کتے میں اسی کو آشنا خوب
ثابت نہ اس زمانہ میں ہو ایک رشتہ دار
نہیں اگر کسی سے ہم اسرار دوستی
جو رنج و دکھ میں حاضر و غائب ہو کا طرح
ملنے آئی ہے وہ سزاوار دوستی
نہیں چھوڑیگا غلصہ اپنا غلاف
کے ہر شخص اس پر متفق
مصاحب بہت دیکھے اس نے آشنا
نہ پایا کوئی ہم نشین آشنا
وہی بہم ہے اور وہی ہجیار
جو صاحب دم اخیس کا ہو
آپس میں ہو جو بے روادار دوستی
کتے اسی کو یار و مددگار آشنا
رنج و الم میں خوب کیا ہم نے امتحان
آئے غمزدگان نے اپنے سوائے دوست
اپنے لیکھنے نظر تئیں مچانے کے بعد
دوستی کیسی کہاں پڑے غم خوار
دوستان ازل کا نہیں کوئی غم خوار
پوچھا کون ہے رنج و غم کی تکلیف
کوئی

مصحفی
ماہ
مضطر
نواب
دشت
ہمد

آصف
انجم
حسن
اسیر
انور
اسد
انگر
اسمعیل
سیدم
بیان
تراب

کوئی کسی کا بعد فنا آشنا نہیں	اے بکسی ترا بھی مجھے آسرا نہیں	سقیم	دوست
جیتے جی غم غار سب میں ورنہ مرجانے کے بعد	کون میرا آشنا ہے کس کے میں یار نہیں میں	ترجمہ	دل شکنی
ہوا کرتے ہیں سب شاق بس باتیں بنانے میں	بہت مشکل ہے سجاد و ست ملنا اس مانے میں	جنوں	دنیا میں نہیں کوئی
سیج تو یہ ہے کہ کوئی کسی کا نہیں جنوں	دم دوستی کا بھرتے ہیں یہ آشنا غلط	جوش	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
دوست پایا نہ خویش و بیگانہ	سب کو سو بار آرزو دیکھا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
بحر ہستی میں سیر کی ہر چند	نہ مگر کوئی آشنا دیکھا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
وہی اب بیوفا کہلاتے ہیں جو ہم سے کہتے تھے	تم ایسے ہو تو ممکن ہے میں ایسا ہو نہیں سکتا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
کون سب میں ہے ترا چاہنے والا دل سے	صاف کھجائے اگر غور کرے تو دل میں	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
غیر کیا سمجھے درد دل کو جلیں	آشنا جانے آشنا کی چوٹ	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
بار صادق ڈھونڈتے ہو تم جلیں	مشفق من یہ زمانہ اور ہے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
نہیں لازم ہے وقت بد میں جنوں	پر سحش حال دوستاں نہ ہے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
کیا بھلا امتد نیکی ہو عزیزوں ہمیں	بھائی جب یوسف سے بھائی کو گرا دیں چاہیں	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
ڈوبتے کو بحر غم میں تھامتے ہیں آشنا	دوست ہو جاتے ہیں کثرت قوت بازوے دوست	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
دوست کے رنج کا ہو دوست کو کیونکر نہ الم	روح کو قید مصیبت ہے گرفتاری دل	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
ہم اے دوست سمجھتے ہیں جسری	کام جو وقت ضرورت آئے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
کس کے رفیق کس کی محبت کہاں کے دوست	مطلب تک کے یار ہیں پھر کس کے یار ہیں	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
نہ آنکھوں نہیں موت ہے نہ ہے خوف خدا میں	زباں پر دوستوں کی لذت ظاہر ہستی ہے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
حالی سے کام ہے یاں فعلوں سے اسکے کیا کام	اچھا ہے یا برا ہے پھر یا رہے ہمارا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
دوست ایک عالم کے پر مطلب کے دوست	ایسے یاروں سے حذر یا رو حذر	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
ہو سکے جیتک تو اپنے دوستوں کے عیب ڈھانک	حقیقت آشنا کا آشنا ہے پردہ پوش	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
اس نے ہم سے چھپا لیا منہ کو	جسے ہم اپنا آشنا جانے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
جو کچھ کہ مرے ساتھ کیا دوست نے میرے	دشمن سے بھی مجھ کو یہ گماں ہو نہیں سکتا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
دوستوں کی آزمائش وقت بد میں ہو گئی	چار تو ثابت قدم صد شکر دہش میں رہ گئے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
کس سے جا کر کہیں حقیقت دل	کوئی یاں درد آشنا ہی نہیں	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
کیا کیجے سخن شکوہ بیدار زمانہ	ہم نے جسے چاہا وہ ہمارا نہیں ہوتا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
جہاں میں یار و نادار دوستاں نہ ملا	ملا بھی ماہ لقا ایک مہرباں نہ ملا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
سمجھے تھے جسکو دوست وہ دشمن نظر پڑا	اے دوستو شکایت اغیار ہے عبت	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
موج دریا کو رواں دیکھکے آگے پیچھے	آشنا یاں زمانہ کا چلن یا د آیا	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
دوست یک رنگ کہاں ڈھونڈتے ہو کہ حیرت	رنگ جاب کے ہیں اب تو دو رنگوں نکلے	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
کام آئیں بسے وقت میں جو ہیں وہی مخلص	جاتا نہیں ساتھی کوئی تربت میں کسی کی	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
نہ رکھا جگ میں سم دوستی اندوہ روزی نے	مگر انوسے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
قبائے دوستی ملت چاک کر یو	پھٹا دل پھر نہیں ہو تلے بیوند	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو
دوست ہر سہر پر خاش پھر کیا کیجے	امر تقدیری میں شکوہ جبر دشمن سے نہیں	جلس	پنچھنگا موت اگر نہیں تو نہ ہو

دوستی

وہ انتہا میں محبت کی راہیں
نام اپنا تو نے بہت مراد کر دیا
اگر چشم بصیرت ہے رفاقت سیکھنا ہے
کہ رہبر میں طرف دیکھا ہے بھی سنا چلتا ہے
ظہر انہ بیابان قاتل دم کی
مشکل ہے مقام دوستی کا
دوست کا عیب بھی ہے دوست کی فزائیقت
حق نے کی کثرت دوست تو ہے تقابل شباب
لے لے جو بھگت سے نہ قبض الوصول کر
ہرگز طلب کسی سے نہ غاصر سے کم نہیں
احباب کا مزاج غافل اس اتفاق پر
دیر پر وہ اختلاف ہے اس اتفاق پر
جو دوست ہو گا نہ جھگڑے کا عینت کو عیب
کہ ناگوار خدا کثرت کیلئے نہیں
تجربہ شریکیاں ملنے کو کیا نہیں
کہہ رہی ہیں صادق آشنا نہیں
دوستی کی

نہ رکھ ہرگز توقع دوستوں سے دوستداری کی
زمانہ ساز لے غافل ہے یہ انبوہ دسازاں
زبان پر اور کچھ بے دل میں لیکن اور ہی کچھ ہے
موافق دوست میں جب تک زمانہ بھی موافق ہے
گس کی طرح سب میں جمع دسترخوان پر سے
اٹھا جب خواں نعمت یہ بھی اڑ جائینگے دم بھریں
فضول اور سیدہ شغل نہیں تیرے یار ہمد میں
جسے وقتوں میں ساتھی کون لے نادان کسی کا ہے
رفیق اس دن رفاقت کر سکیں تیری تو ہم جانیں
تجھے لینا ہے کیا ان دوستوں سے باز آج بھی
رفیق افعال میں تیرے رفیق افعال ہیں تیرے
تجھے اجاب گورستان تک بس چھوڑ جائینگے
کہاں اس زمانہ میں محو آشنا
جو کرے تیری خوشامدہ ترا دوست نہیں
دوستی اس کی ہے سچی جو ہر اک حالت میں
اور جو دوست ہو وہ دلیں سمجھتا ہے تجھے
بھائی کا بھائی نہ دے ساتھ تو پھر تو ہی بتا
جو ضرورت پہ محبت سے کرے تیری مدد
لے ماہ داغ کہاٹے صد ماہ اٹھائے
دوست دنیا میں نہیں کوئی کسی کا بے غرض
کشت و خوں کا ہو گیا ہنگامہ برپا ہر طرف
دوستوں میں وہ دوست سچا ہے
وہ میں کم یاب کیا نایاب ہیں
دارقنا میں دیکھو لیا خوب کر کے غور
تمام خلق کو بے گانہ دار ہی دیکھا
مروت کا پاس اور وفا کا لحاظ
وقت یہ جواب کہ دشمن کا تو کیا مذکور ہے
لا لہ گل سب برنگ سبزہ بیگانہ ہیں
محبت جو یاروں میں تھی اٹھ گئی
بیگانہ جو دیکھا تو عالم نظر پڑا
دیکھ سکتے ہی نہیں مردم چشم ایک کو ایک

مہر
تجھے امید و مبارک ہے الفت شعاری کی
نہ جانا توں پناہ کی کیونکہ یہ باتیں ہیں شعاری کی
زمانہ پھر گیا پھر کس نے تجھ سے سازگاری کی
سمجھا اس نکتہ باریک کی نادان باری کی
بس اتنی انتہا ہے دوستوں کی دوستداری کی
ذرا شغل بدیں پھر نہیں امید یا رہی کی
تجھے بھی ایک دن پہونچگی نوبت دم شماری کی
رفاقت کیا نہ آئیگی صد اہی آہ و زاری کی
کرا پنا فکر گرامید ہے کچھ مستگاری کی
یہ تیرے ساتھ ہونگے قبر میں جب ہوگی تاریکی
پھر آگے تو ہے اور اعمال تیرے ساتھ جائینگے
نہ کرنا کسی آشنا پہ گھمنٹ
وہ مصیبت میں کبھی کام نہ آئے یکسر
ایک سا دوست رہے بھکونہ چھوڑے دھیر
اس کی رہتی ہے سدا تیری بھلائی پہ نظر
دوستی کا ہوزمانے میں بھر دسا کس پر
وہ ترا دوست ہے شیک و شبہ لے منظر
سب کچھ قبول خاطر احباب دیکھئے
ہو گئی جب صبح شمع مردہ کا پھر غم نہیں
ہو گئی دنیا سے راہ و رسم الفت بر طرف
جو مرے عیب منہ پہ کہتا ہے
کہیا درویش سچا آشنا
نا آشنا ہمارے بہت یار کم ہوا
نظر نہ ہم کو کوئی شکل آشنا آئی
کرے آشنا آشنا کا لحاظ
دوستوں بھی توقع کوئی ہم رکھتے نہیں
اس چمن میں کوئی اپنا آشنا ہوتا نہیں
عوض مہر کے اب ستم رہ گئے
ہمد جہاں میں کوئی نہیں شلزار
کچھ بھی اب چشم مروت نہ رہی یاروں میں



دوستی

باغ جہاں میں کون سی کاہن دوستی
 گیس کے واسطے نیشہ روا ہوا
 اعتماد دوستی دنیا میں
 کل جو تھا اپنا لگا تاج کیسے
 پیام موت سے موزی سے دوستی
 اہل ہے سانپ سے اسی جو کوئی پائے
 دیکھیں ہوئی ہر غریب دوستی
 نیا چاہ رہی اب نیا پیا رہا
 تھیں ہی جھجکے کہ از بس نہ رہا
 سب کیا اب جو تاج سے دوستی کے
 کچھ بستان ختم نہیں سکتا
 زرے دل میں بویا چھپتی
 دوستی کے پردہ میں گر نہیں جاب
 اعتماد اس دور میں ہرگز نہیں
 دنیا میں مین دشمن دوست اپنے کوئی
 فی الحال اگر چھوٹے دوست میں کہاں
 وہ تپاک شوق انجام محبت میں
 اب پہلا ربط باقی ہے نہ اکلا اختلاط
 دہ گئے دن دوستی کے جان تک تیرے گئے
 اب زمانہ میں تو ایسی دوستی ہوتی نہیں
 در محبت کا

جہاں
 بڑی
 پیدل
 بختاور
 بیان
 پرتو
 نسیم

دوستی کی دوست نے اتنی کہ دشمن ہو گیا
 دوستی دشمن بھی کرتے ہیں اگر چاہے خدا
 لذت زباں کو نعمت لوں سے کچھ نہیں
 کثرت اجا ہے کیا فائدہ مرنے کے بعد
 ہے دوست کی نظر میں ہنر عیب ست کا
 آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی
 دل بھی پہلو سے ہوا راہ محبت میں جدا
 دوستی وہ ہے کہ تلوار کے نیچے بھی نہجے
 ہو رہ کسی کا تانا ہو دنیا میں تجھ کو رنج
 غربت میں جو مرجاؤں تو کوئی خبر نہ ہو
 آشنا کوئی نہیں بھر جہاں میں ایدل
 عالم میں دوستی کے اور اس قدر تکلف
 دو چار ہوا تو ہوٹے و لیکن انشا
 کیا کروں گرچہ بھلا ہوں بہت میں لیکن
 دوستی نہجتی نہیں ہرگز فرومایہ کے ساتھ
 بہن کو بھائی سے الفت چاہئے
 منحصر چھوٹے بڑے ہونے کیسا
 دشمن میں اور دوست میں پھر فرق کیا رہا
 تبدیل زمانہ کی ہوا ایسی ہوئی ہے
 الہی جس سے کروں دوستی وہ دشمن ہے
 محبت کے لئے سین کی نہیں قید
 ہر شخص بدل ہے جو خریدار محبت
 پوشیدہ دل نہ ارمیں ہی راز کسی کا
 ہر صبح چین میں ہے یہ تلبیل کا ترانہ
 متحد کر دیا یہ الفت نے
 ملے جو ہم سے ہم ملتے ہیں اس سے
 دوست ارباب غرض میں یہ غلط فہمی ہے
 دوستوں سے انحراف اچھا نہیں
 غربت میں روح نے بھی آخر جسد کو چھوڑا
 آشناؤں میں ہے وفا غفٹا
 اتحاد اجاب سے اور اجتناب اغیار سے
 مغر جانا کئے اندر زو نصیحت والے
 دوست کب دوست کا ہوتا ہے محل راحت

اگر جب شدت سے برسا برق خرم ہو گیا
 آب باراں برق کی مشعل کو روغن ہو گیا
 بھوکے جہاں میں ہم نگہ آشنا کے ہیں
 ساتھ اہل فوج مرقد میں سکندر کے نہیں
 اللہ کو کلیم کی ملکیت پسند ہے
 خیر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی
 با وفا دوست زمانہ میں بہت کم دیکھا
 ڈاب میں عاشق و معشوق کو باہم دیکھا
 رہن بھی لوٹتے ہیں تو تنہا کو راہ میں
 اگلی سی محبت نہیں یا ران وطن میں
 چاہ کی راہ نہ ہم چشموں سے جاری رکھنا
 اٹھ جانے چاہیں سب باہم دگر تکلف
 آپس میں کب نیمے گایوں عمر بھر تکلف
 آہی رہتا ہے ترا مجھ کو خیال ایک نہ ایک
 روح جنت کو گئی جسم گلیاں رہ گیا
 چاہے باہم محبت چاہے نہ
 ختم کو ہر حالتیں الفت چاہے
 مشکل میں دوست کے نہ اگر کام آئے دوست
 کانوں سے بھی اب سنتے نہیں نام محبت
 کیسا دہر محبت میں الفت سلاب ہوا
 ضیعفی کیسی اور کیسی جوانی
 ہے گرم اسی وجہ سے بازار محبت
 سینہ ہے مرا مخزن اسرار محبت
 ہے روضہ رضواں گل بے غار محبت
 مجھ سے وہ اس سے میں جدا ہی نہیں
 نہیں ہم آشنا نا آشنا کے
 کہ خوشامد کی ہے دلجوئی محبت کیسی
 دشمنوں سے بھی مدارا خوب ہے
 سچ ہے کوئی رفاقت کرتا نہیں سفر میں
 نام سنتے ہیں پریشان نہیں
 دونوں عالم میں یہ دو چیزیں ہیں کار میں
 غم ہمارا کسی غم خوار سے کھایا نہ گیا
 سو گئے یانوں تو ہاتھوں سے جگایا نہ گیا

اسیر
 اسیر
 اشک
 امانت
 انشا
 آتش
 افضل
 آفاق
 الوز
 آزاد
 انجم
 بحر

دوستی

دوستی بہت دیرینہ اور پاک
 ہے جو دنیا کی ہر چیز سے
 بالاتر ہے اور اس کی
 قیمت کسی چیز سے نہیں
 مل سکتی۔ دوستی ایک
 ایسی بات ہے جو انسان
 کی زندگی میں ایک
 نور کی طرح چمکتی ہے
 اور اس کی کمی سے
 انسان کی زندگی بے
 رنگ و رو بہ ہو جاتی ہے۔
 دوستی ایک ایسی بات
 ہے جو انسان کو اس کی
 غلطیوں سے روکتی ہے
 اور اس کی مدد سے اس
 کو سچے انسان بننے
 کی راہ دکھاتی ہے۔
 دوستی ایک ایسی بات
 ہے جو انسان کو اس کی
 غم و غصہ سے روکتی
 ہے اور اس کی مدد سے
 اس کو خوش و خرم
 بناتی ہے۔ دوستی ایک
 ایسی بات ہے جو انسان
 کو اس کی کمزوریوں
 سے روکتی ہے اور اس
 کی مدد سے اس کو
 قوی بناتی ہے۔ دوستی
 ایک ایسی بات ہے جو
 انسان کو اس کی
 غلط فہمیوں سے روکتی
 ہے اور اس کی مدد سے
 اس کو سچے انسان بننے
 کی راہ دکھاتی ہے۔

کوئی مشکل نہیں رہنے کی شکل
 جس کو دیکھا آشنا نکلا غرض کا آشنا
 دوست نہیں کہ جو مشکل میں نہ کام آئے
 ہزار مرتبہ دیکھا بستم جدائی کا
 کلام مشکل کی نوع ہے تفسیر مجھے یاد
 کم ہر پیمان سے محبت کا نہیں داغ
 خاکپا ان کا رہوں کیوں نہ میں شائق بالقلب
 چھوڑ جائینگے نہیں تنہا تجھے سایہ کی طرح
 لاکھ چاہت کو چھپائے کوئی پر چھپتی نہیں
 دوست سچا کب کوئی ہم کو ملا
 وہ رگ گردن سے بھی نزدیک تھا
 دوست صادق بھی ملتا ہے کہیں
 سینکڑوں بندہ ہے دام چل آتے ہیں
 یوں جانے کہ جان سے گویا جدا ہوا
 اپنا کراہیک کو یا ایک کا ہوزہ اسے دل
 اب زبا پر بھی نہیں آتا کبھی الفت کا نام
 ہوں گرفتار الفت صبیحا و
 اپنے رب سے جو شے لے لیں سب تو ملے
 جو ملا ہم کو ملا مطلب پرست
 اسباب محبت نظر آتے نہیں بیش کن ہو
 کیا کیا کنوئیں جس کا تے میں نیا میں آشنا
 جو مہینوں بعد آتے تھے قدیمی ہوں گئے
 کوئی ہے تو کوئی ناکوئی گل کوئی کاشا
 چھوڑ آئے یا پہلی منزل ہی میں رہ سچ ہے
 خدا کسی سے کسی دل کو آشنا نہ کرے
 وہ ظلم دوستوں نے کئے ہیں کہ میرا حال
 دیکھ لے دنیا میں کم بہت ہیں دشمن ہیں بہت
 سب نے مل جل کر حادثہ سے چھپے
 ناموس دوستی سے گردن بند کئی اپنی
 آگے تو رسم دوستی کی تھی زماں کے سچ
 یاری جہانیوں کی کیا تیر معتبر ہے
 دشمن سے بھی کر دوستی اسے قہر مجسم
 لینا نہ کبھی بھول کے بھی نام محبت

محبت ہے اگر مسککاشا ہے
 دل ہے افسردہ نہایت گرمی اجا ہے
 ہم ایسے کئے کرتے نہیں زہار کلمات
 ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
 ہے نامہ اعمال مرا مسرد محبت
 خاتم جو مرادل ہے تو خاتم کانیں داغ
 دے رکھتے ہیں جو مجھ پر ہماں سے انصاف
 توجہ ہر مہمان کا ہم بھی ساتھ تیرے جائینگے
 پیار کی آنکھوں و سالت کی نظر چھپتی نہیں
 توں ہم نے اگرچہ کی تلاش
 تھی دل نظر چھپے جس کی تلاش
 ہے دل نادان چھپتی تلاش
 دوستی میں بھی بہت کام چل آتے ہیں
 نا آشناؤں کا جو کوئی آشنا ہوا
 ناز و دلدارا شامت انیا دیکھیں
 اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہر
 ورنہ باقی ہے طاقت پر وار
 دوستی ہے بے ثبات و بے قیام عام و خاص
 آج کل کی آشنائی دیکھو لی
 کبھی عداوت ہی کے نامان بہت ہیں
 کیا کوئی اعتبار کرے یا ہر فار کا
 روز جو آتا تھا بندہ وہ نیا کیونکر ہوا
 ذرا اسے قدر پہلنے رہو ہم دوست دشمن کو
 سب ال دوستی کا کھلنا ہے سفر میں
 یہ ابتلا ہے بڑی طرح کا خدا نہ کرے
 عبرت کے واقعات کی پوری مثال ہے
 سات نر پان زمین تو آسمان بالائے سر
 کہیں نہ صوفی صاحب بھی تو نہ پائے گا
 جیتے ہیں جنگ ہم تب تک نہا ہے ہیں
 اب کیسے لوگ آئے زمین سماں کے سچ
 نا آشنا ہیں یکدم یکدم یہ آشنا ہیں
 خاطر تو کسی کی بھی خبر دار نہ ملے
 ادب چاہے بہت ہوا ہو سو با ہم محبت

دشمن ہین خوش کرتے ہیں تعریفوں سے
انمول دوستی ہے محبت کی قدر کر
ہوتا ہے دوستوں کا بلاؤں میں امتحاں
مطلب کے تو لاکھوں ہی ملے دوست محبت
عجیب سفلہ و اجاب کش ہیں اہل جہاں
اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے
ہر ایک دوست درِ قلب ہے نہیں خالص
جاؤ نہیں کس کے پاس مرا آشنا ہے کون
آتش کہتے ہیں جسے پیرو جاں میں وہ نہیں
جتنی اُلفت زیادہ ہوتی ہے
کوچہ سے ترے دل مجھے جانے نہیں دیتا
دولت دنیا نہ یاں تاج و لوا پیدا کرے
خاک ہے پھر دوستی لطف صفائی جب نہیں
جسم انساں پہ کیا ہے موزوں
ہیں جو سالک جانتے ہیں اپنے دشمن کو بھی دوست
بہت کیا وہ احباب ہیں جو دل سے ملتے ہیں
کہنے پہ سب کے جبرگوار کیا تو کیا
بڑا یہ حق محبت ادا کیا اس نے
بے منت حبیب جو حاصل نہ ہو سکے
نہ قصور دل کشا رکھے نہ باغ جانفزا رکھے
یوں ہونی کو دنیا میں تو کیا کیا نہیں ہوتا
صاف بیگانہ نظر وقت پہ آیا وہ دوست
دوستی سے ہوئے پشیمان ہسم
دھوکے کہا یا کیا ہمیشہ عنبریں
اُٹھائیں نہ کیا کیا پشیمانیوں
نرالا دوستی کا ہے یقین اس زمانے میں
خوب نہیں ہے احتلاط کھیل نہیں ہے دوستی
اس سول رکھتا ہوں خیال دوستی
شمع اہل بزم معنے کیوں نہ ہوئے
اس سخن سول آشنا ہے درو مند
لے ولی ہر آن کر مشق و فنا
عالم کی دوستی سوں ہے نفرت ولی کو نیت
مروت کے ہمیشہ ہا تھ میں ہے

ہے دوست وہی عیب جو منہ پر کہہ دے
دونو جہان بھی نہیں ہرگز بہائے دوست
لیتا خوشی سے دوست ہے سر پر بلا دوست
دُنیا میں کوئی محبت صادق نہ ملا
کہ ان کا دوست ہمیشہ خراب رہتا ہے
لیکن اک آشنا نہیں ملتا
میں کر چکا ہوں بہت امتحاں زما نہیں
دنیا میں بیوفا ہیں سبھی با وفا ہے کون
وہ جو اک چیز محبت ہے جہاں میں وہ نہیں
دل کو حسرت زیادہ ہوتی ہے
اسباب سفریاں سے اٹھانے نہیں دیتا
آدمی دل میں ہر اک کے اپنی جا پیدا کرے
آٹھکھہ واسیلی ہوئی یاں دل مکدر ہو گیا
حق نے کیا خلعت زریبا اخلاص
آبلوں کو فائدہ کرتی ہے کاوش خار کی
محبت دار کچھ آساں نہیں مشکل سولتے ہیں
کس کام کا ملاپ اگر دل نہیں ملا
کوئی جو ساتھ جنازے کے چند گام آیا
ہے شیر ناب بے مزہ اور شہد ناب تلخ
بڑی جاگیر تو یہ ہے کسی کے دلیں جا رکھے
پر دل سے کوئی دوست کسی کا نہیں ہوتا
زندگی بھر جسے افسوس میں اپنا سمجھا
سچ ہے دنیا سے اٹھ گیا اخلاص
یعنی وحشت کا شیدہ تھا اخلاص
رہا دوستی کا نہ مجھ کو دناغ
جواب کینہ دشمن ہے مہر و دستاں مجھ کو
لے غم یا رسو چکراے دل زار و بیکھر
بیس کے چہرہ پر ہے خال دوستی
جس اُپر روشن ہے حال دوستی
درو و دوری ہے و بال دوستی
ہے وفاداری کمال دوستی
ہر آشنا کے دم سوں گریزاں جوں چرغ
عنان اختیار آشنائی

محبت

"

"

"

"

مصطفیٰ

"

"

"

"

"

"

منتہی

ماہ

نشاط

ناسخ

نفیس

نظم

"

"

"

"

واسطی

وقار

وحشت

"

"

"

"

"

ولی

"

"

"

"

"

"

دوستی

ہر بزدل میں بٹھا لو دوس الفت کو

بیاہ کر بیجا سا ماں نہیں خدا دے گا

برسوں کی محبت ہے نہ کر سیک باقات

آپس میں سخن رنج کے لانا نہیں اچھا

دوستی زمانہ

ہر خزاں کو بہار لازم ہے

ہر کوئی کو دوستی لازم ہے

ہر کشت کو دوستی کا شاکہ چو

باغ عالم میں دوری کا شیریں سیب

شام سوچ سچ صبح طبا شیریں صفا

میں زمانہ کی دوری کا شیریں سیب

ایک پیرا میں متاب ہے پیرا حال

اختلاف ہے عالم میں دوری کا شاکہ

کہ ایک شکل پہ ہوتے ہیں شیریں سیب

جو میراں گھر ہے

روزگار

دور کی زماں
 بزمِ عالم میں کہیں عیش کہیں ناتم ہے
 کہیں شادی کی کہیں غم کی صدا آتی ہے
 یہاں ہے غم سے مزین کچا خوش تر بل غم نہیں
 کہیں خزاں ہوں یہاں آید بہار نہ نہیں
 کبھی شادی کبھی غم ہے کبھی کچھ بھی کہیں
 بدلتا رنگ ہے مانند حبابِ روزگار اپنا
 اس کو عروجن ہے کبھی اس کا زمانہ ہے
 اس گردشِ فلک کا عجب کارخانہ ہے
 اس گردشِ وہاں خزاں خنچے و تھوڑے
 خار و گل و ہیر و خزاں کے ہیں
 یہ شعبہ تمام علیم ہیں کہیں
 آفتابِ خزاں سے ہر پہاڑ کہلائے بہت
 زرد پتے ہیں نئے پھول بھی کہیں ضرور
 جو آج ہے بہار تو کل ہے خزاں ضرور
 ہے بسکہ باغِ دہر کا بے اعتبار رنگ
 کیا دور کی پریت ویرانہ کہہ سکو
 ہے کوئی تو دل حزیں و کوئی کیا مسرور
 تھے جہاں یو اخانے داں حسنِ خاشاک ہے
 جس جگہ تہا تختِ شاہی وہ جگہ ہے نور ہے
 ہر محلہ کہلاتی تھی صبا جس شاخ کو
 آج وہ بادِ خزاں کا ہاتھ سے بخور ہے
 باپ دادا جس

تجلی

جواب

2

مضمون

11

34.

11

7

4

ج

جو ویران گھر ہے تو آیا دگور
ہرگز خلافت اہل دول کے سخن نہ کر
سمجھے جو اپنے موئے سیہ ہو گئے سفید
نیزنگی زمانہ نہیں ایک حال پر
عیش کے جلسے ہجوم آلام کے
دیکھو تو کوئی غور سے قدرت کے کرشمے
کہیں رنج ہے اور کہیں شادمانی
کیا دُورنگی ہے زمانہ کی امیر
کہیں شادی کہیں غم طرفہ دنیا کی دورنگی ہے
نیزنگ دیکھئے چمن روزگار کے
اس چمن میں رُخ بدلتا ہے ہوا کا دمدم
بے اعتبار نقش و نگار زمانہ ہے
رات کھلتی ہے بہر صورت فقیر و شاہ کی
گلوں کو خنداں بلبلوں کو نوہ گردیکھا کئے
کہاں شترقی کہاں غربی تمام دکہ سکہیت مساوی
نیزنگ یہ زمانے میں چرخ کہن کے میں
کبھی تو دن ہے اور رات کبھی
رنگ جب دنیا نے بدلا پھر مرقع اور ہے
دیکھی کیفیت بہار و خزاں
باغ دنیا کی دورنگی مجھے معلوم نہ تھی
ہنستے ہیں کہیں پھول کہیں وتی ہے بہنم
مرقع عسرت و عشرت کا یہ نیزنگ عالم ہے
کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی باویدہ نم ہے
مگر یہ چند روزہ باغ میں فصل بہاری ہے
کیا پھولتے ہو فصل بہاری پہ لے گلو
جیسا کہ فصل گل میں تو بیٹھے ہے پھول پھول
کسی کی خوشی ہے کسی کی قضا ہے
کبھی ہے مرگ کا رونا کبھی نشاط حیات
کنج لحد میں رنگ دورنگی نہیں با
یکساں نہیں سیاہ و سفید جہاں بھی آہ
جہاں تسلیم و اغطوں کو کبھی نہ یزنگ ہم نے پایا
ثابت ہے دورنگی سے شب روز کی تسلیم
ہو گئی ثابت دورنگی گلشن ایسا و کی

خوابی ہمساری خرابی نہیں
عاقب ہے تو نہیں میں نہیں ہاں میں ملا
نیرنگ ہیں یہ قدرت پروردگار کے
فحش لے ہے دوش پہ رخت سفر صبا
شعبہ ہیں گردش ایام کے
شادی کہیں بچے کی کہیں غم ہے جواں کا
خدا کی خدائی میں کیا ہو رہا ہے
میں حزیں زخم ہے خداں میرا
پہتا ہے کفن کوئی کوئی کپڑے بدلتا ہے
گل کی نمود ہوتی ہے پہلو میں خار کے
خواب راحت کب تک کروٹ بدلنا چاہے
اک رنگ پر ہوا نہیں رہتی ہے باغ کی
اُس نے ہنستے کاٹ وی اور اُس نے رقتے کاٹ وی
باغ عالم کی دورنگی عمر بھر دیکھا کئے
یہاں بھی اک بامِ آدخوش ہے وہاں بھی اک غمِ حلو ہے
رخت خوشی کہیں کہیں سماں کفن کے ہیں
دوست یکرنگ آسماں نہیں
زرد ہے روئے فرحیں چہرہ غمناک سرخ
میں دورنگی سے آشنا نہ ہوا
ان گلوں صفت بو میں گریزاں ہوتا
شادی کہیں کبھی کہیں شیون نظر آیا
کہیں نغمہ شادی کسی جاشور ماتم ہے
دورنگی ہے زمانہ کی کہیں شادی کہیں غم ہے
چلے باد خزاں جہدم تو کہاویں خار کیا اچھا
کھٹکا تمہارے سر پہ خزاں کا ہے لگ رہا
ویسا ہی تجھ کو دے گی خزاں خار غدلیب
کوئی رورہا ہے کوئی ہنس رہا ہے
پھنسنے ہوئے ہیں دورنگی کے ہم خدا میں کیا
مر کر چٹے کشاکش شام و سحر سے ہم
کیا کیا ہمیشہ کم میں گرفتار رات دن
جو ہمیں کچھ ہے توب کچھ ہی جو قال کچھ ہو حال کچھ
اک رنگ پہ یکلشن ایجاد نہیں ہے
گل کو خداں دیکھ کر شبہم کو گریاں دیکھ کر

باپ دادا جس کے تھے مختار و مالک ملک کے
 تھا ہمیشہ جن کے سر پر تاج زرین ہر میں
 محل و قاتم پہ جن کو نیند آتی ہی نہ تھی
 جن کو بزم عیش نے دیکھی نہ شکل تفرق
 کا نہ سر پہ کڑھکراتا ہے اُس کو ہر کوئی
 چار سو تھا شور جن کا بلیتین مشہور تھے
 ہو گئی افرات باران اور کبھی ہے قحط آب
 کبھی شادی کبھی غم کا سامان ہے
 کوئی ہے شاد کوئی مبتلا کوئی ناخوش
 اے گل بہارِ باغ ہے دوزخِ زناں شمع
 دوزخی زنا نہ کی مشہور ہے
 ایک دن شاہ بنے کرتے ہیں جو سب پر حکم
 ایک دن تخت پہ بیٹھے ہیں جو با جاہ و چشم
 ایک دن مسندِ قالمین پہ جو سوتے ہیں پڑے
 ایک دن جن کے تولد کی ہے عالم میں خوشی
 ایک دن عیش و طرب کرتے ہیں جو عالم میں
 ایک دن سوتے ہیں محلوں میں تکلف سے جو
 ایک دن جسم میں جن کے ہے عروسی کا بلکا
 ایک دن ہوتی ہے جن جن کو خوشی چوتھی کی
 ایک دن زورِ جوانی سے اکڑتے ہیں جو
 کوئی گدا بنا ہے کوئی بادشاہ ہوا
 کہیں عشرت ہے دنیا میں کہیں شفقہ حالی ہے
 تباہ کوئی ہے تازہ کسی کی کشت مراد
 باغ جہاں میں نگاہ خزاں ہے کبھی بہار
 کوئی شادان جہاں میں اور کوئی اندوہناک
 رنج و راحت جہاں میں ہمدرد ہے
 ہے کسی جا جشنِ شام و چکاوک
 بجتے تھے جسمیں گل تک شادی کے شادیانے
 آوارہ گرد ہے کوئی خوشحال ہے کوئی
 مفلسی کے غم میں کوئی زر کے باعث کوئی خوش
 کیا عالم ایجاد میں عاشق ہے دوزخی
 کہیں موت کا سامان کہیں اصل کا سامان
 باغِ عالم کو کبھی اک رنگ پر پاتے نہیں

آج وہ نان شبینہ کے لئے مجبور ہے
 آج اون کی کہوپری سنگ و جہور ہے
 نیش غم سے اُن کا سینہ خانہ زبور ہے
 آج وہ ہیں اور تنہائی ہے کنج گور ہے
 کیا خبر فرق گدا ہے یا مرفخوور ہے
 آج اون کا گوشت مرقدیں غذاور ہے
 طینت عالم میں خاصیت و ولایت ہے یہی
 دکھاتا ہے زمانہ بیچ و ربیع
 مزاج و ہر میں کیسا یہ اختلال آیا
 رنگ سحر مٹا یگانہ و نشان شمع
 کہیں سایہ ہے اور کہیں نور ہے
 ایک دن مثل گدا ہاتھ میں کا سا ہوگا
 ایک دن قبر کا ان کی وہی کونا ہوگا
 ایک دن خاک لحد ان کا بچھونا ہوگا
 ایک دن ان کے غم مرگ کا شہر ہوگا
 ایک دن اُن کے غم مرگ کا رونا ہوگا
 ایک دن ان کے لئے خاک میں جانا ہوگا
 ایک دن اُن کے کفن بر میں سراپا ہوگا
 ایک دن ان کا بڑے رنج سے تیجا ہوگا
 ایک دن با ضعیفی کا اٹھانا ہوگا
 دیکھا عجیب طرز نشیب و فراز کا
 نہ اس سے کوئی مستثنیٰ نہ اس سے کوئی خالی ہے
 کہیں خزاں تو کہیں وہ بہار بنکے رہے
 یکساں نہیں زمانہ کی آب و ہوا کا رنگ
 گل اگر خداں ہے تو گریباں شبنم باغین
 کبھی شادی ہے اور کبھی غم ہے
 ہے کسی جا صدائے نالہ و آہ
 شان خدا ہیں ہیں ماتم کے آج سماں
 و نیسا کا کچھ عجیب نشیب و فراز ہے
 ہے گدا کوئی جہاں میں اور کوئی سلطان
 ہنسے کا کہیں شور کہیں نوحہ گری ہے
 کہیں پھونکنی چادر ہے کہیں پھونکنی ڈالی
 آج ہے اس میں خزاں کل ہو دوران بہار

جویا

21

2

حالی

خوشدل

حسن

11

سید

 \equiv

11

11

11

11

2

سور

سید

سراج

9

10

3

26

Alc

عاشق



۵۰۰

عالم

Figure 1

دورنگی زمانہ
عبرت کی یاد دہنگی باغ زمانہ ہے
گلخانے خزاں ہے گاہ ہے موسم بہار کا
دورنگی ذرا باغ دنیا کی دیکھو
بوروتی ہے شبنم گرہ کو
ایک عالم نہ پایا عالم گیر ہے
کل جہاں بادیاں تھیں آج واں پرانے
چمن دہریں پٹہ نہ تھا شاکیا
اک کلی بنتی ہے تو دوسری گریاں
شاو ماں ہے کوئی کوئی گمانے کا
کارخانہ ہے کیا زمانہ ہے
دنیا میں کسی کا جدا گانہ حال ہے
پخت ہے کوئی کوئی فرخندہ حال ہے
کم ہر کم بعض ہیں اور بعض تکتہ فہم
کوئی ہے بیزیاں کوئی رہیگی مقال ہے
کوئی ہے نیک خلق کوئی بد مزاج ہے
کیا مختلف زمانہ کارسم و رولج
کوئی مڑتا ہے کوئی ہوتا ہے پیلا راتن
روز پیدا ہیں سے دنیا کا یہی دستور ہے
عمر اپنی فقر و فاقہ میں سب گئی فدا
نیو بیوں کی باہ چشم میں گزری گئی

五

دورنگی زمانہ
 نہ بچو زخمی اعتباری عشق شربت اختیار
 کبھی دہریہ کی سنا کیڑی پیچ پکڑی ہو
 پیانہ سنبھالو نہ تار گری پیچ پکڑی ہو
 کہ باز کیڑی کا یہ تار گری پیچ پکڑی ہو
 دیکھنا ایک رنگ پیانہ باغ جہاں کبھی
 آئی ببار گل کبھی فصل خزاں کبھی
 ایک صورت نہیں سارا زمانہ رہا
 شاد رہتا ہے اگر کوئی تو ناشاد مونی
 شبنم گل کی ہے صحبت واقعی باب رنگ
 ایک اگر گریاں ہوا تو درد سر انداں ہوا
 ایک اگر غم کا ہے عالم کسی کا
 رنج کا حال کیسیاں کیسیاں
 اگر شب وقت کا غم کا ہے دنیا بیکر
 عقل حیراں ہے جہاں سے سب کی
 درندیاں کس کو تنہا سے سو کا نہیں
 غمیر رنگ دہریہ کی جابا نہیں
 عادت سی ہو گئی ہے اسے انقلاب کی
 خزاں قریب فاصل بہار آخر ہے
 چین پھول کے تم اسے گلونا اترانا
 دودن کی کیا

دیکھے کوئی دورنگی دنیا کا ماجہ
 اے فیض مرگ وزریت کا کچھ پوچھے نہ حال
 نیزنگ چشم غور سے اس غم کہہ کا دیکھہ
 دورنگی دیکھہ گلزار جہاں کی
 کیا کیا بھرے ہیں رنگ گلستان دہریہ
 دورنگی دہریہ کی پیدا ہے یاس دل اٹھا اپنا
 ہے عبرت کی جگہ ماہر زمانہ کی دورنگی بھی
 جو گل اک لمحہ ہنستا ہے تو بلبل ہر وقت تی ہے
 تجھ کو لازم ہے کہ غم سے نہ رکھے کچھ ہر کار
 ساتھ نرمی کے یہاں دیکھتے ہیں سختی بھی
 یہاں شادی خوشی کی جا ہے غم سے رنج عالم بجا
 تندرستی میں بگڑتی ہوئی صحت دیکھی
 گل دیکھہ رہا تھا میں شفق کے نیزنگ
 نیزنگ زمانہ پھر گئے آنکھوں میں
 بزم دنیا کے اے تماشائی
 کسی طرح کی یہاں دورنگی ہے
 میں نے شادی کے ساتھ غم دیکھنا
 ساتھ نکبت کے ارجمندی ہے
 ساتھ ہے قہقہوں کے شور و فغاں
 سرد کے ساتھ گرم ملتا ہے
 کہیں شادی کہیں ہے بربادی
 ایک پیدا جہاں میں ہوتا ہے
 ایک ہنستا ہے شاد ہو ہو کر
 ہائے نیرنگیاں زمانہ کی
 ایک حالت کبھی نہیں رہتی
 انقلابات کا ہے وہ چکر
 پژمردہ کوئی گل کوئی غنچہ ہے شگفتہ
 ایک صورت پر نہیں ہے گلشن عالم کہیں
 آئے ہستی میں تو یہ دیکھا تاشا جابجا
 رات دن پیر فلک کی ہے دورنگی ظاہر
 دنیا وہ زال ہے کہ دورنگی دہریہ سے
 کتنے اٹھے ہیں مرمکتے اُس ہے ہیں
 دنیا میں کوئی شاد کوئی دردناک ہے

ما تم کہیں بپا ہے تو میں شادیاں کہیں
 وہ فکر پیرہن میں یہ فکر کفن میں ہے
 اند و گہیں میں چار تو کرتے ہیں چار عیش
 کہ گل خنداں میں بلبل نوحہ گر ہے
 فصل خزاں کہیں کہیں موسم بہار کا
 کسوکے گھر میں شادی ہے کہیں ہنگامہ غم ہے
 کوئی روتا ہے بل پر کوئی ہنستا ہے قائل پر
 ذرا لے غافل سوچو یہ کچھ عالم ہے گلشن کا
 باغ عالم کے ہیں نیزنگ خزاں اور بہار
 اور خوش بختی کے ہمراہ ہے بد بختی بھی
 ازل سے عالم میں دورنگی کوئی ہر شاد کوئی غم ہے
 دعویٰ زور کے ہمراہ نقاہت دیکھی
 تبدیلی پیہم سے مری عقل تھی دنگ
 اس کے بھی اسی طرح بدلتے ہیں رنگ
 تو نے دیکھی بھی یاں کی رعنائی
 کیسی رنگوں میں خانہ جنگی ہے
 ہمراہ خوشی الم دیکھنا
 ساتھ پستی ہے اور بلندی ہے
 ہے تبسم کے ساتھ درد نہاں
 سخت کے ساتھ نرم ملتا ہے
 کوئی شاداں ہے کوئی فریادی
 ایک مرنے کے غم میں روتا ہے
 ایک کھوتا ہے جان رورور
 کیا دورنگی ہے کارخانہ کی
 ایک صورت کبھی نہیں رہتی
 نہیں جیتی جائے جو نظر
 ہر وقت نیا رنگ ہے ہستی کے چمن کا
 خنداں گل کہیں ہے گریہ شبنم کہیں
 دھوم شادی کی کہیں ہے نوحہ ماتم کہیں
 زرد ہے پر تو خور ماہ کی تنویر سفید
 کیا کیا بدلتی رنگ شیفٹل ہے سرخ و سبز
 وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں در لوگ فہم ہیں
 یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے

دودن کی کیا بہار پہ پھولی ہے غنڈلیب
گل و شبنم کا ہمد صبح دم کرے تو نظارا
دورنگی زمانہ ہے کہ مثل شیشہ ساعت
کہو بہار ہے اس باغ میں کہو ہر خزاں
جہاں میں سلسلہ توام ہے شادی عہد کا
نہیں ہے ایک طرح پر زمانہ کا نیزنگ
کسی کے حق میں سیم ہے کسی آب حیات
گدا کو بخشے ہے اک پل میں کرزن و اکلیل
شگفتہ دل ہے کوئی اور کوئی پژمردہ
جو ایک شاد ہے اُس سے تو ایک ہو گلشن
خوشی حصول ہے گاہے گہے خفا ہے دل
تا شیر ہے دورنگی لیل و نہار کی
خندہ زن کوئی کوئی اشک فشاں

کھٹکے ہزار باغیں جو رنزاں کے ہیں
چمن میں کوئی دم کا میہاں خندہ و گریہ
دل عالم کدورت سے کہو پر ہے کبھی خالی
نہ پوچھو رنگ زمانہ کا ہے یہ رنگ برنگ
منسے ہے جو اُسے رُفے میں کچھ نہیں ہے رنگ
کہ دم میں کچھ ہے تو دم میں کچھ اور بھی رنگ
فلک کسی کو ہے نامن کسی کو کام نہنگ
شہو سے چھینے ہے اک دم میں مسند و وزنگ
جہاں ہے مثل گل و غنچہ و اشہ و دلتنگ
کہیں ہے نوحہ و زاری کہیں ہیں جنگ
کبھی فسردہ ہے خاطر کبھی ہے دلہا منگ
ناخوش و دُچار دن ہیں و زچا خوش
بس یہی رنگ ہے زمانے کا یوسف

دولت

مہر مایہ ہے بشر کے لئے مایہ ضرر
جہاں میں وجہ شادی ہے تو دولت
جلوہ بزم عیش و سیر چمن
نشہ دولت دنیا ہے خمار عقبی
اعلا س دولت دُنو سے ہوتا ہے دنیا میں ضرر
عجبت ہے ناز تمول پہ ان امیروں کو
یکے غور تو دولت بھی میہر ہے امیر
ہے جمع مال آفت دیکھ لے بخیل غافل
جمع دولت ہے امیروں کے تلون کا سبب
دولت ملی جو ہم کو نہ اس کو ہوا قیام
سبب نول حوادث کا ہے تو دولت دہر
نشہ زرنے کیا صاحب دولت کو یہ مست
درہم و دینار نا حق جمع کرتے ہیں بخیل
کیا فسوں گر ہیں یہ زردار کہ بھر کہتے ہیں
سجھا نہیں دولت دنیا میں خاک نفع
لعل یا قوت کروں کیا کہ نہیں مجھ کو جنوں

کھٹکے مالدار کو دنیا میں چرکا
نہ ہستے گل اگر ہوتے نہ زردار
ہیں شرارے سمند دولت کے
مست منعم ہیں عبت زرنے خزانہ بھر کر
اس سانپ کے دوہن ہن ایک سطر فایک طرف
اٹھکے لائے ہیں کوڑا فقیر کے گھر کا
کہ کریوں کو خدا سے یہ ملا دیتی ہے
کیسے کا باندہ تھے ہیں کٹر گلار سن میں
موجیں ٹٹنے کی نہیں خشک جو دریا ہوگا
آیا جو گنج ہاتھ میں گنج رواں ہوا
کہ سنگ کہاے جو ہوکل میں شرم پیدا
فاتحہ جا کے سرگور غریباں بھو لاء
گور میں دینگے یہ اند اسانپ بچو کی طرح
کر دم و نارسے صندوق و پٹاکے دُچار
کہنہ لباس صاحب اکیر دیکھ کر
منعمو تم کو مبارک ہو یہ پتھر و دُچار

دولت دنیا سے ہیں محرم ارباب بہر
سیم و زر و یکمانہ میں نے کیسے دلا میں
اگر بتی بھی ہے دولت تو کام زری نہیں اپنے
گہر ہوتے ہیں مثل اشک غافل و فقیر
جمع سب ہوں گے قیامت میں غنی اور فقیر
یکمیل میں روزے دولت حقیقت خاطر
استیصال تمول کو کہاں سیمیا کر کو
پیشیاں حال پاتا ہوں وہ ہوتے فقیر
دولت میں قدم سے لگتی ہے وہ شاہراہ ہو
یکجہ جہاں بناؤں وہاں دنیا کیا ہے
روسیا جاکے سواد دولت دنیا کیا ہے
منعمو زار غ ہے وہ جب کو جا مجھے ہو
لے خدا دولت تو پھر سائل ہوا ناں لے
بے صدا ہے وہ بابا بے می ہوش میں
کوئی بیک گیا تو رہا کوئی ہوش میں
دولت کی کو آب کسی کو شراب ہے
لے بخیل اتنی محبت ہے بے مال کیوں
پہلے کس کا تھا ترے بعد یہ کس کا ہے
جو عالم صاحب دولت ہو جا حرف گہری کیا
مزدین ہوتے ہیں اکثر و قریب ان لوگوں

دولت
مخلوق تنعم میں کہاں قلت مال
کبھی پانی کا نہ پیکار اصل تو را
کس طرح تارک اقلوۃ نہ ہوں
نشہ اہل دول کو اسے پیکار
نشہ اہل دول کوئی ان سے پیکار
جہاں کے طالب ہیں کوئی ان سے پیکار
آفت ہوتی قارون کے لئے پیکار
قارون کا گنج میں شتم کی پیکار
اب گئی ہے جہنم کا نام کو
دولت ہمارے ہاتھ جو آئی تو ہمارے
بھی لکڑی کے نشہ اسے پیکار
صاف ظاہر ہے کثافت ہے جہاں میں
کب زور شدید پیکار لکڑی میں
گوریں کہ ساتھ جائے عیش
دولت دنیا کے فانی ہے عیش
ایک دم چاہیں کسی کی عمر کی
دولت دنیا بھی تگی ہے پشیمانی
فروغ دولت دنیا کے کھوے پشیمانی
چراغ غول سے صحرایں کارواں مٹی
جہن کی رفیع قدر ہے آرام کی
گردش سے کج نجات ہے چرخ بند کو
سلطان

جان منعم کی بجائے بعد فنا جلتی ہے
نادان ہینال زریہ جو رکھتے ہیں غماو
ویکھا ہمیشہ مور و گس کو غسل کے گرد
دولت آئی جو کہیں آج ہے کل میں نہ رہی
نشہ زریہ میں منعم کو ملا
تو لگر چار دن کو پھول میں بے آل دولت پر
عادت بد سے ہے دولت موزیونگی لازوال
بے مشقت دولت دنیا کے ممکن نہیں
مشکل عروس دولت دنیا کا ہے قیام
شاہی دنیا مبارک ہو کینوں کو اسیر
طلب گنج سے مقصود ہے سرمایہ رنج
تمول کو غنیمت جان منعم خیر جاری کر
کسی کو دہریہ میں اللہ بے قوت نہ دے دولت
دولت کو اجتناب رہا مجھ سے عمر بھر
کم مایہ کیا مقابل سرمایہ دار ہو
خو جہنم رو نیکی ہے دولت سے نفرت ہے نہیں
دولت میں بھی کسی کو خوشی ہے کسی کو رنج
جوان کو مست کرتی ہے دولت بشر تو کیا
لازم ہے صرف دے مجھے دولت اگر خدا
معاذ اللہ کتنا نشہ زریہ امیروں کو
ہو اثبات مال صاحب دولت جہنم ہے
دنیا میں اعتبار ہے کیا مال و جناہ کو
خوف غنا ہے جس کو گرفتار رنج ہے
ایذا مال دولت دنیا ہے اے اسیر
رو سفیدی چاہتا ہے تو اگر دولت سے کھاگ
دولت دنیا ہے بے شک باعث ایذا اسیر
لازم ہے عجز صاحب دولت کے واسطے
نادان ہیں وہ جن کو ہے دولت پر اعتبار
بجائے مقبرہ تیار کرتا ہے مکان اپنا
مردار ہے یہ نعمت دنیا کے دوس پرست
دولت کو اسفلوں سے محبت کمال ہے
زہد و ورع سے صاحب دولت کو کام کیا
مست غرور ہیں جو تو لگر عجب نہیں

کہنہ ہوتی ہے جو زرتار قبا جلتی ہے
دولت کسی کی ہے نہ کسی کا زمانہ ہے
دولت ہے جس کے پاس سہی کا زمانہ ہے
یہ دہن ایک ہی دہا کے محل میں نہ رہی
عقل سے بیدار دولت ہو گئی
جہاں میں لاری انکی زردار سچی پھو کو نیکی
نیش کا ڈر ہے محافظ خانہ زہور کا
غوطہ کھلو آتی ہے غواصول کو ہر کی طرح
گھر رہ گئی کسی کے تو ایک رات رہ گئی
کب مجھے نظارہ دنیا کے دوس و رکاب ہے
داغ کھانے کو مجھے اب ہے یہ میٹھا پکا
زمانہ کرو میں لیتا ہے پر ہر دم نہیں ملتا
اسیر احوال رہتا ہے پریشاں کیمیا گر کا
آیا جو گنج ہاتھ میں میرے رواں ہوا
دریا سے ہے فویض کہاں اب جو فویض
صورت گل کب سے باغ دہریہ زردار خم
ہنستے ہیں پھول روتی ہے شبنم بہار میں
پھولے نہیں سہاتی ہے بلبل بہار میں
روشن چراغ روغن گل ہو بہار میں
رہا کرتے ہیں مثل مست بیہوشی کے عالم میں
جلا دیتے ہیں اکثر آگ میں ملبوس زریہ کو
مٹی گد کے ہاتھ سے ملتی ہے شاہ کو
گردش ہمیشہ رہتی ہے دولا ب چاہ کو
حسرت ہے وقت نزع سوا بادشاہ کو
ارتباط زریہ دنیا میں محک ہے روسیہ
چاک ہے سینہ صدف کا گو ہر شہوار سے
ہر شاخ میوہ دار چمن میں خمیدہ ہے
مطلق نہیں قیام زمانے کے واسطے
سیستنی سے منعم نشہ زریہ بکھتا ہے
جس کو طلب ہے اس کی وہ مردار خوار
قارون کے ساتھ خاک میں روکا مال
کرتا نہیں وضو کوئی موتی کی آہ سے
دنیا شراب خانہ ہے دولت شراب ہے

دولت
منعم نہ کر اعتبار دولت
اقبال کا طلب لا تقا ہے
دولت سے کبھی نہ سیر ہوں ملے
شاہوں کو فقیر کی دعا ہے
دورین مل دولت فقیروں کو کیا ہے
فلک میرا دشمن اگر ہے تو کیا ہے
کوئی ایسی دولت کا خواہاں نہیں ہے
ہے فارون کیا مال و زر ہے تو کیا ہے
یہ فقیر زرا اگر اپنی گروہ میں مال زربا ہے
یہ دولت وہ فراری ہے کہ تاتا ہے
ورصدن پر زوال لاتا ہے
مال گھر میں نہ کہہ جو حال ہے
انسان جان دیا ہے دولت کے واسطے
جنت کی نعمتوں کا مزہ سیم و زہ میں ہے
ذی قدرت نیست غنی ہو تو جائے
جمع جرعہ نوش جام گدا ہو تو جائے
غدا محفوظ رکھے اہل دولت کے تعلق سے
غدا بنتے ہوئے دیکھا ہے بندہ کو تمول سے
ہو سنا کر کبکساری سفر میں چاہئے
کیوں تر توتا ہے منعم و زرا کا

دنیا میں تمول ہے تو گردوں کی بدولت
دولت بھی آکے خلق میں گمراہ ہو گئی
خوفِ بلائے رنجِ روپے والوں کو نہیں
دولت پہ جان نیتے ہیں راحت کے واسطے
جھنکار سن روپے کی پھی نوائے عیش
زر کو بھی انتشار ہی ذرات کی طرح
دولت پرست گبر و مسلمان نظر پڑے
زر دیا جن کو خدا نے ان کے گھر روشن ہو
نیکیں فن کے لئے مال ڈانک ہرے بحر
سوار پھرتے ہیں پیل سپھر پر مہ و مہر
اہلِ فنا کو دولت دنیا سے کیا عرض
بحر بھکے ہوئے ہیں اہلِ دول
بہر دولت کیوں تگ و پو میں پڑا ہوا نصیب
چشمِ عبرت سے نظر چاند سورج کی طرف
نیاریوں کی خاک چھنوا تا ہے مال
زردار لوگ چرخ میں آئیں گے ایک دن
بجائے اغنیا کی شکایت کرے جو بحر
ڈھونڈتے پھرتے ہیں مفلس اہلِ زر ملتے نہیں
کہو اربابِ دنیا سے درم داغِ ندامت ہیں
کیوں نہیں مال سمجھتے ہو خرابائیوں کو
نیشِ عقرب سے سوا ہیں خار راہِ سیم و زر
ذلیل ہوتے ہیں دنیا کے عشق میں انسان
دولت دنیا کے پیچھے دوڑتا ہے کیوں بشر
آدمی سراٹھا نہیں سکتا
بحر کیوں لوگ اس کے طالب ہیں
اہلِ دولت کو مبارک ہے دولت کی بھول
یہ زر کی بدولت ہے نفاق اہلِ جہاں میں
بشر کا دل رہے گا مال ہی میں
دونو جہاں میں زر کی طرح ہو گئے زرد و
کابلِ دول سے ہوئی معبود پرستی
زوالِ زر میں ہے یوں اپنی آبر و باقی
زر ہو کیا قارون کو راہِ عدم کی روشنی
ہلاک ہوتے ہیں زر کے لئے بنی آدم

اختر ہے گہر زریز تو خورشید ہے زرریز
 گھر بھول کر گدا کا گئی بادشاہ کے پاس
 چاندی کی تختیوں پہ کھدی دوائے عیش
 سرمایہ حیات بشر ہے فدائے عیش
 دیکھہ اشرفی اگر نہ ہو دیکھی نقا عیش
 حوالی چل رہی ہے جہاں میں ہوا عیش
 نوع بشر ہے بندہ زر زر خدا عیش
 بنگلے گویا درود یوار کے روزن چراغ
 بغیر ز رہیں کھٹا کسی کے فن کا رنگ
 بلند مرتبے اکو باب سیم وزر کے میں
 لو دیکھہ لو کہ گنج شہیداں میں ز رہیں
 نشہ آب زر مدام نہیں
 دانہ تبسح کو آب گہر ملتی نہیں
 منزلت عزت یہاں بے سیم وزر ملتی نہیں
 سیم وزر کی جستجو اچھی نہیں
 زر گر کے بوتے ہیں لحدوں کے گھر نہیں
 فقیر کا نہیں دنیا کے مال میں
 کم ہوئے ہیں شان و شوکت میں متاع و مال میں
 جلاؤ دل نہ دولت پر دھواں ٹھیکا گور و نہیں
 اہل دنیا سے کہو گنج ہے ویرانے میں
 آہنی موزے بشر پائے ہوس میں کھینچ لیں
 فقیر دیکھتا ہے دنیا میں کیا گر کو
 پاؤں توڑے سے ملکی سلطنت تیمور کی
 ضرب گھن سے زیادہ زر کی
 کیا بندھا ہے گرہ میں گوہر کی
 یہ بھی کچھ مال ہے ہم جسکی تمنا کرتے
 سلطان و گدا میں کبھی صحبت نہیں ہوتی
 نہ نکلے گی یہ مچھلی آپ زر سے
 رو کا جو دست خیر کو تقسیم مال سے
 باطل ہے اگر سجدہ کریں تاج زر سے
 پس نماز رہے جس طرح وضو بارتی
 بے دے ہوتی نہیں دام و درم کی روشنی
 عزیز جان سے بھی بڑھ کے مال ہوتا ہے

[illegible]

دولت دنیا کا منہ کالا دھوا رہی ہے
گرم ہوئی خاتم تھے تنہا سلیماں چھوڑ کر
اہل ہنر سے اس کو تنفر رہا سدا
جائے دوڑ دوڑ کے زر بے ہنر کے پاس
زر دار بولہ بولہ سنگ نیلایں لاکھ
دست طلب نہ کیجے پیش سنگاں دراز
دولت دنیا سے فانی پر نہ ہونا زان
جے برا بھلا حق رہے گدا و شاہ کا
اہل زر کو زری کرتا ہے گز قناریا
فلس ما بجا خود ہے حلقہ دام باجی گدا
غینا نہیں سدا تجھے لئے منعم حریص
پھر کیا کر لگا لیکے مال و مال تو
جاہ و ثروت کی پوس کی جو تیرے جوت
اہل دولت نے تاسف کے نقش برب
دولت عالم فانی ہے جی کہ نقش برب
کون دنیا میں رہیگا جو سلیماں نہ ہے
گنج عرفان محبت سے رہیگا محروم
ملک عالم میں جو دل نال درہم جو گدا
آب زست ہو بھی جا منہ پاک نیکی
کہوئے کیا تیری عیب کو دولت میری

زر دار باغ و ہر میں ہیں بیشتر عزیز
سلاطین کا خزانہ اور بت خانہ برابر ہے
داغ و نیگی یہ امیروں کی چمن رائیاں
اب تو اکثر اہل زر فرعون ہیں
روزِ عقبی ہو گئے تم مانند خاک لے خاکبو
مال و دولت جاہ و شمت چھوڑ کر ایک دن نہیں
انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود
باڑ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
گلشن و دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
باد صراگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
دولت بے انتہا کا ہے نگوں زری آل
مال و دولت کا فلک سے نہ ہوا میں سائل
دولت ملی تو کرتے ہیں کم طرف سرکشی
سمجھو ان کو محروم لذات دین سے
زر جسے کہتے ہیں وہ ہے باعث فسق و فساد
زمانہ میں دولت بنی بہر سوخت
ہے ظاہر قصہ قارون سے منعم حالت دولت
مرہے ہیں خود پسندی پر امیران زماں
صاحب زر کو اگر علم و ہنر ملتا نہیں
ہوتی ہے جمع زر سے پریشانی آخرش
نشہ دولت کا بدا طوار کو جس آن چڑھا
کیسے بے عقل اہل دنیا ہیں
فتر کو سمجھو سب آرام کا
خدا کے قہر سے ڈر پھول دولت پر نہ امنیم
موتے ہیں لوگ دولت دنیا کے واسطے
پوریاتہ بند بستر چاہئے
پھونکے دیتے ہیں مہوس دولت اجداد کو
سیم و زر کے آگے سودا کچھ نہیں انسان کی
اشرف المخلوق ہے انسان لیکن
سینکڑوں جوڑنیوالے نہ رہے
مال دنیا کو نہ پیارا تم سمجھنا منعمو
عبث اے منعمو مغرور ہو دنیا سے فانی پر
جوں غنچہ پریشانی خاطر کے سوا کچھ

ہوتا نہیں نہال کوئی بے شر عزیز
وہاں تو دے ہیں تھکر کے یہاں رہے ہیں تھکر کے
جز گل حسرت ملا کیا پوچھئے شداد
ایک کیا دوحیا رموسی چاہئے
گنج دنیا کون اپنے ساتھ دال لجا نیگا
جزالم تو ہائے غافل اور کیا لجا نیگا
زر ہاتھ میں اس کے ہے کلید و مقصود
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پاس اعتدال
دیکھو اے زو باہ نفس وں خدران سو خدا
جس طرح جذبات نفسانی کو بھڑکاتا ہوں
سر جھکا دیتا ہے شیشہ جب لباب ہو گیا
مرد تھا خواہش اکیر و طلا کیا کرتا
نوارہ ضبط کر نہیں سکتا ہے آب کو
جو دنیا کے ناز و نعم دیکھتے ہیں
گرنہ ہو باور تو دیکھو گنج ہے تعلیب جنگ
بھرا نارسے دیکھو دنیا کو
بجز جو دوسخا اہل شتم کے ہاتھ کیا آیا
خرچ کرتے ہیں عبث لاکھوں روپے القاب پر
صاحب علم و ہنر کو بھی تو زرتا نہیں
درہم کی شکل صورت درہم سے کم نہیں
سر شیطان کے ایک اور بھی شیطان چڑھا
کھوئے دیتی ہے ان کو زر کی تلاش
آفت آئے گی جو دولت آئیگی
خزانہ تیرا کچھ افزوں نہیں ہے گنج قارون سے
کتوں کی طرح لڑتے ہیں مردار کے لئے
تارک دنیا کو بھی زر چاہئے
بے روپے اکیر بھی لے اہل زر ملتی نہیں
خاک ہی رہنا بھلا تھا بلکہ اس اکیر کا
کچھ سمجھتا نہیں زر کے آگے
اور دینار و درم باقی ہے
کیا بھروسہ ہے بھلا اسکا رہا جاتا رہا
گیا جدم جیاں کچھ نہ تہادت سکندریں
حاصل نہ ہوا جمع زر و مال سے اب تک

جنون
جستار
بلیس
جلالی
چکیت
حالی
خلیل
خاشوش
خوشدل
ذوق
ذکر
راہ
سحر
سودا
سید
سعید
سرور
سخن
شہب

رکھا ہے دست شفقت مادرانہ فرق پر اس کے
پانی کو جیسے دنیا میں حاصل استقرار نہیں
پانی کے بڑے جانیسے جس طرح خرابی آتی ہے
اہل زرنادان ہیں ان کو غم عقبی نہیں
وہ بڑی دولت دنیا جو تہ خاک رہے
تو کرتا کس اُمید پر غافل ہے جمع زر
ساتھ زر کے پستی بہت بھی ہوتی ہے زیاد
قدر اس شخص کی دو چند ہوئی
اپنے ہمراہ نہ لیجائیں گے جزو ہم داغ
دولت وہی ہے خوب جو ہو حق حلال کی
کرے گھنڈ نہ دولت پہ ہے جہاں فانی
مرد جوان ہے جاہل دولت پہ جو ہے مال
جو پیسے جمع مال ہے اس کو یہی خیال ہے
جو صرف نہ ہو کام کی دولت نہیں ہوتی
سنا ہے محل زر سے ہوتی ہے قوت بصارت کو
چارون کے لئے دنیا میں تجھے ہو غم
دولت نے انقلاب ہزاروں دکھا دے
مال سے یہ پانوں کا کرتا ہے کام
دولت دنیا پہ اتنا دل نہ مال چاہئے
کب کسی کی بات سنتے ہیں جو ہیں اہل دل
جاہ کو لوگ اگر فانی و باطل سمجھیں
انقباض غنچہ سے ثابت ہوا ہم کو عزیز
ہے چند روزہ گلشن ایسا و کی بہار
تھا انقباض غنچہ منط جمع مال سے
اہل رفعت کو بہت جلد مٹاتا ہے ملک
بنا فلس ماہی زرا غنیا
وہ زمانہ ہے کہ گلزار میں کہیں نہ قدم
غنچہ کی جب سے تنگدلی دیکھ لی عزیز
کیا منہ حصول ہے اس سے سوائے روز
اپنے ہمراہ نہ لیجائیں گے جزو ہم داغ
زردار کو آسائش دنیا کا مزہ کیا
حب زر کا ہے آل کا رتا ریکی قلب
زر دنیا کسی کو بے جفا کاری نہیں ملتی

دیا ہے دولت دنیا نے بھی کیا ساتھ قارون کا
مال جہاں کو بھی ویسے ہی ہرگز استرا نہیں
مال کی کثرت بھی آخر کو یونہی خرابی لاتی ہے
کیسے خوش ہوتے ہیں دنیا کا تماشا دیکھ کر
راہ مولا میں جو ہو صرف وہ مال اہل ہے
قارون کے ساتھ دیکھہ تو دولت نے کیا کیا
ورنہ مال سوئے اسفل کس لئے قارون کا
اس جہاں میں جو مالدار ہوا
پچھوڑ جائینگے جو دنیا میں دھینہ اپنا
کرتی ہے زر درو بھی کبھی سیم و زر کی چٹا
ہمیشہ چاہئے انسان کو سر جھکا کے چلے
ایمان ہے مہر غافل دنیا ہے پیر زان کا
زیست ہزاروں سال ہے دم دم واپس نہیں
مجنوں کو زر داغ میں ثروت نہیں ہوتی
جہاں لوگ کیوں ہو جاتے ہیں اندھے بصارت
طلب عزت و ملک زر و جاگیر عبت
پوچھا نہ میں نے بھی کہ مصرا کی کہ مرگئی
ہاتھ وہ چلتا ہے جس میں زر رہے
ایک دن سب یہ جہاں زیر و زبر ہو جائیگا
گوش گل میں زر کے ہونیسے گرانی ہو گئی
افسردہ کو نگوں کا سہ سائل سمجھیں
جس کسی کی گانٹھ میں زر ہے وہی دلنگ ہے
کیوں شغل غنچہ اس میں کوئی جمع زر کرے
دل کھل گیا مرا جو نہ مٹھی میں زر رہا
لاکھ ہوا و جگر عمر شر کہ کچھ بھی نہیں
کہ خست سے جزو بدن ہو گیا
طبق گل میں عنادل نہ اگر زر دیکھیں
قطع اُمید کر چکے سب اہل زر سے ہسم
مانند شمع سر پر اگر تاج زر ہوا
چھوڑ جائیں گے جو دنیا میں دھینہ اپنا
حاصل ہے غریبوں ہی کو آرام سرا کا
یعنی ہوتا ہے سیہ دیوار دو درمک سال کا
لگی ہے ہاتھ تبا کیسے جب پارے کو مارا،

دولت
رہنے نہ دیکھی دولت دنیا کی پاس
کچھ اس غم نہیں ہے جو نادر ہوا
جہاں زر و زر کے حق میں دولت کا پیو
زردار جی تو کثرت تر ہے جہاں زر
جہاں زر کے راستے جہاں زر
کشت زعفران جو نسا جہاں زر
کچھ نفع دین کا نہیں کیا مال میں
پہاں کام پر نہیں آتا مال میں
پہاں پر چپ پر چپ جہاں زر
مال سپند کا نظر جہاں زر
پہاں ہانفت سوم جہاں زر
پہاں اگر جہاں زر جہاں زر
مال حسرت و دولت قارون کو گھٹی
دیکھہ اسے لیم دولت ناپا دار سے
آباد ہیں جو دولت ناپا دار ہیں
گویا خراب تر ہیں جہاں خراب ہیں
دولت دنیا پہ اسے غافل گھنڈ
چلتی پھرتی چھانوں پر منور ہے
اہل دولت

دولت

علیٰ بن علیؑ چینی چانوں دولت جی کہتے ہیں
 ابھی کان ابھی داں کیا امید اس زلفت کی
 یہی حال دولت ہے یہیں چھوڑ جانا ہے
 نہیں اس کثرتِ سامان میں مسکن کی جہیت
 پریشان تر ہے حال یاں طبع پریشان کا
 زرقہ حاجات ہے سوچے اگر انسان
 پینچی ہے وہ جس کی ہو شکل ہر ایک سال
 لے صاحب زراستے ایک بات تباہوں
 زراستہ ہے مریم زخم زخم کی
 یہ شکر خدا ہے کہ دولت نہ تھے احسان
 یوں مانتے ہیں اب نظر منت و احسان
 دولت نہ رہی اور کسی کی نہ رہیگی
 خدا کو حق بخش تھے رحمت خالی
 آبا تھایاں جب تو ترے ہاتھ تھے خالی
 جب جابجا پھیل تھے خالی وہی نادان
 کیوں کرتا ہے صندوق مقفل پوچھ بند
 ہمراہ نہ لیا ہے مال فراوان
 جبکہ کہ ہے زراستہ ترے نفع کمالے
 کیوں غرض سودا اٹھاتا ہے تو نقصان
 دولت

اہل دولت چھوڑتے دنیا کو میں حسرت کے ساتھ
 غم بیونگی بھی لو خیر منعمو
 اتنا ہی مجھے روز جزا داغ ملے گا
 اے منعمو روپے نہیں حسرت کے لغ ہیں
 ہو گئے لاکھوں خداوند آج کل
 لکھا ہوا ہے ہر ایک کمی کی بوٹی پر
 منعم یہ روپے کی زر پرستی
 آدمی کرتا ہے کیوں زر سے محبت اتنی
 غش میں گھر بھرے منعم دیکھتے ہوں کہ روز
 کلچے سے لگائے رکھتے ہیں لوگ
 سکھا دیتا ہے اقبال آدمی کو نیک و بد آخر
 منہ پھیر کر چلی جب جاہ و شہم کی دولت
 دنیا ہے شست و شو کے لئے آبرو گدا
 زرداروں کو سمجھتے ہم دل میں آدمی
 دولت سے بخودی ہے جوانی کے واسطے
 دولت کے سبب ڈرتے ہیں سب متمول
 نادان سر جھکاتے ہیں دولت کے واسطے
 ہر کسی کو نشہ ہے تو دولتی کا کس لئے
 دولت وہی اچھی ہے کہ جو کام میں آئے
 اچھا ہے وہ زراستہ میں جو آئے کسی کے
 دولت تری اے شخص و دیت ہے خدا کی
 زرقہ حاجات ہے سوچے اگر انسان
 دولت نہ ہوئی اور نہ ہوگی یہ کسی کی
 جب تک کہ ہے زراستہ ترے نفع کوئی لے
 دولت و شہمت و سیم و زر و حاصل و گوہر
 خاک میں دولت ملائی کر کے دم
 کیا تعجب ہے جو میں تیرہ دروں دولت مند
 افلاس میں ممکن نہیں بزم و مے و محشوق
 اسباب پریشانی خاطر کا ہے
 تنگ حالی کا خطر رہتا ہے خوشحال کے ساتھ
 تم بہر مال جان نہ جو کھوں میں ڈالنا
 تری نظروں میں زر ہے قبلہ حاجات افلاں
 بدن کی جان کی صحت کی پروا کچھ نہیں تجھ کو

دم نکلنے کو نکلتا ہے گردنت کے ساتھ
 ہمیشہ نہیں رہتے دولت کے دن
 جتنا ہے یہاں درہم و دینار افلاس
 تم کو نظر سے مال پہچکوتاں پر
 نام کو گھر گھر خدا کی ہو گئی
 کہ یہ نشان ہے قارون خزانے کا
 رکھ لے اسے سجد گاہ کر کے
 نقش جب سکے کی جا ہوتا ہے دینار و تعلق
 ہاتھ جاتے ہیں سب مال دنیا چھوڑ کر
 عجب دلچسپی دنیا میں زر ہے
 یہ دولت ہے وہی شان ریاست ہی جاتی
 جاتی ہے ساتھ اس کے سب برو عزت کمال
 مال اہل دل کی آنکھوں میں تھوکان میل ہے
 دیکھا تو آدمی کا بھی گوسالہ بیل ہے
 سونا ہے نیند نشہ منانی کے واسطے
 اکیر کے کہانے سے کوئی مرد ہوا ہے
 گوسالہ سامری کا نظر میں یہ گائے ہے
 پار و کہنہ خم چرخ کہن میں کیوں نہیں
 بیکار ہے دولت نہ کرے خرچ اگر انسان
 بیکار پڑے رہنے میں خطرہ نقصان
 کر غین نہ اس میں کہ بہت سخت ہو نقصان
 یہ شئی وہ ہے جس سے کہ ہو شکل ہر ایک سال
 خدا کو حق بخشے تجھے رحمت یزداں
 کیوں یوں عوض سودا اٹھاتا ہے تو نقصان
 ساتھ لیا گیا او منعم ناداں کیا کیا
 خاک چھانی کیوں عبت زردار نے
 ہو ہی جاتی ہے یہ لاکھ ہو نکال سفید
 یہ زر کا تماشہ ہے یہ دولت کا مزا ہے
 اسباب تیرے مکان کا اے جاہل
 خوف چوری کا ہے دنیا میں زر و مال کے ساتھ
 خطرے بھی مہر ہمرہ گنج خطیں سر میں
 اسی مطلب سے تو نے عمر کرے میں غارت کی
 سحر سے شام تک بس تو ہے تحریل و لت کی

[illegible]

دولت
 نہ کہ جمع سیم زر ہرگز
 گنج قارون یہ بدایت ہے
 ایک جا بھیرنی نہیں کا
 بیچی دولت کے پاؤں میں ت ہے
 موزوں ہاتھ میں دولت رہے ہر حال
 نہ تھا ہے خلق ہر بند گھر زور کا
 نہیں تھی بے دولت موزوں ہاتھ میں تھی
 کوئی ممکن ہے رہنا دیو کے ہاتھوں میں تھی
 دولت دنیا پہ کب لازم ہے انسان کی غور
 خاک میں مدفون قارون کا خزانہ ہو گیا
 روپا ہکا کا ہے باعث ہر چیز کی طرح
 کوئی قلعہ بری چیز نہیں زر کی طرح
 صاف دل کو دولت دنیا سے دو جان گہر
 موت گل زر سے کب ملو ہو دامن گہر
 دل پہیچے صاحب زر کا یہ ہے امن نہیں
 دیکھو پیچے دیدہ خاتم میں اک آنسو نہیں
 نہ ہو غیوراری جمع زر سے فائدہ ہرگز
 دبا خاک میں دولت نے کس دولت قارون پر
 خد کے قہر سے ڈرتے نہیں بھلے ہو دولت پر
 تمہارے ہاتھ میں لے منجھو کیا گنج قارون
 دنیا میں

زر و مال کیا ہے انسان حریص
 کم طرف کو یہ دولت دنیا خدا نہ دے
 مال دنیا میں نہ ملتا ہے مقدر سے سوا
 نہ چھو یہ روپے ہاتھ کا میل ہے
 تاج شہی کے بوجھ سے بچا ضرور ہے
 چلتی پھرتی چھانوں ہے نازاں نہ ہو
 ہستی کو اپنی بھولے نہ انسان عروج میں
 کثرت دولت میں لطف خانہ بربادی بھی
 لگیگی دم میں سرخنگ زمانہ سہاٹھانے پر
 کون پوچھے ہے جہاں میں پائے نفیس کی نصیر
 وہ باد لہ پوش اور مرے دوش کپٹل
 شاہ و گدا برابر دونوں میں بعد رحلت
 جو زیست چاہے کرے مال سے تہی پہلو
 زردار جو ہوں کیوں ہوں خند اس بزرگ گل
 جس قدر دولت ہے صحبت سے ملتا اجتناب
 ہر صاحب خزانہ کو ہے اوج ہی زوال
 نہ کوئی مال دنیا کا اٹھایا بیگا سریر
 مفلسوں کے منہ سے ہوتی ہے بہت شرمندگی
 ہر گل زبان برگ سے کہتا ہے باغ میں
 جسکے ہاتھ آیا خزانہ قصہ کہتا ہے یہی
 اسفلوں سے دولت دنیا کو ہے الفت کمال
 کہہ رہا ہے باغ میں ہر گل زبان حال سے
 جو مالدار ہے اسے کھکا ہے چور کا
 جو دل سے ہے تو نگرتے تکلف
 خافلو نشہ دولت سے نہ اتنا بہکو
 اسی صندوق میں کل نکی لاشیں بند کرتے ہیں
 جہاں موزی ہیں دنیا میں سحر زر سے ہوتی ہیں
 یہ زر سے تنفر ہے کہ ہوتا ہوں جو بیمار
 بندہ زر کی مرے آگے ہو رفعت کیا خاک
 ہوتا ہے رنج دولت دنیا سے اس قدر
 جس طرح ہاتھ سیہ درہم و دینار سے ہوں
 گنج قارون کا سنا آپ نے قصہ صاحب
 فقط یہ زر کی نمائش ہے باغ دنیا میں

ماہ
 کہ قیمت سے بھی کچھ سوا چاہتا ہے
 فوارہ کا ابھارنے والا خزانہ تھا
 سیم وزر کے لئے میعاد خط قیمت ہے
 تو بس آبرو لے گھر کے عوض
 سر پر ساد و شرکا نہ مسکن اٹھائے
 منعمو رہتی ہے دولت چند روز
 ہے خاک چاہئے کچھ اسل وقات کا لحاظ
 شہد کے ہونیسے گھر لٹ جاتا ہے زبور کا
 نہ اتنا منعمو فوارہ ساں اچھلو خزانے پر
 ہے جو کچھ دنیا میں سوا سیم وزر کا اقتیا
 ہاں نفیس وزر دار میں و نرات کا ہر فرق
 کام آئیگی نہ ہرگز زیر مزار دولت
 صدف کے سینے کو کرتے ہیں داں چاک
 باغ جہاں میں زر بھی کم از زعفران نہیں
 روئے انسان ہر وحشت صاحب اکیر کو
 ٹپکے نہ کیوں اچھا لکے فوارہ آب کو
 زمانہ میں نصیب ایسے بے ایک قارون کو
 زردیہ اے منعمو بے وجہ روتے زر نہیں
 انسان کو کیا نبات کو ہے زر کی احتیاج
 مثل فوارہ جہاں میں سہاٹھانا چاہئے
 دیکھو تازیر زمیں ہمراہ قارون ل ہے
 بتلائے خار غم رہتا ہے جو زردار ہے
 مچھلی کی طرح خار ہے پائے ورم کے ساتھ
 لٹاتا ہے وہی زر بے تکلف
 دیکھنا کاسہ سر کاسہ سائل ہوگا
 یہ غافل آج کیوں بیفائدہ زربند کرتے ہیں
 کہ نقش زر خزانے میں برا مارافسوں
 جاتا ہے اٹک شربت دینار گلے میں
 زرد شئی ہے وہ نظر میں جسے زر کہتے ہیں
 دینار میرے ہاتھ میں اگلے سے کم نہیں
 الفت زر سے یونہی ہیں دل زردار سیاہ
 داغ دیتے ہیں زمانہ میں یہ پیسے ایسے
 ہزار رنگ بدلتا ہے گل بھی زر کے لئے

<p>دولت</p> <p>مالکاری کی کتب سے طاعت کیلئے و جہیل</p> <p>آب گوہر سے بھلا کیونکر وضو ہو جائیگا</p> <p>نہیں کیچہ اعتبار اس دولت فانی کا دنیا میں</p> <p>خزانہ ہے نہ لشکر ہے سکندر زہ دارا ہے</p> <p>زر گل کی طرح یہ مال دنیا بھی دور زہ</p> <p>زیر کو چاہئے نازاں نہ ہوایام دولت میں</p> <p>دوروزہ دولت دنیا پنازاں نہ منعم</p> <p>زمانہ کا ذکر کو حال ہو جاوے ساقی</p> <p>زمانہ کی طرح سے جمع کر کر زور و گنج</p> <p>قاروں کی ناپائیاں سے بے جا منت خج</p> <p>جی مار کر اپنی پائیاں سے گزران</p> <p>عز و سرفراز نہ کہ چھوڑ کر</p> <p>ہم دم جو ہو صرف کہ نہ چھوڑ کر</p> <p>زر و سیم جو امر تقدیر میں ملاک پیر ہوم</p> <p>جست ہے جنگ یک دیکھ نہ دیکھ نہ تیرا</p> <p>راستی</p> <p>دنیا میں راہ راست دلی عروج</p> <p>مغنی سپہر یہ خط استوا کے ہیں</p> <p>منع</p>	<p>نیا میں وہی خوش ہیں جو ہیں صاحب دولت</p> <p>سب ل کے پانوں چوٹے ہیں اس غلام کے</p> <p>دنیا میں کون ہے جو نہیں مبتلائے زر</p> <p>جو ہے سو ہو رہا ہے سدا بہتلائے زر</p> <p>دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تاشاہ</p> <p>موتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈتے ہی کوئی جاہ</p> <p>پسیا ہی رنگ روپ پسیا ہی مال ہے</p> <p>کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں</p> <p>نقش یاں جیکے میاں ہاتھ لگا پیسے کا</p> <p>جھٹکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا</p> <p>رہتا نہیں کسی کا سدا مال و دھن درست</p> <p>دین کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے</p> <p>دنیا نہ ہو تو دیں کی رونق کہاں ہو</p> <p>اٹیاں و بذل وجود محقق کہاں سے ہو</p> <p>و نیسا کو جب کسی نے عموماً برا کہا</p> <p>جس جگہ دیکھو وہاں پر قدر ہے زر واری کی</p> <p>دولت نہ غافلوں کے کبھی کام آئیگی</p> <p>کبھی دولت کو سمجھتا نہیں دولت میں فقیر</p> <p>محبت مال کی لے غافلویو وہ ہے بالکل</p> <p>عالیوں کو پوچھتا ہے کون اب اس عہد میں</p> <p>جمع دولت سے ہوا فائدہ کیا قاروں کو</p> <p>اللہ کا خزانہ یہ دولت ہے واسطی</p> <p>واسطی دولت دنیا کا بھروسا کیا ہے</p> <p>کیا ہے دولت کا بھروسا جائنگے سب باوٹا</p> <p>بیجا تلاش دولت دنیا ہے لے وزیر</p> <p>گنج ہوتا ہے وہاں کثر جہاں ویرانہ ہے</p> <p>ساتھ دولت کو اگر لے گیا قاروں تو کیا</p> <p>جمعیت دل قسمت مفلس میں لکھی ہے</p> <p>گر غرض ہے تجھ کو ان صافی مار کہ دنیا سول</p> <p>نیں ہے حاصل غیر گردش اسکو جگ میں رات دن</p> <p>بھروسا نہیں دولت تیز کا</p> <p>تیرہ بختوں کو ملے فیض نہ دولت سے کبھی</p> <p>ہر سحر کیوں نہ شکستہ ہوں وہ لے باد سحر</p>	<p>گلزار میں ہے خندہ گل زر کے سب سے</p> <p>کیا رتبے ہیں ملائے علیہ السلام کے</p> <p>جتنے ہیں سب کے دل میں بھری ہے ہوائے زر</p> <p>ہر اک ہی پکار سے ہے و نزات ہائے زر</p> <p>سب زر کے طلبکار ہیں لے ماہی تاشاہ</p> <p>دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ</p> <p>پسیا نہ ہو تو آدمی چرخہ کی مال ہے</p> <p>کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں</p> <p>اس نے تیار ہر اک ٹھاکہ کیا پیسے کا</p> <p>دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا</p> <p>دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست</p> <p>دنیا نہیں تو دعویٰ دیں مکر و زور ہے</p> <p>اعلائے شان قار و مطلق کہاں ہو</p> <p>مصدر رہی جب نہیں ہے تو مشتق کہاں ہو</p> <p>میں اسکے منہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا</p> <p>بات کوئی پوچھتا ہرگز نہیں نادار کی</p> <p>بیکا رہے اگر ملی اکیر خواہ میں</p> <p>آہن و زر نظر آتے ہیں برابر مجھ کو</p> <p>جدا ہوا اس سے تم پہلے کہ جو تم سے جدا ہوگا</p> <p>ہے وہی علامہ جس نے خوب کب زر کیا</p> <p>نہ ہوئی دولت دنیا ہمیں حاصل تو کیا</p> <p>مصرف کریں نہ مصرف بیجا میں زرخراب</p> <p>کہ کفن سے تھا تہید ست سکندر باہر</p> <p>سوئے تربت سلطنت کا کار و ساماں چھوڑ کر</p> <p>غیر از کفن نہ جائیگا شاہ و گدا کے ساتھ</p> <p>خانہ ویران ہر درویش دولت خانہ ہے</p> <p>جو نہ انسان کے کام آئے وہ زچہ بھی نہیں</p> <p>رہتی ہے مگر خاطر زر و دار پریشان</p> <p>جز میا ہی میں ہے لے نادان تا شیر طلاء</p> <p>جیوں سورج لاگا ہے جس کے دل میں سیر طلاء</p> <p>عجب نہیں کہ تا ظہر آدھے زوال</p> <p>فائدہ کیا ہر طاؤس کو زر واری کا</p> <p>غینہ کی طسوج سے مٹھی میں جو زر کہتی ہیں</p>	<p>نیا میں وہی خوش ہیں جو ہیں صاحب دولت</p> <p>سب ل کے پانوں چوٹے ہیں اس غلام کے</p> <p>دنیا میں کون ہے جو نہیں مبتلائے زر</p> <p>جو ہے سو ہو رہا ہے سدا بہتلائے زر</p> <p>دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تاشاہ</p> <p>موتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈتے ہی کوئی جاہ</p> <p>پسیا ہی رنگ روپ پسیا ہی مال ہے</p> <p>کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں</p> <p>نقش یاں جیکے میاں ہاتھ لگا پیسے کا</p> <p>جھٹکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا</p> <p>رہتا نہیں کسی کا سدا مال و دھن درست</p> <p>دین کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے</p> <p>دنیا نہ ہو تو دیں کی رونق کہاں ہو</p> <p>اٹیاں و بذل وجود محقق کہاں سے ہو</p> <p>و نیسا کو جب کسی نے عموماً برا کہا</p> <p>جس جگہ دیکھو وہاں پر قدر ہے زر واری کی</p> <p>دولت نہ غافلوں کے کبھی کام آئیگی</p> <p>کبھی دولت کو سمجھتا نہیں دولت میں فقیر</p> <p>محبت مال کی لے غافلویو وہ ہے بالکل</p> <p>عالیوں کو پوچھتا ہے کون اب اس عہد میں</p> <p>جمع دولت سے ہوا فائدہ کیا قاروں کو</p> <p>اللہ کا خزانہ یہ دولت ہے واسطی</p> <p>واسطی دولت دنیا کا بھروسا کیا ہے</p> <p>کیا ہے دولت کا بھروسا جائنگے سب باوٹا</p> <p>بیجا تلاش دولت دنیا ہے لے وزیر</p> <p>گنج ہوتا ہے وہاں کثر جہاں ویرانہ ہے</p> <p>ساتھ دولت کو اگر لے گیا قاروں تو کیا</p> <p>جمعیت دل قسمت مفلس میں لکھی ہے</p> <p>گر غرض ہے تجھ کو ان صافی مار کہ دنیا سول</p> <p>نیں ہے حاصل غیر گردش اسکو جگ میں رات دن</p> <p>بھروسا نہیں دولت تیز کا</p> <p>تیرہ بختوں کو ملے فیض نہ دولت سے کبھی</p> <p>ہر سحر کیوں نہ شکستہ ہوں وہ لے باد سحر</p>
--	---	--	---

نی

راستی
صدق راہ مستقیم اور کذب ہے راہ مجہیم
صدق سے صدیق ہے اور کذب سے زندق ہے
بات سچی کہی اور انگلیاں اٹھی سب کی
سچ میں کی کوئی رسوائی سے رسوائی ہے
سچ بولنے سے خوف ہے چھوٹوں کے عہد میں
سچ بولنے کا کوئی شہین ہے کہی
جو حق کہیں اس کو ضرر پہنچے نہیں ہے
استبازوں کو ضرر صبا کو پر ہر ہے
ڈوڑے دیکھا نہیں صبا کو بچا کیوں
ڈوڑے رو میں خضر کی منت اچھا کیوں
ہم راست رو میں طلب راہ راست ہیں
دگتا نہیں ہے اپنے طلب راہ راست ہے
آئندہ منہ پہ بھلا اور برا کہتا ہے
سچ یہ ہے صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے
راستی پریمی آنے کا نہیں ان کا مزاج
راستی پریمی آنے کی جاتی ہے
اب بھلا کوئی طبیعت کی کہی جاتی ہے
نہ چھوڑو کسی عالم میں راستی کی پیسے
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جوان کے لئے
راست کشتیوں کے تلف آہ سے ڈرائی ہو
پیر پھر تا نہیں جبوقت نشان پر آیا

حصول دولت و اقبال و مال کی خاطر
 رہ راستی میں جہاد سے قدم
 جو بات سچ ہے وہ کہہ دے سراج خوف نہ کر
 مت مکر جو کہ بات سچی ہے
 سچ بولنا زمانہ میں جن کا شعار ہے
 ہندی مثل یہ ہے کہ نہیں آئیں سانچ کو
 ہے موجب رضا سے خدا راہ راستی
 ہے حسن راستی سے تو آراستہ اگر
 حق گوئی جس کو کہتے ہیں وہ حق کو ہے پسند
 بے آبرو ہے دونوں جہاں نہیں دروغ کو
 جس میں کہ راستی نہیں ویران سرسبز
 سچ ہے دروغ کو نہیں کوئین میں فروغ
 اپنا ظفر ہمیشہ سے شیوہ ہے راستی
 راستبازوں کو نہیں ہر میں پروا اس
 حق کہے جو گلشن عالم میں اس کی موت
 حق پسندی حق کو ہے از بس پسند
 پوچھتے کیا تم ہو حال راستی
 کچھ نہیں خوف و خطر اس شخص کو
 لائق نفرت رخ کذب و دروغ
 ظاہر و باطن ہو یکساں مستدام
 ستم قاتل گفتگوئے کذب ہے
 عاجز اس سے خوش خدائے ذوالجلال
 راست گوئی سے ملا درجہ مجھے الہام کا
 اسباب زور کا ہے زمانہ درینولا
 سچ مثل ہے رو پر دھوٹے کے سچا روکر
 اے قدر ایسا آدمی اپنے پسند ہے
 بات جو حق ہے وہ سن الحق مگر سے نہ ڈر
 مجروری کی رو نیکل سکتی نہیں
 منہ پہ کہہ دیتا ہوں۔ ہوں صاف منہ میں لیا
 سچ ہے بہت پائدار جھوٹ ہے ناپائدار
 سچ کہے جاؤنگا گولا کہہ برا مجھ کو کہیں
 خوف جاں بھی ہو تو کہہ دیتے ہیں میری بات سچ
 راستی پر اسی کو کم پایا

سرور ہے صدق و راستی اکیس کیمیا اخلاص
 ہے باقی تر اجب تک دم میں دم
 اگرچہ مذہب و ملت میں ہم ہے نہ ہے
 منہ سے مٹ کہہ جو بات سچی ہے
 سچ پوچھئے اگر تو وہی باوقار ہے
 کاذب کلام پاک سے درخور دنا ہے
 سعدی کے قول سے یہ سخن آشکار ہے
 تجھ سا نہیں جہاں میں کوئی وضعدار ہے
 ناحق پسند سفید ہے اتر ہے خوار ہے
 اور راست گو مثال دُرِ آبدار ہے
 جس دل میں راستی ہے وہی پرہیزگار ہے
 ہے روسیہ یہاں تو وہاں شرمسار ہے
 ہم تو کبھی پھٹکتے نہیں پاس جھوٹ کے
 دامن قوس کا پابند سرتیسر نہیں
 سرور پر قمری کو دیکھا دار پر منصور کو
 یاد رکھ اس بات کو اسے ہوشمند
 امن و ایمن ہے مال راستی
 جس کے دل میں ہو خیال راستی
 دید کے قابل جمال راستی
 اس کو کہتے ہیں کمال راستی
 قند و شکر قیل و قال راستی
 مرجہا جناہ و جلال راستی
 اٹھ گیا آگے سے میرے سب حجاب ابہام کا
 دنیا میں راستبازوں کی مطلق گز نہیں
 بات حق کہنے پہ کیا درجہ ہوا منصور کا
 جو دل میں کہہ دیا کچھ کہنا کیسا
 یہ ذرا تاثیر میں کر ڈوی دوا سے کم نہیں
 راستہ ہے راستی کے واسطے
 پاس بھی میرے نہیں بولے ریا آتی ہے
 جھوٹ سے وہ کامیاب دیکھئے کبتک ہے
 صاف کہنے میں جو ذلت ہو وہ ذلت اچھی
 بزدلوں کا اور دل ہے اور یہ دل اور
 جسکا کج فہم و کج اداس ہے دل

راز راستی
 ازل سے دشمنی قائم ہے با حق باطل میں
 جہاں رشوت و منہ بولتے ہیں دوست بھی دشمن
 کہ جو حق کی تو ہوتے ہیں دوست بھی دشمن
 غلو و جوڑی نہ ہوا ہر عہد میں ناز و نیاز
 منہ سے اڑاتے ہیں ہر عہد میں ناز و نیاز
 جو حق کہیں وہ منہ اوار و دار ہوگی
 منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی
 جو حق کہے ہے اس کا بیان ار پوچھتے ہیں
 راستی دنیا میں پیدا راستہ ہے میری
 کج روی چھوڑا میں کبھی کبھی چھتے ہیں
 شیوہ راستی جن کا کبھی کبھی سنیل ہے
 غرض کیا شایستگی اور کوئی کبھی ہرگز
 چون میں راستان کو کہیں سنبھل کر
 نکالے شایستگی و کینکوتہ چھتے ہیں
 چرخ کج سے کھینچا دار پر منصور کو
 صرف حق کہنے کا پیشہ ہے سچ و سچ و حق
 راستی نساخ کا پیشہ ہے سچ و سچ و حق
 شیریدھا تیرا ہے وقت حق آبی

سنگوں حق

راستی برضا

ماں استقبال مافی تپانف کیا کریں
 ہو گا وہ ہونا جو ہو گا تھا جو ہونا گیا
 تنگی سے دل تنگ ہو جاوے خوشد
 لے خوش وہ دل تنگ کہ راستی برضا ہو
 جو وہ کہ اس کے سزاوار ہے
 چون و چیر اکا نہیں پیدا رہے
 نہیں مسدوم کیا واجب ہے کیا نہیں
 اس مذہب میں تیری رضا نہیں
 سب جھوٹ ہے کوئی کیا کرے گا
 ہو گا وہی جو خدا کرے
 دنیا داری بھی عین دیندار ہے
 مرکز ہو کر خائے حق عز و جل
 جن کو غایت ازلی سے جوش داشت
 وہ مقتدر عالم کے قائل و داعی ہیں
 شاید کوئی لطیفہ بھی ہو آتشکار
 کیا ہے جو میں یک فیض خدا کے لئے
 کام اگر سب میں نہ ہوا
 تیرا چاہا ہوا برا نہ ہوا
 جس حال

راستی
 نہیں

سرنگون حق گوئد امت کبھی ہوتا نہیں
 راستبازوں کو نہیں ہم حوادث کا خطر
 راستی پیشہ ہے ان کا جو کہ یاں آزاد ہیں
 راستبازوں کو نہ ہو صدمہ بلائے دہر سے
 جو راست ہیں کجیاز سے رہتے ہیں بہت دور
 صاحب گفتار حق کیونکر نہ ہو مشہور خلق
 راست گو کی جان کے دپے ہے کج رفتار چرخ
 راست گو کی جان کے دپے ہے کج رفتار چرخ
 کج روی کو چھوڑنا لم راستی کر اختیار
 غیر حق آئی نہیں ہرگز زبان پر کوئی بات
 حکمت حق ہے طبائع کی کجی اور راستی
 جو سچی بات ہوئے نظم وہ پہلو نہیں کھتی
 پہلے اپنی بات کا پیدا تو کرے اعتبار
 کہیں ہزار میں حق ہم وہ تیغ عریاں ہیں
 راستبازوں ہی کو پسیا آسمان نے رات دن
 گردن باطل منصور اٹھے وار پیکر
 ہونہ جھوٹا تو کیا کرے سچا
 ہے مثل سانح کو نہیں ہے آخ
 بخدا اس کی ہستہ جھوٹی
 آگ جلتی ہوئی اگر ہو وقت آئے
 وہ صادق ہیں بولیں بھول کر بھی جھوٹ جو گا

دار پر بھی گردن منصور ایدل خم نہیں
 موردیم خزاں باغ میں شمشاد نہیں
 باغ دنیا میں نہ دیکھا سرد کو نہ ہار گج
 تیغ جو ہر دار میں مشکل ہے آنا زنگ کا
 رہتا ہی نہیں ربط کہیں تیر و کمان کا
 صرف حق باعث ہوا ہے شہرہ منصور کا
 صرف حق باعث ہوا ہے شہرہ منصور کا
 صرف حق کہہ کر ہوا منصور شایاں دار کا
 خوب دیکھا ہا رہے انجام الٹی راہ کا
 ہے یہی اس دار فانی میں نشان منصور کا
 گر کہاں پیدا نہ ہو کس طرح پھینکے تیر کو
 نظر آتا ہے یکساں ہوئے سیدھا یا گہرا لٹا
 پھر اگر جھوٹوں بھی کہد یگا یقین ہو جائیگا
 کسی کا منہ نہ کریں پاس آبرو نہ کریں
 والے قسمت جب پھری یہ آسیا الٹی پھری
 حق ہے یہ بات بڑے بول کا سرچھا ہے
 آگے جھوٹے کے رومے سچا
 پاک اگر ہے تو کیوں ڈرے سچا
 ہاتھ مصحف پہ گردھرے سچا
 ہو دورے تو ابھی پرے سچا
 انہیں ہر وقت میں پاس اپنے ہو قول موکد کا
 نساخ
 نسیم
 ناسخ
 نظم
 وقار
 ہوش

راستی برضا

یا مختار ہے جو چاہے کرے ہم نے امیر
 ہم نے اثر سنا ہے اہل رضا کو کہتے
 کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا
 خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
 جنت دے یا کہ دوزخ کچھ غم نہیں کہ مولا
 منزل مقصود کا جاوہ ہے تسلیم و رضا
 تم پھینک دو جہاں وہی باغ بہشت ہے
 چاہے جنت میں بھرے جائیں کہ دوزخ میں حضور

گردن عجز تیغ قصا رکھنی ہے
 اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش
 رہوں جو حق پہ مخالف کر گیا کیا میرا
 تو ذرہ ذرہ عالم ہے آشنا میرا
 راستی تری رضا میں خوش ہیں تری خمشی میں
 ڈمگایا پانوں رستہ میں تو پھر منزل کہاں
 خواہاں نہیں ہے بندہ تمہارے نعیم کا
 ہم بہر حال ہیں دم آپ کا بھرنیوالے دے
 امیر
 اثر
 اکبر
 آثم
 انجم

راضی رضا

نوع

تو جان

قدر

جانم

"

"

"

"

"

"

"

مطلب ہم کو عیش سے کیا غم ہے کیا غم
پیری خوشی سے کام ہے عالم سے کیا غم
مطلب ہم کو اس کی خوشی سے کیا غم
مطلب ہم کو اس کی خوشی سے کیا غم
کیا کام غم سے ہی غم ہے کیا غم
چاہے میں کیا چاہے میں کیا غم
راضی ہیں ہم اسی میں جو ہے رضا جاناں
راضی ہوئی مولیٰ از ہمدادی تیرا جارا نہیں
ہو عیش میں تو شاد عیش ہر رخ میں ناشاد
واقف نہیں ہم کہ کیا ہے بہت
خیز کہ تری رضا ہے غم دینا ہے
شادی عیش و یارخ و غم دینا ہے
لے تو دل کہول کے جو بھگو خدا دینا ہے
نہ کر تفرق صاف دوزخ دوا ہے
جو کچھ کچھ کو ساقی دے سوا دوا ہے
نہ غم پر ہے عیش و نشاط اچھا ہے
سبھی سادی ہے یا عیش و تقیر کا گھر ہے
دینا ہے دہی طیب حازق
بیا کر جو دوا ہے بہت
کس سے کہوں حال بد کہ وہ آپ
کچھ بچے بھی جانتا ہے بہت

تسلیم

لب تشنگان جا تسلیم ہم ہیں ساقی
جتنے ہیں کام تیرے سو پ خدا کو لے سوز
ستم کو اس کے مجھو ستم نہ کہنے کبھی
بے فائدہ ہے فکر حصول مرام کی
مد نظر ہے مجھ کو تو ہر دم تری خوشی
جو رضا پر نہ اس کی راضی ہو
رضا ہو جو اس کی ہمیں ہے برابر
درد و غم میں رہے خالق کی رضا پر راضی
نہیں خواہاں کہ حال مجھ کو جاہ و مال دے دو
سعید اندس باقی ہو س ہے
مجھے آباد کر برباد کر دونوں طرح خوشیوں
دورخ میں اسے ڈال یا جنت میں جگہ دے
رہو خموش نہ تدبیر کچھ کرواے سرور
تسلیم سے وفاق رضا سے ہے اتفاق
کب وہ ہوتا ہے جو بندہ کی رضا میں یا
اختیار اس کی ہی چاہے سو کرے وہ اے شہید
کم و زیادہ فلک سے نہ ہو تو چیں کجیں
بزرگ سروگزری اس چمن میں یک حالت پر
ہواک ذرا تو مر حقیقت سے آشنا
نیرنگیاں کہا میں فلک نے بہت دے
انسان کو لازم ہے کہ راضی برضا ہو
وہ جو ریاستم کرے یا رحم یا کرم
یا محنتا رہے جو چاہے کرے
جو خوشی اس نے دکھائی دیکھ لی
راضی ہیں عتاب کرم و دست پہ عاشق
جو تم عاشق رضینا بار رضا ہو
جو ہو ترک رہ تسلیم و رضا سے محفوظ
نہیں ہے کوئی دلا راز رضا سے واقف
شکوہ بخت ہے ہیج کر و تسلیم کی خو
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
ناکامیوں کا تجھ کو مناسب نہیں لگے
ہے رضا معبود کی منظور اگر
اے بے نیاز بخت سے یاد سے منرا مجھ

یا باوہ یا ہلال جو ہو سوا دوا ہے
تری تدبیر سے تقدیر بہت اچھی ہے
بغیر شفقت و لطف و کرم نہ کہنے کبھی
کچھ ہو رہے گا گردش لیل و نہار میں
مہر جاؤں میں بلا سے مجھے اس کا غم نہیں
ہاے وہ بندہ خدا ہی نہیں
کہ دوزخ میں ہم جائیں یا ہوں بہشتی
خلق کو دیکھہ کے خوش ہم کو نہ حسرت آئی
جو ہو غم جو جراتم ہو رضا مندی غلیت ہو
خدا خوش ہو یہی نعمت بڑی ہے
میں سچے دل سے قائل ہوں خدائی خدائی
تو حناق عالم پہ گنہگار ہے تیرا
طریقہ ہے ہی تقدیر آزمائی کا
نے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے نصیب کا
وہی ہوتا ہے جو مولا کی رضا نے چاہا
کیا بھلا میں اور کیا مقدور مجھ مجبور کا
ہلال و ارتو کر شکر جبہ سائی کا
نہ شادی ہمو شادی کی نہ غم تازیت تھام کا
اے بیوقوف شکوہ بیگانہ کیا ضرور
عاشق نے کب جواب رضینا دیا نہیں
بندہ وہ ہے جو تابع مرضی خدا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں کہ جو ہر رضا دے
رنج بیہودہ دلا کیا حاصل
جو مصیبت پیش آئی دیکھ لی
ہر حال میں لازم ہمیں شکرانہ ہے اس کا
خوشی پر ناز غم کا غم نہ کرنا
سہ بھی جائے تو رہے لغزش یا محفوظ
تو ہو اس واسطے تسلیم و رضا سے واقف
جو کہ پیشانی میں مسطور ہوا خوب ہوا
بے نیازی تری عادت ہی ہی
راضی رضا سے حق تعالیٰ پہ رہ دلا
چھوڑ مت دامن کبھی تسلیم کا
مالک ہے تو ہی میرے سپید و سیاہ کا

سودا
سوز
سخن
سعید
سفیر
سرور
شیفتہ
شہید
عاشق
غالب
فیض
نور

رزق

سر تسلیم خم رکھتا ہوں ہر دم
تیرے بندے میں گنہگار ہیں کر جو چاہے
جنت میں بھیج خواہ جہنم میں ڈال دے
راضی ہم اس میں ہیں کہ جو ہمیں خدا سے
غضب تیرے ڈرتا ہوں خدا کا تیرے خواہاں
جو کچھ وہ ہم پر حکم کرے سب قبول ہے
شاگرد ہیں تقدیر پر اپنی راضی اپنے نوشتہ پر
نہ کیا شکوہ قضا و قدر
مضطرب خوشی خوشی کی نہ کچھ رنج رنج کا
مجھ کو جنت جو ملے شکر کرونگا تیرا
بہشت و ریح ہی ہو کیسا اس سے ناخوش اس شاد
رزاق کو بس اس نے پہچانا ہے
دنداں دے جس نے نان بھی دیکھا لے مہر
ہو گا وہی مہر جو ہے منظور خدا
سب چھوڑ کے کام اپنے رضائے حق پر
میں کیا مرے کئے سے ہوتا ہے کیا
میں نے سب کام اپنے تجھ پر چھوڑے
ہے منکر عبت کہ کام کیونکر ہو گا
کام اپنا خدا کے حوالہ کر اے مہر
اچھا ہوتا ہے یا برا ہوتا ہے
مسک ہے مہر اپنا تسلیم و رضا
نہ ہم لطف تو کرتے ہیں نہ ہم جو روں ڈرتے ہیں
توکل اپنا مسک ہو رضا پر تیری شاکر ہیں
بے زری کا گلہ نہ کر غافل
گراسنے دیا غم تو اسی غم میں ہے خوش
افلاس میں دبار میں قبال میں خوش ہیں
طوفان نوح اس میں ہو یا شور شر ہو
غم و اندوہ و حسرت یا نشاط و شادی و فرحت
یا رب مری تسلیم کی عادت ہو جائے
غم ہونے ترے غم کے سوا اور کوئی
بن گیا میں ہمہ تن شیوہ عجز و تسلیم

ہوں راضی اس میں جو تیری رضا ہے
اتنا تو حشر میں کہہ نیگے خدا سے کچھ ہو
ہے اختیار تجھ کو سپید و سیاہ کا
ہم کو ہے وہ پسند جو اس کو پسند ہے
نہ میں بیزار و زرخ سی نہ میں شاق جنت کا
حق میں ہمارے نص ظلم و جہول ہے
نشتی حکم کا رخصا کا ہم کو ہے مرغوب لکھا
غم کو راحت کا پیشوا سمجھے
راضی ہوں جو مشیت پروردگار ہے
اور دوزخ میں بھی دم جا کے بھڑنگا تیرا
رضا و تسلیم اپنا مسک کیا چنانچہ نیاں جنیں ہے
بے فکر بھی فکر رزق سے وانا ہے
جو فکر کرے و محض دیوانہ ہے
پھر تم جو کرو فکر تو حاصل ہے کیا
بس صبر سے بیٹھے رہو راضی برضا
ہوتا ہے وہی جو چاہے تو رب عسلا
مختار ہے جو چاہے سو کر تیری رضا
حق چاہے گا جس طرح برا ہو گا
پھر دیکھ کہ بہت سے بھی بہتر ہو گا
ہم کو پر واہ نہیں کہ کیا ہونا ہے
ہو جائے گا جو مرد خدا ہونا ہے
ہمارا دین یہ تیری رضا پر صبر کرتے ہیں
جو چاہے جو کر یا لطف ہم تو صبر کرتے ہیں
رکھتے سلی کہ یوں مقدر تھا
جس طور رکھا اس نے اس عالم میں ہر خوش
پورے ہیں ہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
ہونا جو کچھ ہے ہو گا جو گزرا گزر گیا
وہی تسلیم ہے ہم کو تری جس میں خدا ٹھہرے
دل میں مرے جاگزین قناعت ہو جائے
جو رنج کہ درمیش ہو راحت ہو جائے
مجھ کو اندیشہ بے مہرئی جاناں نہ رہا

میکش
مفتی
مومن
مسکین
محب
مضطرب
مہر
میر
نظیر
نیم
نشاط
وہلی
دشت

میں رہیگا رزق تقدیر ہی ہے
کچھ سبب ہو جائے گا
رزق کی نیکی نہ ہو کر پے ابل زمین
ایک خوشہ ہے قضا و قدر میں
تلاش رزق میں نان کیوں کر
غنایت رزق کرتا ہے مشیت میں خراب
ہو جن ناہم میں فکر مشیت میں جھو
روز دنیا ہے خدا رزق کا میں ار
شاکی ہوں کس کی رزق کا میں ار
خیرین سے دانہ مور کے حق میں یاد ہے
رزق کی جو نیکی ہے اس پر رزاق ہوا
خود رزق کا ضامن خود وہ رزاق ہے
برابر رزق عالم کا ہے اس کے خزانے پر
نہیں لقمہ کھانے میں کمی بیشی انامل کی
رزاق ہے وہ سب کا دیا ہے سب کو رزق
کیونکہ رزق سب کا تادقت شام پہنچے
نہیں کہتی

رزق

بزرگ گویا گھر بیٹے روزی کچھ کو ملتی ہے
خدا بھرتیا ہے منہ دانہ رزق معین سے
ہر رنگ میں پائے تیں بندے خدا کے روزی
بے پیڑ تو پھر کیا رنگ نہی ہے تو پھر کیا
رزق مقسوم ہے لے گا اسے
کوئی دنیا میں دورے یا رینگے
روزی مل جائے مال و دولت بھی
راحت ہو نصیب ان شکوت نہی
خود بخود من سے اور کر گیا
جو مقدر کا مرے دانہ ہوا
کیا رحمت اس کی ہے کہ بزرگوں کو
اس پر بھی میرا رزق مقدر نہ کم ہوا
انسان رزق اپنے زین میں ہے
کس علم میں ہے کہ کس نہی کی طرح
فکر روزی کا وہ بلا ہے کہ انا مل کی طرح
تعمیق تک کہ نہ ہاتھ آیا پریشان رہے
کیا کیا فتنے ہیں مگر آدم اناج ہے
سچ کہتے ہیں مگر آسمان ہے سب
رزق بالائے آفتاب کے ساتھ
کیوں ہو چکر میں آفتاب کے ساتھ
رزق تین

نہیں کھتی ہے یہ فکر معیشت کس کو گردش میں
بہنریاں بھی فکر روزی سے یہاں رخ نہیں
مثل طفلی کے جوانی میں بھی بھوکے نہ ہے
طفل بیخبری سے کرتا ہوتا تلاش جوئے شیر
آسیا دار مجھے رزق بھی دیتا جو فلک
عدم سے آکے دنیا میں بجا فکر معیشت ہے
پانی کا جانور ہو کہ کیڑا ہو سنگ کا
اندیشہ مجھ کو سختی ایام سے نہیں
ہے محروم کیونکر نعمت رزاق سواناں
پرورش کرنا فقط رزاق عالم کا ہے کام
رزق ہر روز نئے ہاتھ سے ہاتھ ہو نصیب
رزق گردش سے کہیں ہوتا ہے دنیا میں حصول
بند کر لے دہن حرص صدف کی صورت
زبردستوں رزق افزوں یا ہزیر ہوتوں کو
تلاش رزق سے توام ہے عالم میں گنتاری
نگاہ غور سے دیکھو تو اس کی شان رزاقی
وہ آسیا کی طرح رزق بھی مجھے دیگا
آسیا کی طرح سے نالان ہو چکر گہوار
داغ گھایا کبھی لہ سے کبھی پھول سے زخم
گھر میں بیٹھے یا پھرے در در اسیر
رزق تقدیر اڑ کے پھینچے گا
سوائے رزق مقدر نہ ہو گا کچھ حاصل
ملتی ہے کیڑے کو روزی سنگ میں
قحط روزی کا زمانہ میں سارا رونا
اسیر اندیشہ روزی جو رکھتے ہیں نادان میں
خلاف وقت ملیگا نہ رزق تقدیری
بانتا ہے رزق سب کو رات دن دست کریم
مزرع سبز فلک سے کیا توقع رزق کی
کس سے مانگے کس کے آگے ہاتھ پھیلائے فقیر
وام تدبیر میں ہے دانہ رزق
بے ترود کہاں ملی روزی
فرہ فرہ ہے رزق کا بندہ
شکر خورے کو ملتی ہو شکر مشہور صادق ہے

کہ سنگ آسیا بھی سدا محتاج دانہ کا
ہے برائے شیر روزی کو دک بے شیر کا
شیر مادر کی طرح رزق مقدر اترتا
ورنہ ہر انگشت میں عالم ہے جوئے شیر کا
پہلے حسرت میں انگشت بدنداں ہوتا
مسافر کو تلاش آج ناہی تی ہے منزل پر
دیتا ہے رزق سب کو خدا تا بشام روز
رزاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں
ہمیشہ رزق پہونچاتا ہے وہ کیڑے کو پتھیر
کیا گدا کو دیگا حاتم حوصلہ پیدا کرے
خانہ پروردہ آرام سنگ منزل ہے
ایک غم شہ بھی نہ حاصل خرمن افلاک ہے
آپ پہونچا یگا رزاق مجھے دانہ پانی
کہ مملو نعمتوں سے خوانے سر پوش خالی ہے
کبھی اس زمین میں نہ بیدام ملتا ہے
کہ سب کو رزق تھوڑا یا بہت تا شام ملتا
عطا کیا ہے دہن جس نے بے سوال مجھے
پر رہے گا منہ میری قسمت کا دانہ دور ہے
لے گیا بخت جہاں رزق مقدر پایا
ہر طرح رزق مقدر مل گیا
اے حریصو ہے اضطراب غبت
حریص جان نہ دیں مفت دانے انے پر
ہے غبت رزق مقدر کی تلاش
شیر وایہ جو پیا طفل نے خاموش ہوا
کہ ضامن ہے خدا رزق اعالیٰ ادانی کا
کر گیا لا کہہ کوئی اضطراب کیا ہو گا
دیکھ لو عالم میں گویا ہاتھ ہے کفگیر کا
ایک بھی دانہ نہیں خرمن مہتاب میں
رزق بے منت کے لائق آسیا بھی مین تھا
دست کوشش میں ہے خزانہ رزق
بحث مقسوم ہے فسانہ رزق
ہے یہ دیتا طلسم خانہ رزق
ملا ہے ہنس کو گوہر بھگتا پھرتا کو اسے
اشک آزاد
صخر

رزق ملتا ہے جن کو شکم مادر میں
 آدمی پتھر کے کپڑے سے توکل سیکھ لے
 بیجا ہے سعی۔ رزق ہمارا جو ہے سو ہے
 فریب رزق میں نہ بھی ہو تو منہ کی کہا تا ہے
 فکر روزی میں یہ ناقدری ہے عالی طرف کی
 گردش میں میرا رزق بھی ہے میری طرح بحر
 یہاں سیلہ روزی فقط ہے یا خدا
 رزق دینا ہو تو گھر بیٹھے ہی دے لے رزاق
 میں پس گیا نگاہ حقارت سے بہر رزق
 عدم سے جانب ہستی جو میں روانہ ہوا
 کیا ہلاک مجھے میری فکر روزی نے
 کوڑی کوڑی پہ رہا دانت تلاش نہ میں
 رزق پہونچا بیگا رزاق کہیں ب بیٹھ رہیں
 جز خدا کوئی نہیں اس بزم میں روزی سا
 صاحب ہنر کو آج کوئی پوچھتا نہیں
 حیلہ جہاں میں کچھ پئے روزی ضرور ہے
 خدا ہی جانے بجز احباب کی کیونکر گذرتی ہے
 چوم کے پائے آسیاد ہونڈھ وسیلہ رزق کا
 گردش میں رزق کے لئے ہیں مثل آسیا
 گردش میں کس طرح نہ رہوں قوت کے لئے
 اپنے رزاق کی جو رزاقی کا آیا مجھ کو دھیان
 بھرتا ہے خاک رزق سے رزاق وہاں گور
 رزق کی فکر عبث عالم ہستی میں ہو برق
 معین ہے ہمارا رزق ازل سے
 منعم تو مالدار سہی تجھ سے کیا عنرم
 رزق بے کوشش نہیں ملتا کسی کو دہریں
 کوشش سے بلے صورت روزی محال ہے
 غنا ہے رزق بیٹیوں تجل جو تم کہو
 رزاق رزق وقت پہونچا بیگا ضرور
 ہوگئی توفیق اک آفت مصیبت رزق کی
 تنگی رزق کا توفیق نہ پوچھو عالم
 فکر روزی کی نہ کر ہرگز ترا ب
 خدا رزاق ہے کیوں در بدر پھرے پئے دنیا

مطلبن روز کی قسمت سے بشر ہو کہ نہ ہو
 کیوں کسی سے ملتی ہو جب رزاق ہو
 جو بھر گھٹے نہیں کبھی تل بھر بڑے نہیں
 کہ باغ سبز ہے ہر آدمی کو کھیت گیہوں کا
 سب کی نظروں میں جو چینی تھا سفالی ہو گیا
 آیا یہاں وہاں سے جہاں وہاں گیتا
 کہ پہنچا رہ کو کوئی ہنس نہیں آتا
 کہ گوارہ نہیں در یوزہ گری کا ٹکڑا
 پتی کا خال دانہ مجھے آسیا ہوا
 تگرگ وار مرے ساتھ آب و دانہ ہوا
 برنگ ترالہ عدو میرا آب و دانہ ہوا
 ہڈیاں ہم نے چپائیں سگ دنیا ہو کر
 باندھ کر صورت دست آس شکم پر پتھر
 سمجھے اپنے آنسوؤں کو اپنا آب و دانہ شمع
 یارب تلاش رزق کرے بے ہنر کہاں
 عطار کی دوکان ہے خزانہ طبیب کا
 کلید قفل گم ہے خانہ روزی مقفل ہے
 شکوہ زباں پر نہ لا گردش روزگار کا
 بیٹھا ہے کون گھر میں زمانہ سفر کا ہے
 دانہ مرے نصیب کا ہے آسیا کے پاس
 ذرہ ذرہ سامنے آنکھوں کے دانہ ہو گیا
 واقف ہے اس مزہ سولب بے زبان گور
 دیگا صیاد ازل دام میں دانہ مجھ کو
 ترے مہنوں نہیں لے آسمان ہم
 پروردگار پالنے والا ترا مرا
 آسیا ہے سیر فاقہ کش دہن تصویر کا
 تسلیم لاکھ طور سے تو لفظ نان پلٹ
 بہر تلاش ٹھوکریں کھاؤں کہاں کہاں
 فکر خدا نہ صبح کو کر شام کے لئے
 روئے ہم گردشوں میں سیا کو دیکھ کر
 کہ غم رزق بھی کھانے کو برا بر نہ ملا
 رزق کا ضامن تو ہے رزاق مرا
 وہ روزی ہم کو دیتا ہے جوں سنگا سیا بیٹھے

رزق

رزق کو رزاق نے قسمت میں ہر سب کی کہا
 پرہیز ہاتھ آلیگا جہاں خواہ ہو
 اپنے وقت میں اس کی شان نہ اٹھی ہے
 دید با حلقہ وہاں حلقہ بنو نہیں گیا
 روٹی پانی گھر سے بیٹھے آئے کوئی گیا
 بیٹھا خلوت میں جو زانو سے توکل تو کر
 رزق گھر بیٹھے وہی دیگا بقدر احتیاج
 رزق کے آنکھ کے پردہ میں جس تل دیا
 وہ دانا ہے رزاق روزی نہیں
 اٹھاتا ہے بھوکا سلا تا ہے
 پکڑوں کوس سے رزاق ہر ایک کے لئے
 پکھا دیتا ہے رزاق سمجھنا آپ کو مغرور کا
 ہے غلط رازق سمجھنا آپ کو مغرور کا
 ہو گیا جسم سلیمان ہمارا اپنے نیکیا
 رزق قسمت آپ میں ہمارا اپنے ہوائ
 دی نہ پتھر تکلیف لے جس کی کہیں ہوائ
 کوئی رزاقی ہو رزاق کی جو ہو رزق ملتا ہے
 کوئی رزاقی ہو رزاق کی جو ہو رزق ملتا ہے
 رزق صبح وہ رزاق کہ رزاق کہ
 شرمک نہیں ہوئی نہاری موقوف
 رزق دیتا ہے

ترب

ترب

ترب

ترب

ترب

ترب

ترب

ترب

ترب

رزق

جو میں مغرور اور بیدست پادشاهی
انہیں دیتا ہے روزی خالق جن و شرعیہ
رزاق کا فکر کوئی کہا تک ادا کرے
دروازہ ایک بند ہوا چار دروازے
ہر جانے رزق دیتا ہے وہ ہر فرد کو
انسان جان اپنی بہت پیاری ہو سکتی
کرتے ہیں خدا جان کو بھی نان باعث
رزق دیتا ہے جہاں کی حاجت نہیں
وصف تیرا اگر بیاں کیجے بیان نہیں
ملے ملے رزق ہو گھر بیٹھے جب تقدیر میں
آسائے کیوں کریں حق ضیاء ربانیت کی
خوشامیوں کرنے والے ہیں ممکن ہے
وہ رزق رزق دینے والا ہے ہم کو کھانے پر
مقدر سے زیادہ ہم سے اہم التجا کریں
نہاں ہے رزق آسمان پر اپنے نصیب کا
روزانہ رزق سے ہر انسان کو فکر نہیں
چوتھا ہے طفل انگوٹھے کو خیال نہیں

رزق دیتا ہے بے طلب رازق
فقروفاقہ کی نہ سختی سے ہو مضطر انسان
رازق فلک سے بھیجتا ہے رزق خلق کا
باعث کرتے غربت ہیں یہی دانہ و آب
اس آب و دانہ نے مجھے ورور بھلا لیا
در غلطاں کی طرح عالم میں
جس طرح گردوں کو قوس مہر و ملتاز روز
تھا جو اک پتھر میں کیڑا تھی کسے اسکی خبر
عبث فکر روزی میں غلطاں ہو جا مد
رزق اپنا غیر کو مے آپ سرگرداں ہے
آدمی کو رزق کی خواہش بہت تھی ہر رخ
کرتا ہے پرورش وہ سب کی
خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
دیتا ہے خدا خلیل سب کو
رزق کے واسطے نہ دوڑ خلیل
شا کر قسمت کو ہے خوشدل غم روزی عیش
رزاق نے کیا تجھے پیدا جہاں میں بعد
رزق خود اڑ کے پہنچتا ہے جو تقدیر کا ہو
جنگل میں بھی پہنچتا ہے حصہ نصیب کا
کس کا سبب سبب لا سباب اور ہے
ہمارے حصہ کا ملتا ہے ہم کو گھر بیٹھے
اس کے دینے کے ہیں ہزاروں ہاتھ
جہاں گیا مرا حصہ مجھے وہاں پہنچا
بجائے دیتا ہے پتھر کے کیڑے کو بھی غذا
خوان نعمت پہ ذرا دیکھہ کس کا رتبہ
کئے تلاش میں ہم سے اور نے دنیا کی فکر
رزق دیگا آدمی کو کیا نہ وہ روزی رسا
رزق کا ضامن خدا شاہ کلام اللہ ہے
عطاے رزق سے رازق جو تو غافل نہیں رہتا
نعمتیں پاکے ترے خوان کرم سے رزاق
خدا رزق جو کھا ہے خیر نساں کی قسمت میں
کہاں کہاں ہیں لایا ہے آب و دانہ شفق
جو ہے رزاق عالم سب کو روزی بھیجنے والا

ہر کسی سے سوال ناں نہ رہے
رزق پتھر کے بھی کیڑے کو خدا دیتا ہے
ہر روز گرم چرخ کا ہوتا تنور ہے
آب و دانہ کے سبب سیپے گوہر نکلا
پانی کہیں ملا ہے تو نان نہیں کہیں
میرے ہمراہ آب و دانہ رہا
بھیجتا ہے غیب سے میرا خدا میرے لیے
لے تری قدرت وہاں روزی رساں ہی تھا
وہ رازق ہے جس نے کہ پیدا کیا ہے
آدمی ہمت مثال آسپا پیدا کرے
طفل بے دایہ کی شب کتنی ہے چلا تے ہو
لولا سنگڑا گرا پڑا ہو
خیال رزق ہے رزاق کا خیال نہیں
ہے عرش پر رزق آدمی کا
بیٹھ رہنے سے کیا نہیں ملتا
رزق دنیا میں بشر سے پیشتر پیدا ہوا
موجود پہلے رزق ترا شیر سے ہوا
پردے میں مرے رزاق نے ہر داکو
شکر کو روز فکر رسد کیا ضرور ہے
تشویش و فکر و کوشش دشوار کیا ضرور
کسی کا رزق ہو منعم کے خوان پر موقوف
وہی دیتا ہے کوئی کیا دے گا
اٹھا کے خوان کرم سر پہ آسماں پہنچا
یہاں ملا جو ہمیں اس کو کبھی وہاں پہنچا
ہوس رزق بھی ذلت کا سبب ہوتی ہے
اس کی رزاقی ہے ملے ہے کہیں کام کے
جس نے اپنے فضل سے بخشی ہے اسکو زندگی
تیسرا اپنی صورتوں سے زور حاجتمندیں
قلق مور و کس کو بھی نہیں بیدست دپائی کا
اپنے گھر چوٹی بھی بیٹھی ہے سلیمان کر
اسی کو ڈھونڈنے والے بھی خزن نکلتے ہیں
ہوئے وطن سے جدا روزگار کے باعث
تو گھر گھر کے بھٹکنے سے تو بہتر ہو مکان پنا

<p>ہر چیز کا ہے رزق معین جہاں تو ہر اک اسفل داعی کا ہے رزاق کریم آسیا کہتی ہے ہر بار باواز بلند تلاش رزق مت کر پائے بند کج عزت ہو غیب رزاق مطلق سب کو پہنچاتا ہر رزق میرے رزاق نے بھوکا نہ کسی جا رکھا محض بیجا ہے فدا فکر معاش ہرگز نہیں ہر مجھ کو تو دمعاش کا کیا ترود ہے جو خارج ہے عد و روزی کا جال سے رزق جو ہاتھ آئے بھی جہاں ہو رزاق عطا کرتا ہے گناہ کو بھی رزق دشمن کو بھی تو قسمت روزی میں نہ بھولا کہاں دیکھیں لیجاتا ہے آب و دانہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے غیر حساب تلاش رزق میں اتنا ترود پہنچا یگا مجھے کسی صورت رزق وہ قسمت کا کیا گلہ ہے کہ رزاق جن وانس فکر روزی میں پھوڑتے ہیں سر تلاش رزق نہ بھٹکائے آدمی کو اگر انسان کو ہے رزق فقرانہ سے قیام مصطفیٰ اوقات کا اپنی تو ہرگز غم نہ کھا پتھر کے کیڑے کو بھی دیتا ہے رزق رازق اپنے بندے سے بے خبر نہیں وہ با ایں ہمہ وسعت بھی ہے کیا خوان فلک تنگ بھولا تلاش رزق میں رازق کی بھی یاد وہ رازق ہے رزق بے شبہ دیگا اندوں کو فکر رزق مزید نہ چاہئے ہم نے تو کی نہ ایک دن بھی تلاش یک در بند ہو تو سیکڑوں کھل جاتے ہیں دور رزق اڑ کے آتا ہے ثلثی نہیں جل دمنہ میں رزق اڑ کے پہنچتا ہے صبح دم ہر ناں در در پھرایا حیف ہے ہی ہے بطن مادر میں ہمارا پالنے والا</p>	<p>ہوتا ہے ایک ن ترن انسان غذا مو استخوان سگ کو پہنچتا ہے ہمارے پہلے رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کے قفس میں سے طائر کو ملتا آب و دانہ ہے فکر کوشش ہی عبت ملتا ہے سب تقدیر سے روز نعمت سے بھرا خوان کرہ ساتھ رہا رزاق اپنا ہے ایزد منع م پروردگار رزق کا میرے کفیل ہے چھین سکتا ہے کوئی باؤلے روٹی تیری جانور ہے کرے دانہ جوتہ دام پسند روزی وہی پہنچاتا ہے غنقا کو ہوا پر فرعون نہ ہا مان نہ نشد اد فراموش یہ دونوں فرشتے کہاں کھینچتے ہیں بس تری ذات کا رہتا ہے سہارا ہم کو اے جو گھر میں ہے باہر وہی ہے رزاق نام ہے مرے پروردگار کا اے ناپاس رازا زل خود قیام ہوتا ٹھکڑے کھاتے ہیں پھوٹی قسمت کے مزے سے زیست گذر جائے ایسی راہ ملے معجون آب و گل نہ جو عمر بھر رہے جس طرح گزری ہی باقی بھی بسر ہو جائیگی ہوتا ہے سبز تپا اک اُس کے بھی دہن میں بطن مادر میں بھی خبر لی ہے آسودہ نہ اس کا کوئی مہاں نظر آیا تھرکم پرست ہے کیونکر خدا پرست کھلائے گا وہ جس کا تو میہماں ہے کھلتے ہیں در ہزار جو بند ایک در ہوا روزی روز عمر بھر پہنچتی لاکھوں حیلے ہیں ہاں رزق کے پہنچانے کے حیلے ہیں رزق کے تو بہانے قضا کے ہیں نقصان کیا اگر نہ ہوئے آسیا کے ہاتھ مجھ کو صانع نے سگ دنیا کیا تو ہی حامی ہے اور رزاق مرغ آشیانی کا</p>	<p>رزق چیں نے جان دی ہے ناں دیگا دیا ہے جس نے سر سامان دیگا مشقت سے وہ نے پایا ہے مشقت بہر صورت بہر عنوان دے گا بے عبت یہ ترود و تشویش پہنچے وقت پر جو ہے مقصود چیکے رزق پہنچے گا میں ہوا قافل نصیب سب سے رزاق مطلق اور ہے اے کیا غرض ہے عیلہ جو ہے کیا غرض اسکے سوجھ بوجھ روزی موتی برسا دینا منہ ہے تو کیا فکر کو اربابان کج دیکھ منہ کھولے صدف کو اربابان کج وہ رزق دیتا ہے گھر پہنچا بیابان خیال صبح نہیں بچھو بھی دیگا وہ جس دنیا ہے صبح کو شکر بھی دے گا نادان فکر کرتے ہیں جوش ام کے فتنت کا لکھا چھوے رہے منہ کا نوالا شا کر ہے بس رزق مندر پہنچا طلبہ بندہ کو اپنے سب کچھ دیتا ہے طلبہ درگاہ کبریا میں مانگے کوئی دعا کیا فی الشکر و الحمد</p>
---	---	---

رنج و غم
 رزق و رزق سے ساتھ اپنے ہوا غم پیدا
 لالہ ساں رنج اٹھانے کو تھے ہم پیدا
 آتش میں رنج سارے اس زندگی کے بوجھ سے
 رزق کو کیا خبر گل دین کے بوجھ سے
 حالت غم کو نہ بھولا جائے شبنم کیجئے
 غم نہ گل دیکھ کر یاد آئے شبنم کیجئے
 رنج بیاں جنکو ہے شبنم کیجئے
 لے خوش حال جو دنیا سے خطا جاتے ہیں
 روز ازل سے یہی کی طرح ہمراہ
 رنج و اندوہ و ملال اپنے یہ ہزاروں سب
 طلب آرام کی پہلے ہے گرفتاری میں
 کب بھلا خانہ زنجیر میں جھپٹتی ہے
 زنجیر میں بھی پین کی صورت میں ہے
 آسودگان خاک کی مٹی خراب ہے
 شادی بے محل سے بھی بوتا ہے عید کا
 طفل جیب کو بوتا ہے شوق میں
 اندوہ کھینچے منزل کے شوق میں
 سختی راہ میں اندوہ اٹھانے
 آرام کی تلاش میں اس طرح غم
 رنج و غم و ملال نہ ہوں کس طرح غم
 دیکھ دو میں شریک اسیر کے ہیں
 تباہ زینت

فی السماء رزقکم آیا ہے جب قرآن میں
 خوار رکھتی ہے تلاش رزق میں اپنی تیز
 پیشتر سر سے یہاں ہوتے ہیں سااں پیدا
 رزق کا کیا غم کہ ہوتا ہے تولد بعد غفل
 ملیکا رزق تقدیری کروں تدبیر کیا ناسخ
 بہر روزی ہے عبت گردش جوان و پیری کی
 رزق کھا کر غیر کی قسمت کا زبور غفل
 کس کی یتا نہیں خبر رزاق
 قوس خور کو دیکھ کر تسکین کہ لے مہمان سب
 جہنگ رہا جہاں میں ہی رزق کی تلاش
 جہد لے پروہ جہاں چاہو تم کو پئے رزق
 پایا کبھی نہ رزق مقدر سے بھی سوا
 جو رزق مقدر ہے پہنچتا ہے وہ سب کو
 منہ جس نے دیا وہ رزق دے گا
 قسمت کا جو لکھا ہے وہ گھر بیٹھے آئیگا
 بشر رہتے ہیں سرگرداں پئے رزق
 مثل انا رزق کی کرتا ہونا داں بھی تلاش
 پہلے منہ کھلنے سے پہنچاتا ہے رزق

کیوں ہو پھر فکر معیشت ہم کو اسے پروردگار
 ورنہ ہر انگشت ہی پتاں ہی طفل شیر کو
 کھانے کے وقت سے پہلے ہو دنداں پیدا
 پہلے بھرتا ہے خدا پستان مادر شیر سے
 وہ ہے ہرزہ ارادہ جو کر کھیل حاصل کا
 کس نے طفلی میں بھلا تدبیر کی تھی شیر کی
 تو نے دیکھا حلق تک جا کر غذا الٹی پھری
 آدمی ناصبور ہوتا ہے
 تا وہاں شام پہنچتا ہے رزاق نان سب
 گردش میں رات دن صفت آسار ہا
 طفل بھی شیر نہ بے رکھوے پائیگا
 ثابت ہوا یہ ہم کو کہ بیکار کی تلاش
 ممنوں ہے جہاں صاحب حسان نہیں ہا
 گویا یہ دہان آسیا ہے
 چکی کی طرح دے تو کوئی فکر داجھوڑ
 ملے ہیں ان کو کیا بخت آسیا کے
 طفل انگوٹھا منہ میں کبیشیر یاد خشک ہو
 وہ مرا مولا بڑا رزاق ہے

رنج و غم

کثرت اندوہ میں سچ ہو کٹ جاتی ہے سمر
 تھوڑی بلا بہت ہو کم حوصلہ کے حق میں
 غم یہاں کا وہاں ہے عیش اسیر
 جو ہوا شاہ مصیبت میں گرفتار ہوا
 اماں چاہے اگر غم سے حواس نوری پشیاں کر
 مدت سے زندگی کا مزہ غم نے کھو دیا
 غم سے چالیس برس حضرت آدم روئے
 چار اخلاط ہیں ندوہ غم و رنج و الم
 خوشی ہوئی جو کبھی سامنا ہوا غم کا
 غم ہے اس بحر میں کیا بے سرو سامانی کا
 کر دیا جوش الم نے مجھے نزدیک فنا

پیچ ہو جس میں وہ رشتہ مختصر کیونکر نہ ہو
 گرہ ہے شیر شرزہ کنجشک کی نظر میں
 غم کریں وہ جو غم نہیں رکھتے
 سایہ بال ہما آفت بالائی ہے
 کہ دہشت برق کی ہے جہلک خرمن فراہم ہے
 یکم صبر رہ گیا تھا سوا ب ہم نے کھو دیا
 سچ تو ہے چاک نہ ہو سینہ گندم کیونکر
 خون بلغم ہے مرے تن میں نہ صفر اسودا
 شکست رنگ نے چہرہ مرا بحال کیا
 نا خدا خود ہے خدا کشتی طوفانی کا
 زندگی مثل جاباب ایک نفس باقی ہے

رنج و غم
 رنج و غم سے کتنی باتیں بھی
 ایک دل اور اتنے غم چاہئے گھر والے
 کثرت غم سے رشتہ بڑھتا ہے
 عیش و عشرت سے کیا سوسے
 آرام کے بجائے بھی کیا سوسے
 ایسے بیمار طالع پیدا سوسے
 اس واسطے ہو کر اپنے واسطے
 آج اس کوئی شادی بھی
 دیکھ کر رنج کوئی شادی بھی
 کتنی غم نہ گزرا اب سے ابھی
 کبھی دیکھا الم کا نہ کتا راز
 کیوں دین تو نے قاتل ام واسطے
 رنج لاکھوں ایک جیام جو
 غم نے ہے شہر و در و در و در
 جان نہیں ہے شہر و در و در
 رنج و اندوہ و ملال و در و در
 صدے ہیں یہ آدمی کے واسطے
 لے لاکھ لاکھ نے دے دے چھو چار داغ
 چھاتی مری سرا کہ اکٹ ل ہزار داغ
 رنج سے کوئی گھر خالی نہیں
 دل کو حاصل مانع البالی نہیں
 فیکر

دراغ

=

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

دراغ

مرکز بھی چلے سوختہ قسمت تہ گردوں
 پس فنا بھی عذاب فشار ہوتا ہے
 اب تو اسے تسلیم ہیں پامال ہر خواہ روئیل
 نیند م بھی ہم کو جینا چین سے دشوا ہے
 انتہائے غم سے کیا تسلیم حال دل کہیں
 خوگر تکلیف کو تکلیف سے آتی ہے نیند
 سخت جاں ہوں سختی ایام میں کٹی ہے عمر
 شہرت روز قیامت سنکے ہوتا ہے یقین
 کیا خاک چھٹے کشمکش و ہر سے مرکز
 پر خون جگر گل ہے تو نالاں لب لب
 غم کدہ دہرا دل بھی آخر بھی ہے رنج
 نہ پوچھ صد جو ہے ہمسفر سفر کے ہیں
 آکے ہستی میں علم سے طغسل روتا ہے ضرور
 کچھ نہ بچتا اس ہوائے دہر جز یا غم
 فکر معاش و ہشت روز شمار ہے
 ہم وہ مغموم ہیں اس درد و محن میں یل
 کتنی نہیں یوں رنج و مصیبت کا زمانہ
 کچھ نہ آیا نظر اس باغ جہاں میں ہم کو
 انتہا غم کی نہ پائی ہم نے ورنہ وہیں
 ایدل کسی کو عیش کوئی عیش کے لئے
 ہو گیا ہوں وقف غم اب مجھ میں باقی کیا رہا
 رات دن اس کے تردد میں سرگرداں شہر
 ہم سے حلیل فکر سخن خاک ہو سکے
 پڑتا ہے جس غریب پر رنج و محن کا بار
 چین سے بیٹھے نہ کجا کبھی ہم خانہ خراب
 خانہ دل کو نہ پایا کبھی اپنے خالی
 غم دنیا میں ہزار و ترقی کروں غم حشر
 وہ دل کو نسا ہے جو بے غم نہیں
 ابتدا کی تو اذیت کا نہیں اندیشہ
 مشفق و دوست کی حشر ہی رہی میں ام
 رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
 گردش ہی مکاں میں بھی قبلہ نما کی طرح
 بہت مشکل ہے چھٹنا بحر غم کا ساتھ اس لئے

اب تک وہی دن وہی سایہ وہی دھوپ
 زمین گور بھی پیسے گی آسماں کی طرح
 کیا کریں ہم اعتبار خاندانی پر گھنڈ
 شاد و خرم لوگ دنیا میں ہیں کیوں کر سیکڑوں
 زندگی کو ہم ہیں و دہر زندگی و دہر ہمیں
 خشت بایں مجھ کو بالمش با پر سے کم نہیں
 جو ہر شیر کی صورت دل آہن میں ہے
 چین سے سونے نہ دیکھا شور محشر خاک میں
 محشر کے ابھی سیکڑوں صدے ہیں اٹھانے
 کوئی چین و ہر میں دشا نہیں ہے
 آئے تھے روتے ہو جاتے ہیں بخور چلے
 چھبے جو پانوں میں کاٹو وہ بال سر کہیں
 کچھ تو ایذا ہے مسافر کو سمنزل نصیب
 رنج و حسرت ہی گرا دم کی آج کل میں ہے
 آرام ہے یہاں نہ تسلی وہاں مجھے
 گر خوشی چاہیں گے افلاک سے غم دیکھینگے
 دن عیش کے جس طرح گزر جاتے ہیں حقیقت
 ہاں جو دیکھا بھی اک داغ عزیزان کچھا
 کونسی شے ہے کہ جسکی حد نہیں پایاں نہیں
 تو واسطے الم کے الم میرے واسطے
 وہ ارادہ اب کہاں ہوصلہ جاتا رہا
 برق غم سیل حادث سی سوار بخور ہے
 غم نے دل و دماغ کو بیکار کر دیا
 کرنا ہے اس کو صبر عطا آپ کرو گار
 اپنا مسکن کبھی صحرا کبھی کہتا رہا
 غم رہا رنج رہا اک نہ اک آزار ہا
 جان واحد پہ ہیں حیرت ترے کھٹکے لاکھوں
 وہ آنکھیں کہاں ہیں جو پر غم نہیں
 ہاں وہ تکلیف ہے ہوتی ہی جو آرام کے بعد
 جز غم و درد ہمارا کوئی خواہاں نہ ہوا
 زندگی موت ہے حیات نہیں
 رنج سفر وطن میں بھی تقدیر سے ہوا
 جدا ہوتا نہیں دریا کبھی آغوش ساحل سے

تسلیم
 تحمل
 جرات
 جوش
 جویا
 جلیل
 چکیت
 حیرت
 حالی
 خلیل
 خیال

نہی

غمِ دل سے سو پائیاں غمِ دل سے پائیاں
 چال ہے دول ہے زمانے کی
 گمراہی سے دونوں پاں عیدِ محرم کی
 پیچھے میں دن جینے کے ہیں پیچھے جی ہمارے
 آہِ بختِ دزد و شب کی سا تھا اندوہ ٹھہری ہے
 رونے لگتے رہا کرتے ہیں غم کے پوئلکھ
 تین دن گور میں بھی بیماری ہیں
 بیتی آسودگی نہیں نہ خاک
 دیکھا نام نہ خانہ عالم کو ہم نامندار
 رگِ پیرِ جی میں یوں آید رادم
 رگِ پیرِ جی میں یوں آید رادم
 دن گذرتا ہے غم میں کہ نہ آدرا
 رات جاتی ہے بندہ آزار
 غمِ موت سے بندہ آزار
 خدا ہے کو کیا غم ہے دل شاوہ
 محفوظ خزان ہے جگر میں نہیں مانع
 دگر ہے کہاں ہے کلستین ہر دم
 اٹھانی میں ہوں نیا کی کلستین ہر دم
 اتر وشی کا ہو کیا اس دل کدیر
 چمن دہریں مٹا نہیں ہے رخِ کونیر
 گل بھی رکھتے ہیں نہاں نوں سحرِ کونیر
 غم

قید حیات و بند غم اصل میں نول یک ہیں
 یا الہی نہ رہے کوئی ہمیشہ غم میں
 دس دن محرم اور اک دن جہاں میں عید
 ہر وقت سورج مری جہاں کو موجود
 مزہ اس تلخکامی میں ہے میرے نانِ حلو کا
 ہرگز نہ اسے فدا میں کسی کام کا رہا
 آسیدہ سر کچھ ایسا ہیں یا جہاں میں
 ہے خام فدا جو تو ہے دلگیر
 ایامِ زہد گانی کا غصہ شریک ہے
 جسدن سے میں ہوش سنبھالا ہے خلق میں
 گویا نشا و سچی دلا ہے ہمہ عالم حنائی
 جو رخ تھا وطن میں وہی رخ ہے ہنوز
 گھیرے مجھے رہتے ہیں غم و رخ ہمیشہ
 رخ گر ہو تو تیرا راحت ہو
 مری راتیں ہیں رخ و آلام کی
 ہم کو ازل سے آج تک غم رہا نصیب
 ہم سا کوئی جہاں میں نہیں ہے الم نصیب
 خارِ رخ و غم و اندوہ گلِ حسرت و یاس
 غم جو تقسیم ازل میں ہوا سب مجھ کو ملا
 پیدا ہوا ہوں کیا میں الہی برائے رخ
 وہ خفتہ بخت ہوں کہ نہ جاگے کبھی نصیب
 وہ کونسی بہار ہے جس کو خسراں نہیں
 رہتے ہیں میرے دل پر اکشر ہزار سودا
 کہتے ہیں خوشدلی ہے جہاں میں پس غلط
 میرے دل میں عوض عیش بھری ہے حسرت
 جب سے کھلی ہے آنکھ نہ دیکھا سوائے رخ
 ریاض و ہریں ہے بعد رخِ راحت بھی
 تاناہ پہنچے رخ یاں راحت نہیں تھی نصیب
 موردِ رخ و بلا دنیا میں بار مراد
 درو غم - اندوہ کس کس کا گزرتا نہیں
 پاس اپنے کچھ نہیں ایدل معاش
 گزر کے جہاں میں خوشی سے تمام روز
 اندوہ و غم سے اکثر رہتا ہوں میں مگر

موت پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
 ہو مصیبت میں کسی کی نہ بسر روز کی روز
 کم دن خوشی کے اور بہت دن محن کے ہیں
 پایاں نہیں دنیا میں مرے درو محن کا
 نہیں ہے سوز غم مجھ کو من و سلو کی گم تیرا
 دسمس ہوا مقدمہ مجھ واد خواہ کا
 ملک عدم میں سب مرا آرام رہ گیا
 کرتے نہیں بخت کا رافسوس
 شامل ہے رخ حال پریشان عمر میں
 جز رخ روئے عیش نہ دیکھا نہ کبھی
 غم سے پایا کسی انسان کو بہت کم خالی
 ماتم کہہ مگر میرے سب تیج ہے
 یہ مجمع احباب کبھی کم نہیں ہوتا
 لطف کیا عیش جسا و دانی کا
 مرے دن ہیں فکر و مصیبت کے دن
 راحت کے نام سے بھی نہیں آشنا نصیب
 آئی کبھی خوشی نہ دل غم سرشت میں
 چمن و ہر سے ہم لیکے یہ سوغات چلے
 اور کے واسطے حصہ مرا کم کیا کرتے
 راحت کے نام سے نہیں اقف سوائے رخ
 دیکھا نہ خواب عیش بھی ہم نے سوائے رخ
 کس باغ عیش میں نہیں چلتی ہوائے رخ
 میں ہی ہو جی سنا تھا اک سر ہزار سودا
 رخ و تعب ہی ہم نے تو دیکھا جدھر گئے
 میرے پہلو میں بھرا ہے عوض لافسوس
 سرمہ بنا مرے لئے گردِ ملال کا
 کہ پھول کھلتے ہیں ہوتا ہے جگلا بستم
 کٹکے شاخ تاک سالِ یدل ثمر پیدا کروں
 سنگھائے کو و کاں بید کو کیا باتک ہے
 یا الہی دل ہے میرا یا مسافر خانہ ہے
 رخ و غم پر اب بسر او قاسم ہے
 کس کی کٹی زمانہ میں بے غم تمام شب
 کیا خاک میں ملی ہے میری صفائے دل

غالب
 غریب
 فلک
 خدا
 فراغ
 فوق
 قلق
 قائم
 قدر
 گویا
 مشتاق
 میر

زندگی

زندگی

کہتے ہوں گے عدم میں بل عدم
زندگی کا عجیب مسئلہ تھا
جائے کنج سدی میں ہم
زندگی عمر بھر کا جھگڑا تھا
انہیں دم کا بھر سامنے ہوا کے چلے
پرغ لیکے کہاں سامنے بکرے
وہ دوا بوس جو غم میں گزارے
وہ خوش نصیب جو غم میں مبتلا
مجبور تک رہا میں با غم میں گیا
نکلا جو دم تو رخ و من میں
متم تھا ہوتا جو دم تو رخ و من میں
دیکھیں اس قید سے کس دوزخ میں
چاروں زینت کے گزریں تاسف میں
مال دل پر فتنوں میں مل جاؤ لگا

زندگی تک

کیوں نہ کہیں گے لوگ دل سے عزیز
بات کیجئے تو کیجئے ایسی
بات انساں کا خاص جو ہر ہے
جاخ پرتال پہلے دل میں کرو
بات مقوری ہی پسندیدہ اور مرغوب ہے
ظفر ہونا زیادہ گو نہیں اچھا سخنور کا
زباں و راز نہ ہووے جو شمع گلگیر
ہر ایک سے تو نہ کروہ کلام یہ ہودہ
ہے تو گویائی کی خاطر منہ میں نساں کے زباں
تیز آگ وہ ہے جس سے گھیل جائے آئندہ
بات جو منہ سے نکل جائے وہی بات ہے
بات وہ جس میں بات ہو پیدا
دہن میں رہے وہ جو میٹھی زباں ہے
کرو بات سب سے بہ نرمی ولینت
ہے اظہار مطلب کا بہتر ذریعہ
کڑی بات اٹھائی نہیں جاتی تیری
زباں اس سے ہوتا ہے تلخی ہو جس میں
غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
گویا ہے فال نیک جہاں میں مقال نیک
اس کو برا کہے گا عالم اگر برا ہے
زباں اپنی جو چاہیں کہیں کیا فائدہ اس سے
ہو زباں کی تیغ میں لکھوں ہی شمشیر کی کاٹ
ناطق کیا خدا نے ہے تقریر کے لئے
منہ کا ہے کام سخننا سے عذوبت آگین
سخن تلخ نہیں زیب و ہاں شیریں
تری باتیں ہوں متیں اور نہایت پر مغز
ہمت تازہ نہ دھر سہرے کسی کے لئے دست
بات وہ کرو قارعتالم میں
نہ ہو جو غم کا طلبگار وہ جگر کیا ہے
بد زبانی کا نتیجہ ہے یہی
نظم ہو یا نثر ہو یکیت ساگر

آصف

زمین

زنجیر

زبان

زبان

گر ہمساری رہے زباں اچھی
سننے والے کو ہو بھلی معلوم
بات سب گو ہروں کا گو ہر ہے
سب وجوہات سوچکر بولو
بونا حد سے زیادہ سخت تر معیوب ہے
سخن فہمی اسی میں سخنذانی اسی میں ہے
پکڑ کے چٹکی سے کیوں اس کی دے زباں ٹٹو
کہ جس سے ہو ترا مشہور نام یہ ہودہ
پھر زباں کس کام کی ہو وہ جو بد گوئی کرے
پر سوز و سخن ہے جو دل پر اثر کرے
ترک ہو اس میں محبت کہ ملاقات ہے
یوں تو سارا جہان ہے گویا
جو قابو سے نکلے وہ کیسی زباں ہے
سنے جو کہے وہ کہ اچھی زباں ہے
کرو شکر حق نے تمہیں دی زباں ہے
بتا تجھ میں کیوں ایسی سختی زباں ہے
جو شیریں ہو عاجز وہ اچھی زباں ہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب چھا کہیں جسے
ناداں زباں پاک سے نکلے نہ بد کلام
ہرگز نہیں ہے اچھا وہ سرسبز برا ہے
نظر پڑتی ہے گہری ہر جگہ اعمال قابل پر
جو نہ لشکر سے ہو اوہ قوت میں ہے تقریر کی
ور نہ زباں شمع ہے گلگیر کے لئے
جن کے سننے سے ہو سامع کو حلو و فرحت
دہن مار رہے وہ جہیں رہے سمیت
پوچ و بیہودہ سخن کی نہیں قدر و قیمت
ترک کر غیبت و غمازی و عجب و نخوت
جس کے باعث ترا وقار ہے
نہ ہو جو حق کی طرفدار وہ زباں کیوں ہو
دشمن جہاں اک زمانہ ہو گیا
لفظ کم ہوں اود معنی ہوں بہت

سراج

ضمیر

عزیز

عاشق

عاجز

غالب

فدا

کمال

محب

مسکین

مہر

و قار

دشت

یکتا

<p>زندگی امید زندگی کی ہو کس اعتماد پر آباد و چار غلط ہیں ہر دم فساد پر چند روزہ ہے فقط شرح تن انسان میں فیہد یوسف نہیں اپنے کا بہت زندان میں ہزار شکر کہ غالب نے روح کو چھوڑا بول ہیں میری مستعار سے باہر جب کچھ کھلی سے عدم کو گئے راہی مستی کا ہمارے ہے رنگ شہر انداز جنس اپنا ہے کرتا ہے وہ کار با بیاں کشتی عمر رواں کو با بیاں کیا غرض چار عنصر کو بدن میں ہے فقط اثبات جیسے آجاتا ہے جھوٹا چار عنصر بھی بدن میں غرضی ہے اتفاق چار شالی پر توقع کس رکھے چار ہے امیر زیت کا اعتبار کیا ہے پانی کا آرمی بلبہ ہے دیکھا تھا کھیل تھا عمر بھر جو تماشا تھا زندگی کیا تھی اک تماشا تھی دیر تھی وہ ملا زندگی پہنچا کر ارقہ تھی کھولتے ہجرت ہوا تھے تیرے بونا تھی</p>	<p>زندگی امید زندگی کی ہو کس اعتماد پر آباد و چار غلط ہیں ہر دم فساد پر چند روزہ ہے فقط شرح تن انسان میں فیہد یوسف نہیں اپنے کا بہت زندان میں ہزار شکر کہ غالب نے روح کو چھوڑا بول ہیں میری مستعار سے باہر جب کچھ کھلی سے عدم کو گئے راہی مستی کا ہمارے ہے رنگ شہر انداز جنس اپنا ہے کرتا ہے وہ کار با بیاں کشتی عمر رواں کو با بیاں کیا غرض چار عنصر کو بدن میں ہے فقط اثبات جیسے آجاتا ہے جھوٹا چار عنصر بھی بدن میں غرضی ہے اتفاق چار شالی پر توقع کس رکھے چار ہے امیر زیت کا اعتبار کیا ہے پانی کا آرمی بلبہ ہے دیکھا تھا کھیل تھا عمر بھر جو تماشا تھا زندگی کیا تھی اک تماشا تھی دیر تھی وہ ملا زندگی پہنچا کر ارقہ تھی کھولتے ہجرت ہوا تھے تیرے بونا تھی</p>	<p>آتش کسی کے دوش کا آتش جنازہ بار نہ ہو کفن لے رکھے لے آتش بشمول دور روزہ زیت کو انسان نہ راگیاں کھوئے سب کچھ کیا ہے ہم نے سب کچھ ہے ہم کو کرنا دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے جینا ذلت سے ہو تو مرنا بہتر زندگی جیتک ہے سب کچھ نہیں کچھ نہیں طلسم زندگی بھی عجب اک راز فطرت ہے کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے آپس میں مل لو یا رانسانی چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی ہائے مرنے کو ہم ہوئے پیدا پیکر خالی کو دیکھہ اپنے گھڑی ہر خاک کی جواب وار کوئی دم رہے رہے نہ ہے ہے گاہاں تو نہ کوئی رہے گا کوئی آگے کوئی پیچھے پہنچ رہتا ہی منزل پر روح جب تک ہے نہ ہوئے کبھی یہ چار جدا تھاماسمند عمر کو اس باگدور پر روغن دماغ تر ہے چراغ حیات میں آسماں کھینچے ہے تیج کہکشاں بالائے سر عمر اسی دور میں تمام ہوئی مٹھی میں کوئی بند کرے کیا نیم کو شکستہ دام ہو جائے تو کپڑاڑ پڑتا ہے یہ چار دن میں چار طرف کو روانہ ہے جب کھلی آنکھ میں تمام ہوا مٹ جانے میں ہیں نقش کف پا کے برابر ہستی اپنی ہے جواب آسا عدم متصل دم وہ دم ہے جو گزر جائے خدایا میں پنجر روزہ ہے فروغ آفتاب زندگی ہے جواب ب سے نازک جانے زندگی چاروں میں ایک دوسرے سے برخلاف ہے ہم کیا ہماری ہستی ناپائدار کیا</p>	<p>زندگی تک میں قیامت کے یہ سارے دھڑکے برنگ سایہ گذر شاہراہ ہستی سے بھروسہ زندگی کا نہیں کچھ کسی کا ہو رہے آتش کسی کو کر رکھنا اچھا نہیں جہاں سے یوں سرسری گزرنا ہے وہم نقش ہستی ہر چند دلشیش ہے اگر نے سنا ہے اہل عزت سے ہی یہ تماشے ہیں ہیں زیر زمین تو کچھ نہیں فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر ہر ایک کو ہے زمانہ میں زندگی مقصود دو چار دن کی ہے زندگی گانی جس طرح ہو سکے دن زیت کے پورے کرلو خواب پر اضطراب ہے یہ حیات دیکھتا ہے دمدم گردش کو کیا افلاک کی یہ اشک چشموں میں بجم رہے رہے نہ ہے یہ دور روز کی زندگی گانی ہے اہل ہر مقام رہو ان ملک ہستی ہے عدم آخر غم نہ کہا چار عناصر کی پریشانی کا تار نفس مرا سب زندگی ہوا چاہے جو طول عمر نہ کر عیش اختیار زندگی پر کون رکھتا ہے جہاں میں تمام صبح و شام اپنی صبح و شام ہوئی ممکن نہیں کہ روح رواں تن سر رک سکے تن صد چاک میں اپنے قیام روح مشکل ہے ہے جمع کاروان عناصر تو کیا ہوا کم شر سے نہیں مری ہستی کیا منزل ہستی میں سیر اپنی ہے ہستی بے ثباتی بحر عالم میں ہے ہم متصل کیا بھروسہ ہستی موہوم کا ہے اسے اسیر کچھ اس چار حد میں کیا حساب زندگی اس کو وقفہ بھی ہے کچھ اس کو وقفہ ہی نہیں اضداد کا فساد عیاں صاف صاف ہے مثل جواب آب ہے دم بھر کی زندگی</p>
---	---	---	---

موج غم موج خوشی موج طمع موج اُمید
اپنا حساب ایک ہے ہستی و نیستی
چارون کی زندگی ہنس بول کر بار و نہیں کاٹ
کم نہ تھا تا زیا نے سے مرانا نفس
دنیا میں زندگی نہیں نقش بر آب ہے
دور گزرے ہیں زیت میں کیا کیا
زیت اور مرگ کا ٹھکانہ کیا
ہزار حشر ہے اے خضر جس کی ہر ساعت
چارون اور مکیں بنکے رہے اس گھر میں
اے چین والو چین میں یوں گزارا چاہئے
کہ عشق گھر خوں میں گہ حصر اور ہوا میں
ہے کسی کی نہ شکایت نہ کسی کا شکوہ
نفس کی آمد و شد تک ہے قالب خاکی
نفس کی آمد و شد تک جو آجاتے تو بہتر تھا
آہ میں نالاں نہیں درد نہانی کے سبب
اس زندگی کے ہاتھوں چین اکدن نہ پایا
جیتے جی رکبہ نہ فراغت کی توقع نادان
بحر ہستی بحر سراسر نہیں
ادھر آؤ ادھر جاؤ نہ ساتھ لاؤ نہ لیکے جاؤ
یہ جلسے جیتے جی کے ہیں گردم ہے تو سب کچھ
نہات بحر جہاں میں اپنا نقطہ مثال جاب بیکھا
فرصت زندگی بہت کم ہے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
اس زیت کا اعتبار کیا ہے
جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے
جس طرح ہوا اسی طرح سے
یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
نفس کی آمد و شد ہے نماز اہل حیات
دل اپنا غم دہر سے تو کرنا چاہا
بے خطر ہیں حادثات دہر سے اہل عدم
ریاض دہر میں نابود و بود ہے یکساں
زندگی اس بحر فانی میں فنا سے محم نہیں
کیا اعتبار زندگی مستعار کا
زندگی سمجھا تھا جس کو موت تھی

اٹھتی ہے اس چار بحر عنصری میں چار موج
کیا یاں سے لیکے جائینگے لائے وہاں سے کیا
پھر کہاں یہ چھپے یہ لوگ محفل نصیب
اڑ گیا کو سوں سمند زندگانی وقت نزع
یہ روح کیا ہوا ہے یہ تن کیا جاب ہے
گئی طفلی جواں سے پیر ہوئے
ایک آتی ہے ایک جاتی ہے
پھرے خراب اسی عمر جاوداں کے لئے
رُج سے کہد و کہ قالب میں نہ گھیرا ہے بہت
باغباں بھی خوش ہے راضی رہے صیاد بھی
یوں زندگی کی حیرت کیوں تم نے خاک لڑائی
کر دیا دل نے مرے جینے سے بیزار مجھے
اُسے بھی ایک طلسمی جباب سمجھے ہیں
یہ دم آئے نہ آئے زندگانی کا کیا ٹھکانہ
درد و دیکھے سو میں اس زندگانی کے سبب
یہ جان ہے بدن میں یا خار پرہن میں
قید ہستی میں مرجان فراغت کیسی
چشمہ زندگی میں آب نہیں
مجھ میں آتا نہیں ہے آساں عجیب ہے زندگی کا
کہ بہتر زندگی سے کوئی میلا ہو نہیں سکتا
نہ جوش دیکھنا نہ شور دیکھنا نہ موج دیکھنا نہ آئینہ کیا
مختتم ہے یہ دید جو دم ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چکے
کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے
زندگی آپے آپ کشتی ہے
پیمانہ عسر بھر گئے ہمس
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
جو یہ قضا ہو تو اے غافل و قصص سمجھو
جس طرح بنے روز مصیبت کے کاٹ
میں گرفتار بلائے زندگانی ہو گیا
بڑے شکر کی طرح گر پڑے شکر کی طرح
نقش ہستی اپنا نقش بویا سے محم نہیں
انسان کی ہستی و بود یہ نقش بر آب ہے
مجھ کو راسخ عمر بھر دھوکا رہا

زندگی
حج تو ہے راسخ سفر ہستی زندگی
شکر ہے کریم اپنے گھر چلے
میلہ ہے جہاں میں جیتے جی کا
جہاں میں فنا کسی کا
نہیں بعد فنا کوئی کسی کا
پس بھلا ہے سارا جیتے جی کا
مجاز و حقیقت سے ہم ہیں بوی
جہاں ہستی ہماری مثال سراسر
زیت ہستی کی ہر دم یہ خبر دیتی ہے
بخیر کچھ تیرا وقت بھی اب آ رہا ہے
بخیر زور ہو گا دنیا میں حیات ازان
ادب کیا تو خدا جانے یہ کیا کرتا
قصر میں ناول لگا لے روح کو
خانہ عاریت ہے رستہ کو
نیو بلوٹ دنیا سے ہفتہ دوست کی ہیں
کہ خیز زندگی مستعار کے دن ہیں
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چکے
پس بھلا ہے سارا جیتے جی کا
اس زندگی نے لائے پھینکا ہوا ہے
گزر کر کبھی

راسخ

جوان

ساک

سخت

=

=

=

=

=

=

=

زندگی
مختے تھے پوچھی اس دار فانی میں گزرتی
دوست دشمن میں غیش و ناغیش گزرا رہو گیا
عمر و ان و بخت و جوانی و زندگی
تھنے لے رہتی ہیں یوں لے
تھنے لے رہتی ہیں یوں لے
کیا ہے ہنسی اگر یہ خواب نہیں
کیا ہے عالم اگر اس خواب نہیں
کیا ہے زندگی مستحباب نہیں
عمر و زندگی تھے زندہ وہ اب سال نہیں
جو اگلے سال تھے غماص میں خاک کا
جو اگلے سال تھے غماص میں خاک کا
کیا اعتبار تن کے غماص میں
دیار ہے یہ خانہ ناپاک میں
دنیا میں رہتے کیونکر ہوا زاد کی طرح
افسوس میں بیٹھتے نوالہ کی طرح
کہتی ہے زندگی یہ دم مرگ یا جس
کیوں خیریت تو ہے ابھی کیا آئے کیا چلے
کچھ نہیں ہم کا بھروسہ ہے کہ نکلنے کے لئے
جان رہنے کے لئے ہے کہ نکلنے کے لئے
فلزم و ہریرا ہنسی ہے مرچا مثل حباب
خاک رہ سکتا ہوں سیلاب فغاں محفوظ
ناز اس پر نہ کیجئے صاحب
زندگانی یہ آئی جانی ہے
پہنچی کا ہر

نہ

جہ

چند

二

—

مفتی

2

2.

1

+

گزرا کبھی نہ وہم میں وہ اہل ہوش کے
 غفلت میں زندگی کو نہ کھوگر شعور ہے
 نشہ کو ہرگز حقیقت کے نہ پہنچے گا کوئی
 ایک تو مانند گل اس باغ میں
 رات کی شبِ غم کی طرح دوسرا
 مرتے ہیں ارباب دنیا زندگی کی فکر میں
 دریا ہے اس کی ذات بشر صورتِ جباب
 ہستی و عدم میں نفس چند بشر کے
 چار دن زندگی کے کٹ جائیں
 چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے سعید
 ڈالے کس دبا م فلک پر بھی آدمی
 جب آفتابِ عمر لبِ بام ہو گیا
 کیا بھروسہ ہے دم کا آئے نہ آئے
 نہ پوچھیزیت کا وقفہ جہاں میں گناہ ہے
 آبِ حیاتِ زندگی مستعار کو
 اعتبار اس کا کچھ نہیں ہرگز
 زندگی عالمِ مسانی کی ہے مانندِ جباب
 اپنی ہستی کو غمِ دور و مصیبت سمجھو
 ہم کو یہ ہستی موہوم ہے عین غفلت
 جب نظر ہم کو مالِ خوابِ ہستی پر ہوئی
 روح یوں اس تنِ خاکی کو لئے پھرتی ہے
 طلبِ دین کی یا فکرِ دنیا کریں
 کچھ اعتبار نہیں تن میں جاں رہے نہ ہے
 دو دن ہمیں جینے کا بھروسہ نہیں صفدر
 عالمِ امکاں عجب دریا ہے بے پایاں ہے
 جیسے ہی جی جہان کے جھگڑے پچاس تھے
 غضب آہوں کے جھونکے میں قیامت صبح پیری
 مانندِ جباب آنکھ جو کھولے تو فنا تھے
 زندگی جب تک ہے کوئی عیب یا دیکھے ہنر
 یہ ساری آدوشد ہے نفس کی آدوشد پر
 نفس کی ہے جو کہ آدوشد بغور کسیر اسکی غافل
 یہ دم کی آدوشد ہے اسی میں اے ظفر
 کوئی دم بھر کی ہستی میں غنیمت ہے میں رہنا

دنیا کے لطف زیت جو دیوانہ لے گیا
یہ خواب زیر سایہ بال طیور ہے
جب ملک لے یا حنالی عمر کا پیمانہ ہے
خسرم و خنداں گزر کر گیا
شام سے رورو کے سحر کر گیا
حرص کرنے دے نہیں کس طرح مرنے کا لحاظ
رکھتا تھا و تفرقہ باہمی کو چھوڑ
جھونکے میں ہوا کے نہ ادھر کے نہ ادھر کے
رنج و راحت کو دیکھتے ہیں ہمس
زندگی ہو جائے مرجانا ہمیں
افسوس زندگی کی نہیں رسیاں راز
اس ہستی و روزہ کا انجام ہو گیا
زندگی کی قلیل فرصت ہے
یہاں رہا جو کوئی پل تو جوں شرار رہا
اہل نظر سمجھتے ہیں دھوکا سراب کا
زیت ہے اک حباب اے قاصد
ہے طلسمات جہان گذرا نقش بر آب
موت کی قید لگا دی ہے غنیمت سمجھو
آنکھیں سوتے میں کھلی رہتی ہیں بیدار نہیں
سمجھے ہم خواب پریشاں نامہ تعبیر کو
بوجہ جس طرح مسافروں کو کر پر باندھے
حیات و روزہ میں کیا کیا کریں
رواں چمن میں یہ آب رواں رہے نہ رہے
چرچے تو رہیں گے یہی دنیا کے ہمیشہ
بلبل پانی کا جس میں ہستی انسان ہے
امید و بیم و دوہوس رنج و یاس تھے
خدا حافظ ہے اے طاہر چراغ زندگانی کا
دنیا نظر بھر کے متاثر نہیں دیکھا
ورنہ زیر خاک سب غیب و ہجر چھپ جائیگا
اسی تک آنا جانا ہے نہ پھر جانا نہ پھر آنا
کہ دیکھہ طے ہو رہی ہے کیونکر وہ وجود عدم چھپا
و مبدم اک سیر ہستی و عدم کرتے ہیں ہم
حباب آسا لبالب عمر کا پیمانہ رکھتے ہیں

سودا

سراج

سفر

سید

شہید

مستم

一

شاو

11

۱۵

طال	
-----	--

66

طف

二

1

زندگی

بایں طبع رجاں سے ہیں ہم میر
اب تاب بہت جان میں کم چلتے ہیں کہے
کیا کہنے میرے واسطے مایہ جیات
کیا کیا غمزا ہے تپیں مار مر ہے
ہم اس اوجادیت میں ناز و نواں
کہ فرست سرائیکی ہنچ پائالی سے
زندگی بار دوش آن ہے باں
بکھیں گے کل جو بوں گے باں کے
بہت نا آشنا تھے لوگ باں کے
چلے ہم چار دن رہ کر جہاں میں
کچھ کچھ ہو کر طبع ہو حال
عمر کے دن کو طبع ہو کچھ
دنیا میں اپنے رہنے کا کیا طبع ہم ہیں
زندیاں میں جوں کریں یہ کھنگار بنیں پو
چار دیواری غما میر
غوب بارگہ ہے پہلے ہے بنیاد
چھت اس چین میں غمچین دوشیں کر
باندل تگتہ جیبیاں عرق عرق
شہنشاہ کی سی نمود تھیں عرق عرق
کہ تہی تک عدم تھی بیکار گیا
روئے

مرے دنیا میں ہونی سے نہ ہونا لا کہہ بار اچھا
نازک ہے زندگی کا رشتہ جناب عالی
برا ہو زسیت کا کیا کیا الم دکھاتی ہے
بس ایک رات کا مہاں چراغ ہستی ہے
سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
باوجودیکہ نہیں فرصت یک چشم زدن
حلاوت اور بھی لائق کو بھی ایسی ہے
کس لئے غفلت میں کھوتا اپنی ساری عمر کو
سات ہر دم کے فنا موجود ہے مثل جناب
ہے کچھ تو دم کے ساتھ کہ جس سے ہے زندگی
جہاں میں مانگی ہوئی چیز کا بھروسہ کیا
کیا تھی ہستی یہ نہ سمجھا کوئی ہاے
بہ زسیت کیا ہے فقط شغل دم شماری ہے
پھنسا یا زسیت کے جھگڑے میں دم شماری نے
اک روز قطع ہو گا پسند نفس کا
چھوٹوں کس طرح قید ہستی سے
جس کو لباس ہستی سمجھتے ہو وہ دستو
جہاں میں کام کسی کا کبھی بد جسمی
مجلس آفاق میں پروانہ ساں
آیا جو واقعی میں درپیش عالم مرگ
بود آدم نمود شبنم ہے
ہستی اپنی جناب کی کسی ہے
فرست زندگی سے مت پوچھو
ہے زسیت کوئی یہ بھی جو میر کرے ہے تو
کیسے ہیں وہ کہ جیتے ہیں صد سال ہم تو میر
اس موج خیز دہریں تو ہے جناب سا
یہ زسیت کیا ہے فقط شغل دم شماری ہے
پھنسا یا زسیت کے جھگڑے میں دم شماری نے
چھوٹوں کس طرح قید ہستی سے
ساتھ ہے بحر جہاں میں چار دن مثل جناب
ہیں جی بھی تک پھیل دنیا کے
پھرتا ہے زندگی کے لئے آہ خوار کیا
کلفت گذری ساری مدت تو زندگی کی

عدم کو ہے شرف اس ہستی موبوم باطل پر
خطرہ سے آدمی کی ہستی نہیں ہے حسالی
چھٹے وہ رنج سے پوید جو زمیں کے ہوئے
سہرا نے روئے گی اب شمع گور ہستی ہے
زندگی گر کچھ رہے تو نوجوانی پھر کہاں
اپنی ہستی پہ بھی ہم مثل شرر جلتے ہیں
جہاں کے بیچ میں ہے اس قدر حیات لذت
گر ہمیں معلوم ہوتی انتہا ہے زندگی
جو رکھا ہے سر میں پھر اپنے ہوا زندگی
حکمت سے کام خالی نہیں ہے حکیم کا
کہیں بھی زندگی یہ مستعار رہتی ہے
کہہ کے سب من نیز ہستم جلد سے
یہ اپنی ہستی نہیں جبر اختیار می ہے
قفص میں ڈال دیا جبر اختیار می نے
ٹوٹے گی مرغ جاں کی زنجیر کھلتے کھلتے
ہر نفس پیش قید خانہ ہے
اک دن وہ تار تار ہے آنکھوں کے سامنے
بوجہ زندگی مستعار ہو نہ سکا
میر بھی شام اپنی سحر کر گیا
یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
ایک دو دم میں پھر ہوا یہ
یہ نمائش شراب کی سی ہے
سائنس بھی ہم نہ لینے پائے تھے
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا تھے
اس چار دن کی زسیت میں بیزار ہو گئے
آنکھیں کھلیں تری تو عیسالم ہے خواب سا
اپنی ہستی نہیں جبر اختیار می ہے
قفص میں ڈال دیا جبر اختیار می نے
ہر نفس پیش قید خانہ ہے
تن کو ہے کس روح کی پھر آشنائی پر گھنٹ
تن میں جب تک ہے لے برادر روح
اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار ہے کیا
آسودگی کا منہ اب دیکھیں گے ہم عدم میں

کج
عمر کرتے ہیں
عمر آج
عمر آج

روتے کھٹے خاک میں ملتے جیتے ہے ہم دنیا میں
جہاں میں نہ کی میرا قامت کی نیت
ایسی معیشت کرو گو گویا جیسے عکس میر نے کی
اس گستا میں نمود اپنی ہے جوں ابروؤں
سن کان کھل کر کہ تنگ جسد آنکھ کھول
زندگانی بھی ایک وقفہ ہے
آمد و رفت دم کے اوپر ہم نے بنائے زیت رکھی ہے
نیت فکر خسانہ سازی میں منہم ہلاکت
جہاں کے بحسب میں مثل جباب گھر رکھنا
انساں کی زیت آمد و رفت نفس سے ہے
وقفہ زیت کھلے چشم حقیقت ہیں سے
وقفہ حیات موت کا مد نظر رہے
عمارت تن خسالی کو کچھ شبہات نہیں
اس طرح آیا عدم سے ہوں میں نیتی کی طرب
غایت زندگی نہیں ہے عیش
ہے لب بام آفتاب زندگی
ہے نفس کی آمد و شد پر مدار زندگی
دیدہ دنیا سے دیکھیں آشنائے بحر متزلزل
شان و شوکت جاہ و حشمت لغتہ پیش و طرب
نشہ عیش و طرب میں مت کیوں میں بل شوق
صورت مفرد و سرخون آپ کو بھولے میں کیوں
بعضی کے ہو واجب دورہ عہد شباب
ہر گھڑی رہنے لگا آنکھوں میں عشرت کا سرور
وقت پیری کھل گئیں آنکھیں یہ ثابت ہو گیا
چھوڑ جاؤ مر کے تم نام نیکو لے دو ستور
طالبان موت مثل خضر زندہ ہیں مدام
لازم ہے اشک رخ پہ رواں ہوں اہو کے ساتھ
دیکھو جو آنکھ کھول کے غافل تو جان لے
اے مرگ جسد آ کہ تر سے انتظار میں
ہستی سے درگزر جو مطلوب و دل دوست
ہمیں آنکھ کا رآیا یہ رونا
ہے جی میں یہ زندگی کا برقع
ہزاروں حوادث میں تا زندگی

دس دن اپنی عمر کے گویا عشرہ تھا یہ سہم کا
کہ مشعر تھا آنا مرایاں ہمنہ پر
برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے ان رقتے ہیں ہمنہ پر
وہ سہم مرتبہ سے اپنے چلے جاتے ہیں
غافل یہ زندگانی فسانہ ہے خواب ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لیں کر
دم سو ہوا سے آوٹے نہ آوے کس کو بھر و سام کا ہے
ہنسا و زندگانی کی ناپائیدار ہے
سفر عدم کا لگا ہے بندھی کمر رکھنا
دم سے ہوا کے میٹھتے اٹھتے غبار ہیں
جا کے جس وقت حساب ب وریا و بچو
شکل جباب بھر جو باندھے کمر رہے
اگر تو قصر فریدوں بنا گا پھر کیا
جس طرح جاتا ہے کوئی میر کو بازار تک
اور نہ مقصود عمر غصہ و طیش
کوئی دم میں میں نظر کے پار ہوں
تن میں سانس لائی نہ آئی کیا قرار زندگی
ہے جباب آسایہ بنیا حصا زندگی
نٹنے والے ہیں یہ نقش و نگار زندگی
ہوش میں میں نہیں کچھ اعتبار زندگی
یہ سمجھ لیں موت ہے انجسام کا رہ زندگی
تو پند آئی شراب خوشگوار زندگی
چمن سے کٹنے لگے لیل و نہار زندگی
تھا وہ نشہ زندگی کا یہ خسار زندگی
اس سے بہتر کچھ نہیں ہے یادگار زندگی
ہیں مگر مردہ سے بدتر جاں نثار زندگی
ہے زندگی وہی جو کٹے آبرو کے ساتھ
ہستی تری بزرگ شر ہے بھی اور نہیں
اس زندگی نے سخت دیا دروس ہمیں
جلوہ ہے آفتاب کا بعد از فناء صبح
کہ عمر عسزیر اپنی خواری میں گنری
مانند حساب و دور کیجے
یہی زندگی ہے تو کیا زندگی

زندگی

کیا کرم خستہ کاری سے ہوں مصطفیٰ
فرست ہے زندگی کی تقدیر شر ہیں
جب اٹھ سکا نہ ہم سے باہر ان ہستی
یہ بوجھ سر سے ہم نے آخر اتار ڈالا
قالب کی کے دم کا جسد اچھوڑ دیا
ہے ہوا سے ایک نقطہ جیسے جباب
متر جاؤں آفتوں سے چھپوں
زندگی اور اس مذاہب میں تہا ہے
آتش و آب و نبات ہوتی بنیاد مجھے
انجی ہستی کی یہ ثابت ہو کر کرتے ہیں
لوت عسایاں جو اس کو تیر کرتے ہیں
زندگی بھی مادی دنیا میں بس کرتے ہیں
سجیل ہے اپنے ذہن میں زندگی ہے
وہ برین ہے اور کسی روز جاگ ہے
بحر ہے زندگی کا طوفان خیز
اس کے طوفان میں بلا لکھنے
ہستی بریکشے کی بیان جباب ہے
انساں کی زندگی نہیں موجب مراب ہے
زندگانی کا کیا بھروسہ ہے
ہائے جھگڑے بھر تو جھٹ پٹ
اس میں

زندگی

زندگی ہے حساب سا اپنی
 غنہ مونیست میں ہم
 کبھی غنہ کا غم
 دنیا کا فکر اور دنیا کی غم
 گزری ہوئی ہفتہ کیوں دریاغرض
 غم و موبہ دنیا میں
 ہے مثل حساب
 اپنے ہی چلتے تک ہے دنیا کا چل چلاؤ
 کتنی کوششیں ساحل دریا کو چلے گئے ہیں
 فقط آمدورفت ہے واسطی
 دور دورہ ہے زندگی کا عیش
 طول حیات ہے سب کثرت
 مائل وہ ہیں جو چاہتے ہیں اختصار
 زندگی تک ہے فقط اگر وہ کیا جائیں
 اکن زید میں شام و صبح گزر
 چاہے جو ریت کرے کوہن ہوا
 انون پر زلزلہ میں اپنا قیام ہے
 یوں دہرے ثبات میں کوئی دم
 دریا میں جس طرح غم سے چلے
 ہزاروں سختیاں دیکھیں ہزاروں دنیا میں
 بڑی زندگی ہم نے نہیں ملنے دنیا میں

شاخ

نیمہ

دستی

اس میں طول امل ہزار ہزار
 اتنا لے مجروح سا ماں کس لئے
 اپنی ہستی ہے خواب کی صورت
 کہا سچ حضرت ناظم نے مجروح
 قالب بے ثبات میں روح نے گھر کیا عبث
 قالب کا میں ایدل آتی ہے میل فنا
 حفظ صحت کی عبث ہے تجھ کو اے نادان فکر
 کتنی جاتی و بدم ہے شاخ نخل زندگی
 ظاہر میں زندگی ہے عجب بوستا سرا
 ہستی کا گماں کرنے تیرے پیر ہن اے دل
 زندگی قید سے بڑھ کر ہے تو عشرت کسی
 کیا بھروسہ سازیت کا دم بھر کی ہے کل کائنات
 کھلا عقدہ زندگی ہے حساب
 اک دم کی زندگی میں کیا کیا
 اپنی حیات پر ہے مجھے شک حساب کا
 دور روزہ زندگانی ہے مرنے کے واسطے
 دیکھ بچتے گاہے مضطر نہ کر
 عمر جاوید زور زور سے کیا ملتی ہے
 زندگی چشم جہاں میں خوار رکھتی ہے دم
 قصر تن کی بے ثباتی کا جو آیا ہے خیال
 ساتھ تیرا چھوڑ دیکار راہ میں رہ جائیگا
 آدمی سے کہہ رہی ہے آمدورفت نفس
 پھر کہاں یہ دسری تیان ہن لے بول لے
 دنیا کے ہر سچ یا رومب زیت کا مزہ ہے
 گزرتے ہیں نفس مستعار مثل نیم
 دودن کی زندگی پہ ہے اہل دل کو ناز
 ہوا پر ہے یہ دنیا و ساف ظاہر ہستی
 دم کے اس آمد و شد کا ہے بھروسہ کس کو
 بات پانی ہے یہ شکل کوئی کیا سمجھے نصیر
 طرفہ لعین کا یہ وقفہ ہے
 بعد از فنا ہو خاک یہ تن کا مکان رست
 نصیر اس کا بھروسہ جو کرے وہ محض نادان ہے
 پانچ دن زندگی کے دنیا میں

زندگی کا مدار ایک نفس
 چاروں ہستی فانی مری
 بود ہے یہ حساب کی صورت
 ہماری زندگی کیا اور ہم کیا
 قصر حساب میں رہی ایسی پر ہی ہوا عبث
 پھرتی ہے جھاڑ و صفائی تیرے گھر ہو گیا ہے
 ایک ن حنالی یہ بیاری کا گھر ہونے کو ہے
 ہر نفس باغ جہاں میں ریت کا آرا ہوا
 پھر بعد چند دن کے کہاں ہم کہاں سرا
 مانند حساب آہ یہ پردہ ہے کفن کا
 تنگ ہے عرصہ دنیا تو فراغت کمی
 بحر ہستی میں ہر اک شکل حساب آئی کو ہے
 کہ اک آن میں دم ہوا ہو گیا
 نیزنگ یہ شام کا سحر کا
 کس درجہ بے ثبات ہے یہ قطرہ آب کا
 ہستی کی صورتوں سے عیاں ہے فنا کا راز
 چاروں کی زندگانی پر گھمنڈ
 آب حیاں سے رہا جام سکندر حنالی
 آسمان پیش زمیں بہر تو وضع خیم ہوا
 ہر حساب اپنی نظریں قلعہ فولاد ہے
 اے مسافر جسم تیرا نقش پایے کم نہیں
 زندگی کی کشمکش میں کوئی دم راحت نہیں
 دم غنیمت ہے اے نادان ہن لے بول لے
 جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھاٹھے
 کسی کو خسار نہیں ہیں کسی پہ بار نہیں
 حال ایک ہے لحد میں میر و فقیر کا
 نہ ٹھیلے کوئی یاں ایدل مخزن ٹھیلے کا
 اپنی ہستی کو یہاں خواب سمجھتا ہے حساب
 زندگی ایسی ہے جس طرح سر آب حساب
 زندگانی حساب وار ہے اب
 رہتا ہے گھر تو صاحب خانہ سے ہاں و رست
 بناے ہستی فانی ہے دم کے آنے جانے پر
 طرفہ حالت عجب حقیقت ہے

محبوب

میر

مکین

محبوب

ماہ

مضطر

ناسخ

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

نظر

یہ نمود عالم آب ہے یہ وجودش بر آب ہے
تھا چاروں کا اپنے غاصر میں ارتباط
دونوں کا ایک تار نفس پر مدار ہے
واسطی زیت کا دُنیا میں بھروسا کیا ہے
خاک کے پتے کو آخر خاک ہی میں ملنا ہے
حساب آسا کروں کیا سرکشی میں
اپنی ہستی میں تو اتنا رفت سارے ہیں
زیت اک دم میں ہوگی آوارہ
بھرتی میں رہے شکل جاب
نہیں دم کا بھروسا غمکہ میں بھرتی کے
دامہ ایک دم کا ہے نہ آئے دم تو جاں چھ
تیرے جینے سے خوشی ہو تو م کو ایا تو جی
کام کرنا ہے جو وہ کر لو ہوش
انسان کو جینے میں نہیں دم کا بھروسا
اس ہستی دور روزہ کا کیا اعتبار ہے
صغہ دہریہ کیا نقش ہے اپنا ہدم
غنیمت جان آدم کے گلوں دم کی آمد شد
بھروسا ہے کیا زندگی کا کہ دم کو
فکر لاحق ہیں سیکڑوں ہدم
اے دوائے یہ تب سمجھے جب مرگ تک پہنچے
بہار عمر جو ہے اک دور روزہ دم غنیمت ہے
زندگی سی چیسز کو غفلت میں کھوتا ہے بشر
زندگی کو نیک کاموں میں بشر آخر کرے
زندگی کے دن غنیمت حسان اے انجان تو

یہ حیات عین جاب ہے محیط محض سراب ہے
دیکھا تو کچھ بھی دم کے نکلتے ہوئے نہ تھا
کیا اعتبار زیت ہے کیا اعتبار عمر
کہ سوا ذات خدا کے کوئی جاوید نہیں
چاروں کی ہے یہ دنیا میں بہار زندگی
ثبات زندگانی ایک دم ہے
شام کو ذرے ہیں و صبح کو ہم تارے ہیں
اک نفس میں سحر پریشان ہے
ہر نفس تاراج فرمت ہو گیا
فقط اک جسم ہے پر کیا جاب آسا بھرتی ہم
کہ دم آنا سبب ہے زندگی نوع آدم کا
ورنہ یہ جینا ترا پھر کام کس دن آئے گا
زندگانی کا اعتبار نہیں
دن رات میں یہ باندھتا مضمون ہے کیا کچھ
آخر لگی ہوئی ہے فنا و رفائے ہم
جوں گیں زندگی کرتے ہیں ہم اک نام کے تھا
یہ نئے حرف و حکایت سے کچھ پڑے کچھ خالی
رواں دیکھتے ہیں دواں دیکھتے ہیں
زندگی بھی ہے دردِ تحقیق
جینے کا جو تھا چکر چا افسانہ نظر آیا
برنگ گل ہے آخر رہ کے جانا آجکل یوں
عیش و عشرت خواب و خور میں مفت کرتا ہے ہر
رستم و جمشید و دارا و سکندر بدمرے
عیش میں بھولا ہوا ہے کہ تو دل میں یہاں تو

سخت بات

اٹھاؤں سخت کس کی ہر گھڑی بات
نرم طینت کو نہیں کچھ اثر زخم زبان
نہ کسی کو کڑی کہی ہر دم نے
خالق کو سخت بات کسی کی نہیں پسند
مرہم پذیر کو ناہے گھاؤ جو نہیں

کہ تپتے سر ہر دمے حق میں کڑی بات
کاٹے کیا خاک جو تلوار پڑے پانی پر
نہ کسی کی کڑی اٹھائی بات
کیونکہ زبان منہ میں نہ بے استخوان رہے
پر ایک زخم تیغ زبان کا نہیں علاج

سخت بات
کیا بد زبانوں کا کسی کی گواہی
دل ہے پھلپھلایا تو کچھ بچھا ہوا
بات کا زخم ہے کچھ پھلپھلایا
کچھ پھلپھلایا تو کچھ بچھا ہوا
نیشہ سے زیادہ ہے زبان کا
مرہم پذیر زخم نہیں ہے سخت کلام
دلوں کو توڑنے میں حادوں کی گنجینوں کی
پھپھیں وہ ہے جو بد زبانوں کی
زبان کو تھام کر منہ سے نکالو بات نکلتے ہیں
اسی سے فتنے اٹھتے ہیں یہی ہے کتا بھلے اس پر
سو باتیں نہ کہنے کی وہ کتا بھلے اس پر
کتبا ہوں تو کتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
بد زبان سے پہنچ جاتا ہے انسان کو ضرر
بد زبان سے بیکین نہ اس قدر
گرمی ہی کلام میں اسے شکایت ضرر کی
کی جس سے بات اس قدر کو نہیں تاب
سخت باتوں کی قدر کو نہیں تاب
کبیں نیشہ سے ہے عکس نازک
کرتے نہیں اریاب کرم سخت کلامی
دے کر نہیں لیتے ہیں گلاز دل بریاں

تاریخ

نجات
 چاہئے جو طول عمر کو فیض اختیار
 کرتے نہیں مگر کھاتے نہیں کیم
 کھانا بغیر غریب کے کھانے کی احتیاج
 ہر روز ہے خلیفہ کو مہاں کی حاجت
 جہاں میں جو دیا کرے میں نعمت ملتا ہے
 انہیں ذکر و اب سورہ الفہم
 سخاوت سے قیام دولت و نعمت
 چین ہے خدم و شاداب صلیک ہر جاری
 اہل جہت کو نہیں اسفل و اعلیٰ کی تیز
 ہر ملک و قوم و شہر سے فتو آتی ہے
 ساتھ میں کسی کا دل منعم
 جم کار و شہنشاہیں سے نام ہوا
 ننگ نئی زمین قارون کو کیونکر
 جو چھوٹی سی اسبیل اشد ریش
 عین دنیا ہے جو میں خدم ہو چکی سب
 کچھ نہیں ملتا ہے اکثر صاحب تعلیم کو
 کرتی ہے سالوں میں بھلے کی تلاش
 اس واسطے ہے درہم و دنیا کی تلاش
 جو قوم کو خدا نے دیا ہے تو وہ
 خوشست کرو اس میں جو ہو سو ہو
 نفعی ساتھ

سخن نہ تلخ کبھی تم زبان پر لانا
دوست دشمن ہوں جس سے کون وہ بات
گلہ نہیں ہے ہیں اپنی جاں گدازی کا
اس کی زباں کے عہد سے کیونکر کل سکوں
اے نظم سانپ کاٹ کے پلٹے تو غم نہ کھا
ممکن نہ کیس بھولے سخن سخت کسی کا
دیتے ہیں سخت گوئی جاہل سے ہوشمند

یہ وہ سخن ہے کہ سینہ نگار کرتے ہیں
بد زبانی ہے بد زبانی ہے
جگر پہ زخم ہے اس کی زباں درازی کا
کہتا ہوں ایک میں تو سنا تا ہے مجھ کو دس
ہشیار رہ پٹ کے نہ کاٹے زباں کہیں
مرہم سے جو بھرتا نہیں وہ زخم وہاں ہے
دانہ پیا جو وا دہن آسیا ہوا

سَخَاوَت

جو کامیاب نہ ہو کوئی یہ نصیب اس کا
کرم کیا ہے جو سائل پر غم نہ کھا منعم
مال بختا ہے خدا نے صرف کرنے کے لئے
سائل امین ہیں انھیں دے مال اے خلیل
دنیا میں لٹا کے ہم گھسرا پنا
کب فرق سائلوں میں کرتے ہیں اہل ہمت
دے جو محتاجوں کو دنیا ہے کہ فرصت ہو ابھی
زندہ سخی ہے ہر دم آئے جو موت کیا غم
سائل کرم کا کون نہیں تجھ سے اے کریم
حاجت روا اے خلق نہیں ہے ضرر
زر سے خالی ہے دست اہل کرم
کر فیض سے کشادہ جہاں میں کسی کا دل
صرف زر کرتے ہیں تعمیر عمارت میں ج لوگ
گو چسا تم پر ہو یہ مصرع رقم
خوف گر تجھ کو کل کی پیاس کا ہے
دیکھئے جسدن کشادہ ہے در اہل سخا
دے خدا نے عوض ایک ایک کے دس دس
خالی نہیں ہے فیض سے تکلیف اغنیا
سعادت سے ملا ہے نام روشن صبح مشک
راہ خدا میں دیکھئے جو دستیاب ہو
نیاض کا ہے فیض برابر جہان میں
ارباب فیض ہیں خلش دہر سے بری

نہیں قبول کی آصف نے التجا کس کی
خسارہ کیا ہے جو دنیا و دھرا و دھریا
واسطے غیروں کے اس کو چھوڑ جانا کیا مفرد
مل جائے گا زمین میں نہ مدفون خزانہ کر
عقبیٰ کا ثواب لوٹتے ہیں
ذرتے ہیں سب برابر خورشید کی نظر میں
ڈھونڈتا ہے خاک میں تاروں گدا اٹھائیں
ہے ذکر خیر حاتم اب تک ہر انجمن میں
دست گدا و دامن سلطان کشادہ ہے
بنتی ہے تیغ زر سے نہ بدوق سیم سے
صاحب زر کرم نہیں رکھتے
لازم ہے فکر و سعت کنج مزار آج
ان سے پوچھو کہ کشتی دل میں بھی گھر کرتیں
نا خدا سے ششی سائل گیا
کہ یہاں نہر فیض جاری آج
کام اس دروازہ میں ہرگز نہیں ٹھہرے
کریم بانٹ کے زر صاحب خزانہ ہوا
منعم مریض ہو تو مقتدر طبیب کا
چراغ اس سے سوا کیا ہو گا بہتر گو عالم
یجائے زمین کا مال آسمان پر
یہاں نگاہ مہر ہے نزدیک و دور پر
نشر کا خوف کیا رگ ابر بہا رکو

میر
میر
میر
نظم
واسطی
ہت

آصف
اسیر

۱۵۰

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
چرخِ ممک نے مٹانے کی بڑی کوشش کی
سخی کے پاس ہوا اور کچھ نہ دے یہ غیر ممکن
ایک اُس کو دیا تو دس پائے
مال رکھنے کو نہیں کہہ دو غنی سے بانٹ دے
اے غنی دے سیم و زر و وقتِ بلا
مطمینِ عالم میں اپنا ہاتھ ہے کفگیر و وار
صاحبِ دولت اگر بے فیض ہیں بے کار ہیں
گھر میں قاروں کا خزانہ ہے تو بے مصرف
لازم ہے اُسے جس کو خدا نختہ امارت
ہو عیلم اگر نصیب تسلیم بھی کر
خدا دے دولتِ قاروں تو کیجئے
سخی کا ہاتھ اگر لنگرِ جہازِ عافیت کا ہے
اے امیر دے چلو بذل و کرم کی روشنی
آبِ زر رکھنا نہیں کیا بحرِ فیاضی کرے
زر سے جس کا خوش کیا دل گھر بنایا خلد میں
ہر جگہ مال تلف ہونے کا اندیشہ ہے
کل سفر و پیش ہے زاد اپنا اپنا ساتھ لو
جو کوئی دیتا ہے اپنے خدا کو دیتا ہے
شیرین زبان و دستِ کرم کو نہ پوچھئے
مزرعِ دنیا ہے عقبیٰ کچھ سخاوت کر چلو
عدم کی راہ میں اک گنج ڈالتے اے بحر
چلے کریم کی سرکار میں جو دنیا سے
بے دے ممکن نہیں دنیا میں ہوا جائے کار
محتاج کو محروم نہ رکھ اپنے کرم سے
بخشش سے باز رکھ نہیں سکتے ہیں عمل
بخشدے سائل کو اپنا گھر سفر و پیش ہے
نامِ حاتم کا ہے باقی آجتک
بہرِ نفعِ غیر ہم رکھتے ہیں زر کی احتیاج
دے کر سخی اٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں
حسوس سے بہتر ہے زمانہ میں سخاوت
مالِ بخشش سے کریموں کا نہیں ہوتا ہے کم
لازم اہل شجاعت ہے سخاوت اے برق

[illegible]

نجات
بخشش سے مال کم بنیگی کا ہوا کبھی
نقش ایک سنگ سے لاکھ لکھ نام ہو گیا
بخشش سپر ہے تیغ زبان سوال کا
دعائے کرم ہے زخم زبان کو
کیونکہ زبور باعثِ رفعتِ بشر کو ہو
زینبِ ثمر ہے باغ میں ہے ہر سال کا
رفیق کی حاجت کو سمجھا ہے جو اپنی احتیاج
دنوں عالم میں وہی پرورش کرتا ہے
لٹاتا ہوں منہ مشہور ہوئے کے لئے دو
نہیں پورا ہے کیم دوزخ کی ہوئی نام کا
جن کو دست ہے وہ تین کی ہے کبریا میں
اہل دولت میں بہت اہل سخاوت کم ہیں
جو اہل سخاوت ہو تراب اس کو تیر کہید
نیا پاک کہیں رہتی ہے تہی ہے جو بندی
جو دل سے ہے تو نگر ہے خلف
لٹاتا ہے وہی زر ہے روائی سے
پہا اشارہ ہے توارہ کی روائی سے
خزانہ جب فلک سفد دے لٹا دینا
جو کھل ہے جہاں میں خرب ان کی راہیں
کھوپڑی کہانی ہے کھوکھلی و فقیر کی
پوں

خوات

سجاولت
فیض ہو گا تھ سے جاری تو ہے فضل خدا
فیض کہتے ہیں اسے کہ اگر بسا یا فیض
دوستوں سے ہے محبت ہر کی کو خلق میں
مرد ہے جو کیا کرتا ہے باا نیب فیض
کام اپنا آپ اپنے ہی ہاتھوں سنوار لو
دو ایک راہ حق میں تو سو سو ہزار لو
جسے سخاوت وہ شجر ہے چراغ مقبل
جنگ ہوئی نہیں شاخ اسکی ہری رہا ہے
عجب گرد بھیجے گی اس کا طوف سے من ڈھاپے
جو برہنہ ہو دے اس کو کیا ہوا حال
رکھے قاروں نے اگر سوچ اس کو کیا ہوا حال
نٹے جو راہ حق میں محب دولت ایسی ہوتی ہے
صابر پسند اہل کرم کو نہیں ستم
کچھ کام تیرے نہیں رکھتی کہاں بیخ
ہو تا صدف کو فیض بنیاں ہے طلب
مہرب سوال کرم ہے کریم کا
ملتا ہے ارباب ہمت کو فروغ جاودا
نام حاتم کا چراغ مرقن حاتم ہوا
عبار ارباب کرم کو ہے برابر قرب و بعد
ماہ کو دیتا ہے اتنے فرق پر نور آفتاب
کچھ صرف

شیخ وارن

七

یوں کس و ناکس سے جھکتے ہیں سخی
غربت میں دل جو سائل دام و درم ہوا
کشش کا فِ کرم کی یوں کس و ناکس سے کہتی ہے
ہر دم و کریم کھلا ہے پئے قبول
غافل و جمع ہے جو مال اُسے خیرات کرو
ہر دم ہے یہی جو شس کلام اہل سخا کے
انہیں کو دولت کو نین جو شس حاصل ہے
ہاں بھر گیا و مقصود سے واسن وہ امیر
ہے وہاں امد ہیر جس دولت میں کچھ بخش نہیں
سنتے ہیں انہیں کے لئے ہے کوثر و نسیم
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغ و طین
کلفت و نیا مٹی بھی تو سخی کے فیض سے
نہ عیش کی خیر و می رہے گا نہ صولت بہنی ریگی
چمین سے رہتا ہے دنیا میں سخی
کر سخاوت سے تو روشن نام کو
کرنے خیر زرتو کوئی خیر میں
مثال گنج قاروں اہل حاجت سے نہیں چھپتا
چھپتی ہے کب چھپانے سے اہل کرم کی شان
پہنچے نہ اہل فیض سے نوبت سوال کی
گر نہ سائل ہوں تو کیونکر ہو سخاوت مشہور
دنیا کا زرو مال کیا جمع تو کیسا ذوق
متاع و مال کی عزت اٹھائیگا پھر کیا
کرتے نہیں ارباب کرم دست سخا بند
نہیں رکھا کبھی اپنے لئے ابا بے نیا کا
وے نفع ہر کسی کو جو مقدر ہے تجھے
میں زمانہ کی سخاوت کا نہیں ہرگز مقرر
مفلس ہیں نہ بوجھ جو رکھتے نہیں ہیں کچھ
سخی بن کر خدا کے نام پر دے ڈال لایا
جہاں میں وقت سخاوت ہمیشہ رہتا ہے
اہل کرم ہیں خلد میں قارون اب میں
مور و رحم ہوا ماتم طائی یہ کرم
نام نیت سے سخی پاتے ہیں ورنہ سب کو
تفع پہنچا خلق کو حاصل یہی ہے ریت کا

جس طرح مرکز کرم کے کاف کا
خصرِ طریقِ شہرہ اہل کرم ہوا
جھکا کرتا ہے بڑھ کر ہاتھ یوں دامانِ اہل پر
گوئیں نخل سے نخل کا دروازہ بند
رکھ کے لیجاؤ گے کیا دولت دنیا سر پر
لے ہمت عالی کوئی سائل نہیں ملتا
خدا کی راہ میں جو صرف مال کرتے ہیں
جس میں کچھ نام کو بھی بوئے سخاوت ہو
حشمت و زر کے مکاں میں بذل و احسان چراغ
یاں جو رہ مولائیں لٹاتے ہیں سرِ دیم
جیسے کہ کرم ابر گہر بار چمن میں
ہاتھ دھوئے کوٹے بہتا ہوا پانی مجھے
رہیگی اے منعم تو باقی دے کی کچھ روشنی رہیگی
دیکھتا ہے رات دن عیش و خوشی
چھوڑنا ہرگز نہ تو اس کام کو
معزز ہے وہ خویش اور غیر میں
جو ہوتا ہے سخی خود ڈھونڈ کر سائل سے ملتا
ہوتی ہے خود بخود دل سائل کو اطلاع
خود ہاتھ وہ ملاتے ہیں سائل کے ہاتھ
تم یہ احسان وہ اسے اہل کرم کرتے ہیں
کچھ فائدہ بے دستہ کرم اٹھ نہیں سکتا
گدا کو دیگانہ منعم تو پائے گا پھر کیا
کیوں رکھیں و رفیق کو اربابِ عطائد
لٹایا ہے خدا کی راہ میں جو ہاتھ آیا ہے
بیکار وہ شجر ہے کہ جس میں ثمر نہیں
چھین کب لیتے ہیں کچھ دیکر کسی کو اہل جو
خالی ہمیشہ کیلئے اہل کرم رہے
نہ کہ اس کی حفاظت کو مقرر یا باں غافل
سخی کا چہرہ تابان مثال زر روشن
درجہ یہ ہے سخی کا وہ درجہ نخل کا
قاروں مغضوب ہوا نخل کا مخزن نہ کر
وہی رزاق زمیں اور زمین دیتا ہے
وہ شجر کس کام کا جس میں ثمر ہوتا نہیں

مناقب

11

11

جنون

جوش

11

11

50

طوبی

11

11

حالی

مهرشی

تعجب ہے جو سرکش ہیں یہ زردار
حاصل ہوا نہ خاک سے مانند گردباد
جو کرے گردن کشتی لازم ہے اُس کو بارغ
سرکش ہیں پختہ مغز کے جو ہر کہاں نصیب
کیا سمجھ کر آسماں پر سرکشوں کے ہیں دباغ
کہدو سرکش سے کہ چلنے کو چلے کبر سے چال
ثبات بھر جہاں میں کہاں ہے سرکش کو
سرکشی صورتِ آتش نہ کر اے پارہ خاک
سرکشی عالم ایجاد میں بے جا ہے اسیر
سرکشی کو جانتا ہوں عیب میں رنگیں مزاج
سرکشی ادنیٰ سے بھی لازم نہیں آفاق میں
سرکشی کرتی ہے پامال جہاں مغرور کو
سرکشی کی جس نے عالم میں رہا محروم وصل
سرکشی عیب سمجھتے ہیں دلائل کمال
سرکشی آخر فرومایہ کو دیتی ہے شکست
فرومایہ کی گردن خم فلک سے بھی نہیں ہوتی
جو کی سرکشی اُس نے کچھ پھل نہ پایا
زیبا نہیں کسی کو زمانے میں سرکشی
جب آگ لگی ہے تو وہ پانی سے بھی ہو
سراٹھاتا چمن دہر میں کیا کیا انسان
سراٹھا کر نہ چلو جو فلک سے اک دن
کوئی دم سرکش کی اے تسلیم رہتی ہے نمود
کھاتے ہیں منہ کی صورتِ نوارہ سر بلند
سرکشی رفعت میں کچھ اچھی نہیں ہے منمو
منعم غرور مال پہ ہے سرکشی عبث
ہیں جو سرکش وہ زار رہتے ہیں
گلشن عالم میں دیکھو سرکشی کا ہی یہ پھل
جب ہوا تیر بلند آ کے گرا سر کے بل
تیر جب اونچا ہوا پکیاں کے بل آ کر گرا
ان سرکشوں سے رکھ نہ امید وفا کبھی
سرکشو بعد فنا خاک میں ملنا ہے ضرور

کہ ہے سر بر زمین شاخ نرودار
سرکش اگر زمین سے تا آسماں گیا
سر اٹھاتے ہیں تو کڑیاں پڑتی ہیں دیوار پر
موتی صدف کی طرح نہ دیکھے حباب میں
آخر اک دن خاک ہے سارے زمانے کی جگہ
کاسہ سر تو غریبوں کے نہ ٹھکرا کے چلے
کہ سر اٹھا کے کوئی دم حباب رہتا ہے
ذرہ ذرہ کو ہے معلوم حقیقت تیری
سیکڑوں خاک میں پنہاں ہوئے پیدا ہو کر
قد آدم نخل کوئی میرے گلشن میں نہیں
جان سے تنگ ایک پشہ نے کیا نرود کو
ٹھوکر میں کھاتے ہوئے دیکھا سر غفور کو
پہلوئے گل کیا ملا حار سر دیوار کو
خم نظر آتی ہے ہر اہل ہنس کی گردن
ٹوٹتا ہے نخل پر انجم خشت خام کا
بھلا تیغ گلی کو بھی کہیں دیکھا کہ کستی ہے
رہا سر و گلشن میں خالی اگر طکر
دھبا لگایا چاند نے اپنے جمال میں
سرکش سے زبردست فروتن نظر آیا
مثل فوارہ اگر پاس خستہ نہ ہوتا
صفت نقش قدم خاک میں ملنا ہو گا
دو گھڑی دیکھا نہ فوارہ کو یکساں سر بلند
گرتے ہیں سر کے بل ہوس اوج و جاہ میں
حال پوشیدہ نہیں نرود اور ضحاک کا
قاروں کے سر پہ بوجھ زمیں میں خزاں ہے
خار بے برگ و بار رہتے ہیں
بے ثمر ہے سرو اس پر پائے در گل اور ہر
سرکشوں کو یونہیں دیکھا ہے پشیمان ہوتے
سرکشوں کو ہم نے دیکھا سر سے گرتے بار بار
شاخ نہال سرو میں ہرگز شمس نہ ہو
سر اٹھا کر نہ کوئی خاک میں انساں بیٹھا

ایمیر

ای

11

11

11

"

11

"

11

11

11

نہ

ت

1

4

7

1

1

1

1

1

5

1

1

1

1

7

[illegible]

سرسی

بہار مرنے کے بھی کب اپنی جہاں آسودگی
پائے پھوٹے ہو کر سے سرگردن شاں گردش میں ہو
کشتی کرتا ہے کیوں ہے چند روزہ زندگی
پائے پھوٹ کر ہیں دلا کر ہے سرغفور کا

سی

سرسی بھی بلینج ہو مطلب بزرگ ہو
زینہ دراز چاہیے باجم بزرگ کا
جیت ہو راہ خدا میں نہ ہوان سے کوشش
وقت قدرت نے بنائے نہیں بیکارت دم
کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے پار
کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو
کوشش ہی نے اجرام سماوی کو ہے تولا
کوشش ہی نے طبقات زمیں کو ہے تولا
کوشش ہی نے رستہ نئی دنیا کا ہے سکھلا
کوشش ہی نے گوہر ہے نہ بحر سے رولا
کوشش ہی کا ٹھوٹی ہے سدا دہریں بولا
کوشش غرض طرف غاسات کا گولا
قدرت نے

سرسی

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

"

گر پڑے قوارہ سرکش نہ کیونکر سر کے بل
زیر دستوں سے نہ پیش آتو زبردستی سے دیکھ
سرکشی کر کے گرا قوارہ آخر سر کے بل
بحر جہاں میں موج کے مانند جھک کے چل
سرکشی مانند شعلہ اس قدر اچھی نہیں
جائے عبرت ہے یہ دنیا جھک کے چلنا چاہیے
پست کرتی ہے گولے کی بلندی آخر
چرخ بریں ہے تیغ بکھت بہر سرکشاں
اسے دوست سرکشی کا نتیجہ ہے بدترین
اونچا ہے سر تیغ دم ذبح بھی دیکھو
چاہیے جھک جھک کے ملنا سب دیکھو کشتو
پڑی ہے ساتھ ہی سرخیاں اک موج حوادث کی
کسی سرکش کو خدا نے نہ سرفراز کیا
دریا میں دیکھ لیں وہ جہاں کا پھوٹا
اگر زمانہ میں انجام سرکشی دیکھے
سرکش اپنے دور میں سو گھینٹے کیونکر بے خلق
عوض نفس سرکش سے یتا میں کیونکر
سرکشی سے ہے جو دکھلاتی ہے اس عہد میں داغ
گردن کشتی کیا حاصل مانند گولے کے
پامال لوگ کیا کیا آگے ہوئے ہیں تم سے
سرکشوں کی جناب باری میں
جو مالک گنج زر کا ہو بجا ہے سرکشی اس کو
کیا کوئی سر بلند کرے دعویٰ عروج
دار پر چڑھکے کہے کیونکہ نہ تصور نصیر
اہل دول کو چاہیے اتنی نہ سرکشی
ایک دم کی زندگی پر سرکشی مست کر جناب
سر بلندی پر ابھرت ایک دم کی اے جناب
سرکشوں کو خاک میں دی ہو یہ سختی ملا
لگے کس دم میں سرخیاں زمانہ سر اٹھانے پر
جہاں میں سرکشی قوارہ ساں کرتا ہے جو کوئی
جو سرکش ہیں اجا بھی ہیں ان کے دشمن جانی
گردن کشتی سے اہل صفا کو ہے اقرار
شعلہ شمع دھن رہا ہے سر

ہے بلندی کے عزیز و ساتھ پستی لگ گئی
ہو گئے کتنے زبیریاں زیر آنکھوں کے تلے
جو کہ ہیں سر کھینچتے وہ ہیں خجالت کھینچتے
بر باد سرکشی نے کیا گھر جناب کا
خاکساری کر کہ آخر ایک دن تو خاک ہے
سرکشی کرتے تھے جو پامال ان کی خاک ہے
سرکشی خاک میں ہر ایک کو ملواتی ہے
جس نے اٹھایا سر بہاں فوراً قتل کیا
بیوجہ پشت چرخ نہ معکوس رہ گئی
منظوم سے سرکش کبھی جھک کر نہیں ملتا
ٹھوکر میں کھانا نتیجہ ہے سر مغرور کا
جہاں نے جب اس بحر جہاں میں سر اٹھا رہا ہے
سر میں کیوں نہیں آتا ہے شمر کیا باعث
منعم جہاں میں سر نہ اٹھائیں کسی طرح
نوگر کے آباؤ پاسے ہر کلاہ ملے
بد دعا میں زکام زور و زور ہو نیکو ہے
مرے ہاتھ میری کمرنگ نہ پھونکے
ہو سکے تو تمنع ساں دیکھے رگ گردن جلا
اس دشت میں سر کاٹے جو سیل چلے جانا
اس پر بھی تم جو آئے پاں تم نے سر اٹھاؤ
مفسدوں کی طرح سے بندی ہے
کہ قوارے کو دیکھو پاس پانی کا خزانہ ہو
سایہ ہے پائمال سدا کو ہمار کا
حق ہے یہ بات بڑے بول کا سر نیچا ہے
پاؤں ہوئی شاخ شجر بھی شمر کے وقت
ٹل گئے ہیں خاک میں یاں کا سر ٹوٹ کر
بیٹھ رہ بحر جہاں میں تو کس راہ کھینچ کر
منعم غافل نظر کر سایہ دیوار پر
ناتنا منعم قوارہ ساں اچھلو خزانے پر
دلا آخر وہی پھر کمر بل کرتا میں پر ہے
بجھے آتش اگر پڑ جائے آپ زندگانی میں
نیکے سوائے سر نہ کبھی گردن جناب
سرکشی سے مگر پشیمان ہو

طفر

"

"

غافل

"

"

فدا

"

"

تلق

"

قدر

"

"

مینر

"

"

میر

"

"

ناخ

نصیر

"

"

"

"

"

داسلی

"

دقار

سوال

اے گلہ بجا ہے شکوہ اہل دولت سے
عرض کرنا مطلب دل موجب آزار و تھکا
نور و ناز پس میں دیگا جواب کیا
ہرگز کسی گدا کا نہ قطع سوال کر
عزت کی ہے ہوس تو زباں اپنی بند کر
ذلت سے حاصل نہیں کچھ سوال سے
مخلوق سے سوال ہے معیوب مودی
خالق کو خود خیال ہے ہر احتیاج کا
عمر تو گزری خدا سب زشتی اعمال میں
اب سوال اللہ سے کر نیکی انجام میں
جھولی ہے جس کے ہاتھ میں سب گدا سے
جس کے بغل میں رہتا ہے جاوویں اسے
طالب کدو کسی سے خدا سے مانگ دہی
امیر کو بھی جو دیتا ہے اور غریب کو بھی
حرف طلب جو لب پہ نہ بان سوال
دانتوں سے مکڑے مکڑے پیٹ کے لیے
دنیا میں ہاتھ پھیلتے ہیں پیٹ کے لیے
لوساں کو اور کے لیے کرتے ہیں خوار ہان
جب باب رزق بند ہو یہ در نہ کھل پائے
ساز و سامان

1

پھیلا نہ کبھی دست طلب غیر کے آگے
ہے تہمتی میں تو یکساں گدا ہو سوال
نہ جاؤں درپرسی کے نہ ہاتھ پھیلاؤں
ستم ہے سامنے بندوں کے پھر بھی ہاتھ پھیلاؤں
ہاتھ میں رکھتے ہیں کشتی کیوں گدائے خشک مغر
کیا کانسہ حباب سے ہاتھ آیا موج کو
دنیا کے تنگ چشموں سے کیا چشم فیض ہے
بڑھا کر دست حاجت آبرو اپنی گھٹانا سے
جواب یہ ہے گھٹاتے ہیں آبرو اپنی
اے فلک تجھ سے میں کیا دولت دنیا مانگوں
دنیا و دیں کے واسطے کیا التجار و
آہی رات دن حیرت کو بھٹتے تمنا ہے
خدا سے بھی کبھی مانگا نہ ہاتھ پھیلاؤں
پھیلا بغیر حق کے نہ ہر اک کے رو بہ
خدا کو چھوڑ کے بندوں سے ہوتا ہے سائل
کس لیے اس رازقی روزی رساں کو بھوک
جائے دروازہ پہ خلقت کے خدا کو چھوڑ
مجھ گدا نے بھی کسی شاہ سے ڈالا سوا
مانگا نہ کچھ کسی سے بھی ہم نے بزیہ چر
ان شعرا میں ہم نہیں وہ جو طلب میں پھرتے
پھیلاؤں ہاتھ اہل دول کے نہ رہے
اپنی حاجت خدا سے مانگ لے
ہم نے درخواست جو کی حق سے ہوئی وہ
نے شکوہ بخل نہ شکر کریم یہ
دولت دیں کا جو طالب ہے خدا سے طا
دنیا میں ہم کسی سے کبھی ملتی نہ
اس کے در سے کوئی محروم نہیں ہے
ہر ایک کے رو بہ و لازم ہے کیا
عوض میں ہاتھ کے لازم ہے پاؤں
ہر دم غبار خاطر اہل دول
جان اپنی تو خدا کی راہ میں بابا
ہے گداؤں سے فروغ مصل اہل
بے طلب دیں تو فرہ اس میں سوا ملتا

جس چیز کی حاجت ہو تجھے مانگ خدا سے
فرق اتنا ہے کہ اس پرتین اس پر چار حرف
خدا نے اس لیے بے دست و پا کیا مجھ کو
مقدور میں جو ہے دیتا ہے بے مانگے خدا مجھ کو
آج تک چلتی بھی دیکھی ہے کہیں خشکی میں ناؤ
پھیلا کسی کے آگے نہ تو بار بار ہاتھ
اے جوہری دراز نہ دست سوال کر
اگر ہو دست رس میرا تو کاٹوں ہاتھ سائل کا
دراز لوگ جو دست سوال کرتے ہیں
دست و دوناں کہیں ارباب ہنر دیکھتے ہیں
چاہیں تو ہم خدا ہی کو چاہیں خدا سے اب
نہ لے جائے کسی دریہ جو شش التجا مجھ کو
یہ ناپسند رہا شیوہ سوال مجھے
دست سوال سروزنادر بار بار
یہ کیا عقل سے خالی ہے بے خبر دیکھو
رزق کی خاطر سر پھرا کرتا ہے در در آدمی
کب مناسب ہے بھلا یہ بے نوا کے واسطے
گو مجھے بخت نے اسکندر و دارا نہ کیا
اللہ سے سوال ہے جو کچھ کہہ سوتے
نیل کے گھی کے لون کے جو کے گہو کے دھان کے
بندہ کا بندہ ہونا یہ بندہ کی غو نہیں
جانتا ہے وہ دم بدم کا حال
رہتی ہے صدق سے تاثیر دعا کے نزدیک
کیا کیا مزے اٹھائے ہیں ترک سوال میں
یہ طلب اچھی ہے اسکی یہ سوال اچھا ہے
طاہر بیہ التجا ہے خدا کی جناب میں
جو نہیں مانگنا ہے اپنے خدا سے مانگو
کرو جو کچھ کہ ہو پیش خدا عرض
نہ ان سے مانگ جو رد سوال کرتے ہیں
مٹی کیا فقیر کا رتبہ سوال نے
آئے گر سائل ترے در پر تو اسکو مت جھڑک
بھیک کا کاسہ ہے گویا دست سائل میں چراغ
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

عاشق
ظفر
عاشق
عزیزی
غالب

ساز و سامان عیش کا افلاک سے چاہا نہ کر
اس سے مانگو کہ جو خالق ہے تمام اشیاء کا
سمجھو صورت سوال اے منعم اوس کی
ہاتھ پھیلا نے سے بڑھ کر نہیں ذلت کوئی
جھڑکنا ڈانٹنا اگرچہ نہیں زیا فقروں کو
ممنج سے نہ پوچھ کر کیا سمجھو چاہیے
اسباب طرب جتنے تھے موجود تھے لیکن
میں بندوں سے کام کب نکلا
حق جو چاہے تو بندھی مٹھی چلا جاؤں میر
خوب کیا جواہل کرم کے جو دکھ نہ خیال کیا
سائل ہوں میں اے کریم تجھ سے
میرا کیا مستری جو خدا یا مانگوں
تیرے ہیں ہزار ہا تجھ میرے ہیں دو
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑ ہاتھ
اس کے سو کسی کے پاس گر تو جائے گا
ہاتھ پھیلا نے میں شکل برگ کچھ حاصل نہیں
ہمد تم تو اپنی خواہش دل کو خدا سے مانگ
جسے گر چار کے پنجہ کی طرح سے
کیا ملا عرض مدعا کر کے
ذلت ہے جو پھیلائے بشر پیش بشر ہاتھ
حاجت اپنی کی کہنے تو اس سے کہہ ولی
جس شے کی ہو احتیاج رب دیتا ہے
ہنگام طلب نہ دے گا ہم کو کیونکر
بہتر ہے یہی ہوش کروں اس سے عرض حال
جو سیر چشم ہیں کرتے نہیں طلب وہ کبھی
مانگنا اچھا کسی شے کا کسی سے بھی نہیں
بے واسطہ ملے وہ اسے جو طلب کرے

شاعری

آگے کم طرفوں کے ایدل ہاتھ پھیلا یا نہ کر
غافل خلق سے کیوں مہتے ہو سائل افسوس
اگر چپ ہے تو سائل بولتا ہے
مفت خوروں کی جو عادت ہو تو ذلت کسی
حرام محض ہے لیکن سوال رزق سائل پر
مرد فقیر آپ ہی صورت سوال ہے
ہمت مری سائل نہ ہوئی چیخ دنی سے
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ
مصلحت دیکھی میں نے ہاتھ کے پھیلا نے میں
ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ترک سوال کیا
محتاج رہوں نہ در بدر کا
خود دیتا ہے تو نہ مانگوں میں یا مانگوں
پھر ہاتھ اوٹھا کر تجھ سے میں کیا مانگوں
اس سے ہی مانگ جس کے ہیں اب سو کر وڑ ہاتھ
اس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوا اے گناہ
دیکھ غنچے کی طرف مٹھی میں زر پیدا ہوا
تدبیر سے حصول نہ ہو تو دعا سے مانگ
بہر دعا نہ دست تمنا اوٹھائیے
بات بھی کھوئی التجا کر کے
یارب نہ کبھی ہاتھ کا ہو دست نگر ہاتھ
محتاج جس کے نزدیک ہی قدیم وجد بیریاں
جو مانگتے ہیں لوگ وہ سب دیتا ہے
جو سارے جہاں کو بے طلب دیتا ہے
برائے بے کہے ہوئے جو کل کی احتیاج
ادا کہو لب سائل سے کب سوال ہوا
ساری دنیا میں کہیں پاتا نہیں سائل فروغ
در بار حق میں کیا ہو تو سل کی احتیاج

امیر اک مصرعہ ترنم کہیں صورت دکھاتا ہو
نام شاعر نہ ہی شعر کا مضمون ہو خوب
شاعر ہیں اس زمانہ کے دریوزہ گر امیر
بدن میں خشک جب ہوتا ہی شاعر کا ہو برسوں
پہل سے مطلب ہیں کیا کام شجر کس کا ہو
نکلے ہیں بھیک مانگنے دیواں بغل میں ہے

قدر
" "
" "
محب
" "
" "
میر
" "
" "
ماہ
ہر
" "
نظم
" "
نشاط
نیم
" "
" "
ولی
واسطی
" "
ہوش
" "
ہزب

شاعری

پہچانتے ہیں اہل انزوب سخن کو
خاموش امیر انہی مبالغت سے حال
عبث ہے سانسے جاہل کے شعر کا پینا
وہ بے لیر ہے اڑھے کو جو دکھائی چرخ
جب طبیعت ہی نہ حاضر ہو تو بیسود ہے
شعروں کو تو کہاں قافیہ بجائی ہے
دو عالم جس کو کہتے ہیں وہ بیت فی البدیہہ ہے
ازل میں امتحان اس نے لیا تھا طبع موزوں کا
منضامین طبع دریاوار سے بہتر جلتے ہیں
خدا کے ماسوازی سے کب گویا جلتے ہیں
نافع کے کانوں میں سخن کی نہ ہو وقعت
جس حسن صدف نظر ہے ہم وہ شاعر ہیں
زمین شعریں اپنا عمل میں خزانہ ہے
در مضمون عالی کا تصرف میں دیواں کا
خدا کا شکر بسم اللہ ہی سزاوارتہ ہے
میرے دیواں نے رکھا ہے سر پہ تاج قراں کا
نمایاں نقطہ نقطہ سے جو جلوہ نور پیداں کا
بننا ہے مطلع الانوار مطلع اپنے دیواں کا
دلی جذبات پر جب انحصار شاعری کھمرا
نواں کو کفر کہہ دیا ہو دانا کی کہ نادانی

ریہ
=
=
=
امیر
=
افسوس
=
=
=
=
برق
=
نما
=
=
نائب

شجاعت

سمجھتے ہیں جسے اکیر سب وہ ہے جو انزوی
شجاع اس کو میں کہتا ہوں بڑا ہی وہ سپاہی ہو
مزا بھی ہے کہ شیروں سے شیر لڑتے ہیں
دشمنان کیوں کر سکیں کرو فریب
ہے کلید باب فتح مدعا
راہ غربت میں کہ مشکل ہے تمام
صاحب ہمت کوں ہے نت دشگیر

جسے کہتے ہیں غفاری مروت اس زمانے میں
کہ جس کی جنگ سے شیطان اٹے پاؤں ہو بھاگا
وہ مرد کب ہیں جو پیچھا کریں شغالوں کا
عیتل زنگ و غاشم شیر ہے
ناخن مشکل کشا شمشیر ہے
ناتوانی کا عصا شمشیر ہے
مرشد حاجت روا شمشیر ہے

ایسر
تراب
میکش
ولی
" "
" "

شرم

اگرچہ گھر سے نکالا تھا مجھ کو راحت نے
میں سیر و اپنے خالق سے جو نعمت مانگتا
دفن ہوتا ہے چھپا کر منہ بشر زیر کفن
جسم و پنہاں کفن میں گور میں پنہاں کفن
انساں نہیں وہ جس کو نہ ہو کھلے جیاد شرم
اس درجہ شرمسار ہوں یا رب گناہ سے
جیاد جس جا نگہاں ہو وہاں درباں کی کیا حاجت
اک وہ ہیں سرخرو جو یہاں سے چلے گئے
خدا کو کیا منہ دکھائے گا تو ذرا تو اے جیاد جیاد
کبھی جو آتا ہے اعمال کا خیال مجھے

جیاد کو قفل دہان سوال ہونا تھا
اپنا منہ نہ ہونے کو پہلے آب خجلت مانگتا
خاک سے کرتا ہے کیا کیا خاک کا پترا جیاد
موت کے آنے ہی کیا کیا بڑھ گیا اپنا جیاد
بھاتا ہے جی سے شرم کو عالم حجاب کا
ہوتے نہیں جدا سرو زاروں کسی طرح
نگاہوں کا چہاں پردہ ہوواں کیا کام چلمن کا
ہم اے فدائے امت و شرمندگی میں ہیں
گناہ کرتا ہی برطانو کسی سے کرتا نہیں جیاد تو
کمال ہوتا ہے اس وقت انفعال مجھے

بحر
" "
تسلیم
" "
شرم
طاہر
عاشق
فدا
گویا
محب

شراب

پاکیزگی نفس دشمن ہے
جو ان پسیر گدا بادشاہ ہوتا ہو
اشد نے جس کو دی ہو عقل کا بل
پیدا نہ ہوں کیوں سرور میخواری سے
بحر غم میں غرق کرتا ہے خمار شرب مے
لڑا شراب پینے سے لے کون درد سر
دختر رز کو منہ لگاتے ہیں جو رند
جو مزے سے پی رہا ہو یاں شراب

انسان کو خراب کر نیوالی شے ہو
دکھا رہی ہے زمانہ کا انقلاب شراب
ہوتا نہیں وہ بنت عنیب پر مائل
مقلوب اغوافت ہے شراب لے غافل
کم نہیں دوران سر بھی حلقہ دگر داب سے
ساقی دماغ کس کو ہے رنج خسار کا
کہتے ہیں پہلے میا کو خیر باد
کیوں نہ وہ محروم از کوثر ہے

اکبر
ایسر
امجد
" "
برق
" "
بیدل
تراب

شراب
اس کو نہیں ملے گی شراب طہور و اں
جس کو یہاں مدام خمار شراب ہے
دل میں رکھتی ہے کہ درد ہے یاد درد ہے
آخری انجام اس کا درد ہے یاد درد ہے
نام منہ سے جب ہو مشہور عالم آفتاب
کا پتلا تہا ہے خوف حق سے مردم آفتاب
جو اس کے شرم میں پھل شراب بنتی ہے
کہ شرم و آب سے غافل شراب لگاتے ہیں
جیاد شرمسار ہیں شرم شراب کے لگا
اسی کے پائے شرم شراب کے لگا
اے ذوق دیکھو دختر رز کو شرم شراب
چھپتی نہیں ہے منہ سے شراب
پیلے تو کچھ آدمی کو پیا کرتی ہے شراب
رفقہ رفتہ ہر طرح پھر خوار کرتی ہے شراب
جیاد شرمسار ہیں شرم شراب
سوئے نفع کو سدا بیدار کرتی ہے شراب
آج آفت مال پہلے کل ہے شراب
زیست سے انسان کو بیزار کرتی ہے شراب
اہل عزت میکشی سے ہوتی ہیں خوار و ذلیل
بیچ یہ ہے آفتاب کواد بار کرتی ہے شراب
منہ سے

شکر

شکر

بجہ

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

<p>شکر کر تسلیم ہاتھ آئے اگر نہ ان جو ہیں دولت دنیا کی دیکھتی قناعت شکر ہے کیا شکر جس نے ہوا فتحیا ب خدا نے کہا ہے یہ قرآن میں رحمت حق کا ادا شکر ہو کیونکر ہم سے شکر سے میٹھی کوئی نعمت نہیں ہے فرض ادا ہے شکر لیکن کیونکر یہاں افلاس میں بھی شکر سے دم بھر نہیں غافل کس زباں سے شکر لطف عام ہو یارب ادا کیونکر نہ شکر خالق رزاق کیجیے شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا خاطر جہاں میں سب کے لیے ہیں صوفیوں شکر کس منہ سے ادا ہو تیراے رب کریم جز شکر کے شکوہ نہ کبھی آئے زباں پر میں بھلا کون ہوں اور میری حقیقت کیا ہے ہر مہربان خلق خاکی جو زباں ہو شکر نعمت چاہیے انسان کو ہنگام عیش اگلی وفا کا شکر ہوں جفا کا ابکی شکوہ کیا تیرے کرم کا ہے مقرر جسم پر میرے بال بال دیا تو نے مجھے اپنے کرم سے نور ایماں کا کس کس کا ادا شکر ہونا چیز زباں سے خدا کے خوان عنایت سے رزق ملتا ہے جو کچھ دے خدا اس کا احسان مانو ہر حال میں ہے شکر خدا کا بہت اچھا کہاں ہو شکر یہ خالق کی مہربانی کا رزق بے منت دیا مور و مگس کو دہر میں جب تک رہے وہن میں زباں اور زباں میں نطق زباں نہیں جو کریں شکر اس کی نعمت کا کیا نہ دست نگر غیر کا سوا اپنے ہر بال اگر جسم پر بندہ کے زباں ہو کیوں نہ ہوں میں شکر سے رطب اللسان شائق مدام کرنے شکوہ کہ مجھے یہ نہ دیا وہ نہ دیا کھانا ہے جس کا رزق دیا روز و شب مدام</p>	<p>یہ وہ نعمت ہے جسے کرتے تھے پیغمبر سپہ اے کریم آخر ترا مجھ پر کرم یہ بھی تو ہے کھلا اُس کے منہ پر ترقی کا باب فزون شکر سے مال ہو آن میں ہم گناہ کرتے ہیں اور اُس کو حیا آتی ہے رسم خط میں شکر و شکر ایک ہیں شکر نعمت بعت بر نعمت ہوا ادا وہ ناشکرے ہیں جو بھولے ہوئے پٹھو ہیں دولت پر ہے فقیروں کو لقب تیرے کرم سے شاہ کا ملتی ہیں نعمتیں ہیں اے آسمان لذیذ وہ نہیں لاتے بجا شکر خدا کے لایزال لازم ہے شکر نعمت پر وردگار پر لاکھ احساں کئے جو عضو بدن مجھ کو دیا انسان ہے باہر ہو تو مرنی رتب سے شکر کس طرح ادا مجھ سے ہو یارب تیرا مقدور کسے ہے ترے احساں کے بیاں کا کیا جو مثل شیر بٹھا جانور خس خانہ میں بہت روزوں جو ویسی کی تو دن دو چار ویسی کی شکر گزار ہیں ترے دلساں ذوا احناک کروں میں کس زباں سے شکر یارب تیرے احساں کا اس بندہ پہ مالک تیرے احسان بہت ہیں تسیر شکر کرو فیض یاب ہسم بھی ہیں کہ ہو شکر نعمت سے افزوں زیادہ ہے بندہ شاکر بہت اچھا بہت اچھا دکھایا لطف مجھے خوب زندگانی کا شکر کس سے ہو سکے یارب ترے احسان کا لب سے پاس نعمت یزدان نکالے اسی کے لطف سے یہ دیکھتے بہا رہیں ہم میں کس زباں سے کروں شکر اس عنایت کا نعمائے الہی کا نہ کچھ شکریاں ہو حال پر اپنے خدا کی یہ عنایت دیکھ کر شکر کرتا کہ دیا ہے تجھے انسان بنا رازق کا شکر یہ ہے تجھے بار بار فرض</p>	<p>تسلیم " تاب " تحقیق ثاقب " " جوہر جوش حالی خاطر رند " " سوز سحر سودا سخن " سراج سیفر " سجید سرور شفیق " شاداں شرم شائق " ظفر عیش</p>	<p>شکر سب کیا کرم سے اپنے عطا کی ہیں نعمتیں عاشق ہزار شکر خدا کے کریم کا بشر کو چاہیے شکر کہ ہے اللہ کے اسماں کا کہیں مطلب بکھتا ہے شکایت بہت بری قسمت کی کرنی بھی ہے شکایت کا ردے بر حال میں ہو شکر ہو شکر سے زبان مردم آبی نہ کیوں ہو شکر سے کہ رزق دیتا ہے وہی طبیعت نہیں جیسے قسمت بری ہے شکایت نہیں جیسے ہے شکر کی جگہ شکایت سے غیر ممکن ہے ادا ہو تیرے احسان و کرم سے غیور کرے شکر ایک دن کی نعمتوں کا گزراں ہوں جاری حاجتوں سے ہم کو یہ بھگوار دیا ہر دم ادائے شکر کیجئے آپ کی کس عنایت کا ادائے فضل خدا اسے قطب تجھ پہ ہوا فضل حق دل سے زباں سے اداکر شکر حق دل سے زباں سے شکر ہے کیا لگہ مجھ پر یہ مختار وہ سج ہو تو رنج راحت ہو تو راحت دیکھنا سج ہو تو رنج راحت ہو تو راحت دیکھنا دل اور زباں اور عقل بینیوں ہو یکساں احساں ہیں</p>
---	---	---	--

<p>کیا مرے دل کو ہونگ سحر و شام پسند ستارہ اپنا گردش میں ہو آتش کی گردش سے گردوں سے نہ ہو دولت و دنیا کا طلبگار شہسواروں کو گراتا ہے پشت زین سے عوض بھی ہے زمانہ کی استبازی کا فرصت عمر قلیل اور یہ قصہ ہے طویل خالق ہی جب نہ دے تو گلہ آسماں ہو کیا دشمن جاں ہیں سب زمانے میں چکی میں پیتا ہے نشیب و فراز دھس از بس بدی پر ابلق لیل و نہار ہے زمانے کی کچھ ایسی بدلی ہو اسے زمانے نے بدلا ہے دنگ اپنا جبے اہل عالم کا عجب دستور ہے چشم کرم کسوی سے اپنے تئیں نہیں رہی بچ پر بچ دیے ہیں ان دونوں نے یہ وہ زمانہ ہے ہنستے ہیں لوگ رونے پر خوش رہے کوئی گھڑی بھر تو غنیمت سمجھے بھیک مانگے سے نہیں ملتی ہے اٹھی رسم ایک دو کا شکوہ کس کس کی شکایت کیجیے سفلہ پرور ہے زمانہ عجب اس کا کیا ہے چرخ مینائی موافق ہو اگر کوئی اس زمانہ سے باہر نہیں انہائے روزگار سے اب کیا گم ہو اہل جوہر کو زمانہ سے شکایت ہی عبت ادنے سے ناموافقت روزگار ہے گردش چرخ سے قیام نہیں زمانہ مجھ کو عبث پائمال کرتا ہو شہد احمد بہت تھوڑی رہی ہے ای بحر کیا دنیا کا رنگ کہوں کس سے نہ مجھ کو انس با دشمنی رکھتا ہے ارباب منش و آسماں آج دنیا میں جو کرتے ہیں گلہ افلاک کا اس چمن میں رنگ کس کس سے نہیں پہنچا مجھے وسعت رزق آسپائے چرخ سے ممکن نہیں</p>	<p>اس پکری میں نہیں ابلق ایام پسند فلک کی تنگ چٹنی سے ہماری تنگ دستی سے کب فیض کو پہنچا ہے کوئی مال دنی سے کس قدر ابلق ایام بڑا مرکب ہے سلوک تو نے جو اسے چرخ کج ہندا کیا تا کجاش کو نہ سازئی بخت ایام ساتی نہ منہ لگائے تو ساغر سے کیا کہیں یاں کسی کا کہاں کوئی ہے یار صدے پہنچ رہے ہیں زمین آسمان سے اب جی میں ہے جہان سے باگیں اوہا کہ اب بھائی کا بھائی دشمن بنا ہے جو تا آشنا وہ بھی نا آشنا ہے کہتے ہیں بدنام کو بد سے بڑا رسم مروت اٹھ گئی ہر کہیں نہیں رہی شکوہ خاص کریں یا گلہ عام کریں ہوئی ہے نعمت نے پیش مردماں فریاد یہ زمانہ وہ نہیں ہے کہ کوئی شاد رہے بحر سائل کو پیالہ و آرگوں درکار ہے اور خلقت ہو نئی دنیا خدا پیدا کرے سم سلیمان کو دے چوٹیوں کو شکردے دور دور جام و صہب دیکھیے زمانہ کا کس سے گلہ کیجیے تھوڑی رہی ہے دیکھنا یہ بھی گزر گئی جانے والے نہ باقی رہے انجان ہے مالوف جس سے ہم ہیں وہ ہم کو رسیدہ ہی صبح گھر میں ہوں میں تو شام نہیں فلش کسی سے جو رکھتا نہیں خار نہیں چارون کے لیے کیا شکوہ ایام کریں بوسے دعا اک گل میں نہ پائی گلشن کو تمام کیا ہاتھ ملتا عمر بھر دم بھر جو راحت مانگتا کل وہی نہیر زمین شکوہ کر نیگے خاک کا شکوہ گلیں کا کروں میں یا گلہ عباد کا گرد و ناں اگر دنا حصہ ہی مہر و ماہ کا</p>	<p>شکایت جنگ دانہ پیادہ ہلکے دم کو ابلق رفت زمانہ چھریاں سر پہاڑ سے آسماں ہو کر کوئی ابلق زمانہ میں بھی ہوگا آشنا سے آشنا خوش آہی آشنا ہے زمانہ کس لیے دن بدن برب گھٹاتا ہے زمانہ کی مجھ کو بھی چھپا ہے کیا طاقت دل بیاہ کی اہل حق اگلے زمانے میں نزاروں تھوڑا اس زمانہ میں خدا واسے نہایت کم ہیں کب کسی سے کوئی اس وقت اہل مروت کم ہیں بے مروت ہیں بہت اہل مروت کم ہیں زمانہ آخری آفاقیت کیوں نہ ہو بدیا نفاق اب باں تک پہنچا مرید پرستے ہیں صد سے اس زمانہ میں عدو دشمن بھیجے اگر کہیں کہیں اک جاہم دو آشنا بھیجے اہل چہاں ہیں خراب اپنے علی سے تراب وضع بد روزگار دیکھیے کب تک رہے اغیا اس وقت کے ہیں بد معاشی و خراب کرتے ہیں برباد دولت اپنی ساری کاپالے گلہ سے زیادہ تر خراج ہیں اس وقت کے عمدہ کہ ہر صاحب دل کو تبتلائے کیا پاپا بخت لوگوں</p>
---	--	---

شکایت زمانہ

جہاں میں آشنا اپنا نہ پایا
جسے دیکھا اسے بیگانہ پایا
جب اس چین چھوڑ کے تم آئیاں چلے
تب اس چین بھی نہ پوچھا کہاں چلے
اک ہضمیر کا باکل بھروسہ
نہیں ہم کو تو اس کا زمانہ کسی کا
ہوا بھی ہے یا روزِ وقت آیا ہے
ابھی الاماں الرحمہ کا یہ وقت ہر زن میں
شائع باب بیوں میں ہو چھوڑا شوہر زن میں
دگرگوں ہے یا روزِ زمانہ کا ڈھنگ
نیپا ہے اب اس کا رخا نہ کا ڈھنگ
کاتبِ تقدیر کا اتر ہے دفترِ آج کل
صاحبِ تدبیر کا رہیں خانہ خراب
ساتھ بدکاروں کے غفلِ ششدر آج کل
موت ہی ہے عافلوں کی غفلِ ششدر آج کل
نفسی نفسی کی صدا ہے ہر روزِ ششدر آج کل
صاف آتا ہے نظرِ آشوبِ ششدر آج کل
انبیاءِ والا ماں الرحمہ کا یہ وقت ہے
دشمن جاں ہے چہرہ کا برادرِ آج کل
جس سے مانگی ہے چہرہ اور زندوں کی تسلی
نیرہو ہے وہ صدی یہ ہے مقرر آج کل
بالی بندگاں

بہت لوگوں کے نکلے کام ہم سے
جن کو وسعت ہے وہ تنگی سے بسر کرتے ہیں
اے دل راحت طلب شکوہ نہ کرنا چاہیے
آرام نہیں گردشِ بیجا سے کسی کو
لائے نہ کبھی شکوہ بیدادِ زباں پر
دوست نے وہ ستم کیے کہ مجھے
ایک دن ابلق ایام کرے گا پامال
زمانہ کے گلے شکوہوں کا قصہ مختصر ثاقب
ٹھوکر بن خوب کھلائیں مجھے درواری چرخ
بخت کا چرخ کا زمانے کا
بظاہر جس کو سمجھو دوست وہ باطن میں دشمن ہو
دو سنوں کے بن گئے ربِ دشمن آج کل
چار دن عیش سے رہنے نہ دیا دنیا میں
ہم پر زمانہ تنگ نہ ہونا اگر جلیسل
جس کو چاہوں وہ بُرائی چاہیے
چلی ہے کچھ ہوا ایسی کہ سیرۂ مک نہیں اپنا
تلخی دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج
اب تو دنیا میں نظر آتا ہے کمترِ خلاص
نام سنتے ہیں جہاں میں نظر آتا کسے
اہل زمانہ آگے بھی تھو اور زمانہ تھا
کیے درپردہ لاکھوں ظلم گو ہم پر زمانے نے
اس دور میں نصیب کہاں عیشِ جاوداں
زمانہ کو ڈاکر یہ کیا ہو گیا
وفانے گل میں نے چشمِ مروت باغیاں میں ہو
صدمہ ہر چند ترے جور سے جاں پر آیا
شاکِ نہیں خدا سے بنی گریہ شکلِ زشت
ہوئے وفارنگِ محبت نہیں ہو یاں
بیگانہ ہوا نہ ہووے آخر
یارِ اغیار ہو گئے اشد
نہ اپنوں نے کبھی پوچھا نہ بیگانوں نے آدکھا
یہ میری آنکھ کی تقصیر ہے میں دوسوں کو
جہاں میں پوچھتا پھرتا ہوں میں ہر اک یاری کو
بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہانے بھائی

ہمارے کام پر کوئی نہ آیا
اہلِ دولت ہیں بہت اہلِ سخاوت کم ہیں
جو دکھائے گردشِ ایام دیکھا چاہیے
عالم مجھے فانوسِ خیالی نظر آیا
یوسف سازِ زمانہ میں برادر نہیں ملتا
ہوس شکوہِ عس و زری
مجھ سے رہ رہ کے گڑتا ہر تیرہ توں گیا
یہ طولِ شام غمِ صبحِ قیامت کا فسانہ ہو
پانوں سے باندہ دیا رزق کے پیانے کو
کام ہے خاک میں ملانے کا
ہوا ہے انقلابِ آج جوشِ ایسا زمانے میں
ہر تعجب ربطِ متفاطمیں آہن آج کل
خاک نے آہنے آتش نے مولے ہم کو
آتے نہ سوئے میکدہ ہم خانقاہ سے
ہائے نیکی کا زمانہ ہی نہیں
گلستاں جہاں سے ارگئی ہو محبت کی
یہ بھی ہو یا رو کوئی رنجوں میں رنج
نہیں رکھتے ہیں برادر سے برادرِ خلاص
اس زمانہ میں غنقا کے برابرِ خلاص
پر اب جو کچھ ہے یہ تو کسی نے سنا نہ تھا
مگر افسوس ہم اب تک نہ یہ جو رو جفا سمجھے
غم بھی اگر ملے تو دوسری ارغماں ہو اب
مروت نہیں کچھ محبت نہیں
نکل ہل کہی اس بلغ سے کنجِ قفسِ بہتر
تسپہ شکوہ نہ کبھی میری زباں پر آیا
ممکن نہیں کھار کا مائی گلد کرے
یارِ ب تو اس چین سے مرا آئیاں اٹھا
ایسا کوئی آشنا نہ دیکھا
کیا زمانہ کا انقلاب ہوا
ابھی اس جہاں میں آنکر جز رنج کیا دیکھا
جسے غمخوار سمجھا تھا وہی اہلِ دغا نکلا
محبت اٹھ گئی یارو ہوا کیا دوستداری کو
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادرِ ہودا

یا الہی بندگاں پر خطا پر رحم کر بھروسہ کس کی محبت کا ہم کریں یا رب کیا یکے سخن شکوہ بیداد زمانہ مرے نزدیک غیبت سے سوا ہے آسمان کو غبار ہے ہم سے فریب و مکرو دغا و حسد ہر ایک میں ہے دستلی اسے شہید چھوڑ دو ہیں جتنے خلیش افار بن سب عقارب ہیں ہوں تنگ زمانہ سے مگر جاؤں کدھر آد برکونی یاں رنجش بے وجہ پر آمادہ ہو ہو گئے طبع بھی کے سر اسر خوگر کچھ زمانہ سے نہیں حاصل بخیرینج و الم رکتا ہے ٹھوکروں میں زمانہ ہیں مدام فلک پیر کو گوش شنوائ تو نہ دیے دی ہے نکلنے یہ کوئی کشتی مقصود اس زمانہ میں ظفرا یسے کہاں درد آشنا نہیں دنیا میں ہوا خواہ کسی کا کوئی یکساں نہیں عالم کوئی دشمن ہی کوئی دوست امید آشنا سے تو کیا وہ زمانہ ہی بحسہ عالم کی ماہیت دیکھی ہوں تنگی زمانہ سے دلنگ اس قدر ہوئی ہے گردش دوراں جو خاک تک برباد یہ زمانہ وہ ہے اے عاشق کہ اب زمین و چرخ کے دو پاٹ مثل آبیاں ملے اہل دنیا کے بہت ہاتھ سے تنگ یاہوں زمانہ میں نہیں کچھ اتنی زناقص و کامل جب توقع ہی اٹھ گئی غالب یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے مارا زمانہ نے اسدا شد خاں بخش کہوں کیا خوبی او ضاع ابنائے زماں غالب خاک میں ناموس پیمان محبت مل گئی خالی نہیں ہر عالم و جاہل سے روزگار گنجایش لے فدا نہیں اخلاص کی ذرا	درہم و برہم زمانہ ہے سر اسر آجل پدر سپر سے پھرے اور سپر پدر سے پھرے ہم نے جسے چاہا وہ ہمارا نہیں ہوتا بجا ہویا کہ عجبا ہو شکایت ایک دن خاک میں ملا دے گا عجب طرح کا دکھانی دیا جہان کا رنگ دنیا میں نہیں کوئی کسی کا کسی عزیز کا اس وقت میں کہاں ہی عزیز عالم کوئی عالم سے ترالا نہیں ملتا لطف صحبت کا نہیں افراد انساں میں رہا حیف دنیا میں بے نام بھی انساں ہے اہل دنیا سے طبیعت کو اٹھایا چاہیے گویا کہ ہم ہیں سنگ کسی رہ گزار کے دی زباں مجھ کو کہ کر رنج و سخن کا شکوہ ہی ایک بلا گردش گرداب زمانہ چاہتا دل میں نہ ہو جو ایک غاری ایک کی کچھ نصیبوں ہی سے بن جاتی ہی انساں کی ہوا ہے ایک سے راحت تو ظفر ایک سے تکلیف بھائی سے رفع ہونہ برا در کی احتیاج آشنا دشمن آشنا کے ملے ارماں کے دل میں رہی کی دوست کیا تھا چھٹے گا وقت فنا واسطہ زمانے کا وجہ ذلت آبرو ہو نے لگی جو ان کے درمیاں آئے وہ پسکر مرسانگلے عاشق اب زیر زمین اپنا گزارا ہوگا برابر سے فلاطوں ہو کہ موطن دبستانی کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی لوح جہاں پہ حرف مکر نہیں ہوں میں وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی ہر بار نیکی اٹھ گئی دنیا سے راہ ور رسم یاری ہائے ہری کوئی ہے بے وقوف کوئی ذی شعور ہے مینہ بھرا ہوا ہے جمال کا اتفاق سے	سعید سراج سخن سحر شرم شہید شائق صابر طاہر ظفر عرش عاشق عارف غالب فدا	شکایت نامہ شخص گہکیاں سے شاکی دنیا میں کہاں موافق ایام عضب کی مشق ہے بھلو بھی اسے نیز نگاہ کردم میں بیکردوں نقشے بھاٹکے کوئی دفع اس زمانہ میں گاہ کس کا کہے کوئی دشمن کیا دشمنی دوست بھی اب کرتے ہیں دلیلی ہے قسمت الٹی ہے زمانہ کی ہوا الٹی ہے وہ مجھے بھول گیا میں قیامت سے ابھی سے کیا بات ہے عالم میں قیامت سے زیادہ افت نہیں انسان کو انساں سے زیادہ تنگ تر ہے دست حاجت دل ابناءے دم کس کے آگے ظاہر اپنی تنگدستی کیجیے نہیں ہے وسعت روزی زمانہ میں کہ بلال ہے نیم خان کی خاطر میں تو ہیں نے لائق بقول سودا اس دور میں تو ہیں نے ایسا نہ دیکھا کوئی جو کوئی بشر کو پکھے بولہوس شاد ہم رہیں ناخوش کیا خدا کی عجز و کوتاہی ہے مدام عالی نسب کا خون جلزوت ہے مدام غلہ کو ہم نے دیکھا تو فرم بہتر دیایں نیز رگوں میں
---	---	--	--

شکایتیں ماننے
رکھنے مانع مجھ کو محفوظ اس زمانہ میں خدا
وقت خبر آگے کبھی خطاب نہ کرے گا تو ہے
اس دور میں گزر نہیں جہ غم نہیں
وہ کو نسا ہے دل کہ جو ابد و سبھی
کہ دٹ پرلنے کی بھی نہ وصت ملی
مجھ کیا ہے تنگ زمانہ نے اس قدر
کچھ خاص کسی بات پر اگر نہیں موقوف
اب تو وہ زمانہ ہے کہ عجیب ہنر ہے
کسی نے لی نہ خبر غرق بحر الفت کسی
ان آشناؤں کی یاں آشنا یاں دیکھیں
بہ انہماں جو بچے کسی سے رنج اسے نظم
کہ موت پیار کوئی دور آسمان میں نہیں
نہ چھو دور کو دوں میں صلاوت زندگانی کی
کہ اپنا خون پیتے ہیں مزہ لے لیکے شربت کا
گردش ہی ہے رشتہ تبیح کی طرح
آرام مجھ کو یکدیوں منزل نہیں ملا
گردش سے ہم جہنم میں ہے عورت ہلال
کشتی اگر ملی بھی نوسال مینائی
مغلوں ہے مزاج فلک مینائی
طرفہ بزرگ دکھلاتا ہے طلسم ایام
اک ناک

کیا ہوا ہاے زمانہ تری رفتار کو آج
 نکتہ چینوں کی کسی روزبری گت ہوگی
 دنیا میں ایک مہر و محبت مگر نہیں
 سلوک آج وہ یاروں سے یار کرتے ہیں
 ہوا بیلٹی ہے ایسی دیکھنے والے کو حیرت ہے
 کیا کوئے زمانہ ناسازگار کو
 محتاج ہے ذلیل ہے بے روزگار
 وگرنہ عیش تو عطا ہے اس زمانہ میں
 جز خاک کیا نصیب ہوا ان کو پال کے
 ریگ رواں پہ نقش بنایا مٹا دیا
 چھینٹا ایک سے ہی ایک کو گردیتا ہے
 اس زمانہ میں مرقع ہی جہاں تصویر کا
 وہ دور اب نہیں رہ زمین آسماں نہیں
 دوستی ہی دشمنی الفت نہیں کلفت ہی آب
 نا آشنا ہیں اک دم یہ اک دم آشنا ہیں
 ان کو اس روزگار میں دیکھنا
 بھلا کسی سے جو کرتا نو وہ بڑا کرتا
 دونوں ہاتھوں سے تھاپیے دتار
 سب اس گزندہ کی ہی سیہ مار کی روش
 سیر دنیا ہے روزگار فریب
 کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا
 کہ ان دنوں یہی تاثیر ہے زمانے کی
 کہ آشنا کو نہیں پاس آشنائی کا
 کوئی کسی کا زمانہ میں آشنا بھی ہے
 دنیا میں بے وفا ہیں سبھی با وفا ہی کون
 اتنے تو گنہگار زمانہ میں نہیں ہم
 جی کے دشمن رہ گئے اہل مروت مر گئے
 تو نے کس سے نہیں بُرائی کی
 گزرنے گزرتے گزر جائیگی
 بوئے گل کو بھی جو دیکھا تو پریشان دیکھا
 زلال کیونکہ ہو مکدر عروج ہی دُردنہ نشیں کا
 ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم
 وہ کون جا ہے جہاں چاہ زبر کا نہیں

ہوئے گل، کو کھرج، یکہ، از، رشا، ویکھا

وہ کون جا ہے جہاں چاہزیر کا ہے

نوح	بخت کا، چرخ کا، زمانے کا	اک نہ اک، اک نہ اک کاشاکی ہے
وقار	کیا ہی وضع زمانہ برہم ہے	بتکدہ ہو گیا خد کا گھر
"	زمانہ فرق کچھ اشرف اور کمینوں میں	ہوا ہے جب سے کہ اس نیرہویں صدی کا دور
"	علم و فن میں جس کو استعداد کامل ہوگی	یہ زمانہ وہ ہے ناقص اس کو سب کہنے لگے
چشت	اس کے قابل مگر بشر نہ ہوا	امن عالم میں کیوں نہیں یارب
"	جس کا شمار عیب میں کل تھا ہنر ہی آج	اپنا تو دل ہے خون زمانہ کے رنگ سے
"	کیونکہ نہ روئے کہ طبیعت پہ ناز ہے	وحشت سخن شناس زمانہ میں اب کہاں
"	بس یہی ایک کمال باقی ہے	گرم بازاری سرب نہ پوچھ
دہی	راحت رساں تو کم ہیں پر انداز رساں بہت	ابنائے روزگار کا کیا پوچھتے ہو حال
"	مقدرت لیکن کچھ رباب کرم رکھتے نہیں	جس دنی کو دیکھتے ہیں ہر دم وہ مالا مال ہی
ہمایوں	کہ نوع انساں کو تو نے تادیب دی کہ انساں بنادیا ہی	وہ کیسے ناداں ہیں جو کرتے ہیں ای زمانہ نری شکا
ہمد	زمانہ کا طور اب عجیب دیکھتے ہیں	نہ پاس محبت نہ چشم مروت
ہنر	بگڑا ہے رنگ کیا چمن روزگار کا	پڑمردگی مشکفتہ دلوں کو ہوئی نصیب
ہوش	بہال کا ہے دور نہیں قدر ہنر آج	جو چاہو کہو ہوش زمانہ ہی پر آشوب

صبر

ناگوار ہو غم دنیا تو ہے درکار صبر	صاف کرتا ہے توقف آخاک لود کو	اسیر
ہوئی ہے دل کی ضیا صبر خداداد کے بعد	ضاد اس واسطے کرتے ہیں تم صداد کے بعد	"
صبر تلخ است و لیکن بر شیریں دارد	مبوءہ چیں چمن خلد ہر اک صابر ہے	"
نالہ کش اہل دول صاحب تکمیل صابر	شور دریا میں ہی خاموش لب ساحل پر	"
صبر کی لذت اگر طبع گدا پیرا کرے	خشک روئی تان نعمت کا مزہ پیرا کرے	"
مال دنیا جو مرے پاس نہیں صبر تو ہے	شکر کرتا ہوں کہ اب کچھ نہیں درکار مجھے	"
نہ دیتا صبر تو ہنم بھی نہ دیتا	جو غم دیتا تو صبر اللہ دیتا	"
نہ دینے پر جو صبر اللہ دیتا	برا بد تھا نہ دیتا خواہ تیا	"
لقمہ صبر کی لذت کوئی کیا جانے	ذائقہ اس میں بھی ہے نعمت الہاں کی طرح	"
بہت بخشی مجھے دنیا کی دولت	ابھی صبر بھی محفوظ اعطا کر	"
دولت صبر عطا کی ہے خدا نے محکو	زیر خنجر بھی نہ تڑپوں گا میں بسمل ہو کر	"
صبر کا کچھ حال طوفان حوادث میں نہ پوچھ	ایک خرمن نھا سو وہ بھی وقف سر ہو گیا	"
تحت قلع و مال و دولت کیا کروں	یا الہی صبر نے محفوظ ا مجھے	"
صبر کی تلخی کی حالت میں اٹیم	یہ بکھیرا سب ہے کچھ دن کے لیے	ایم
جلد بازی کی بھی عادت ہے بری	کام میں صبر و سہولت چاہیے	افضل
جو مستدر میں ہے ملتا ہے ضرور	چاہیے انساں نہ ہوئے نا صبور	افسوں

صبر
 صبر کے دل میں کتنا راج ہے
 دو جہاں میں اداس کے سر پہ راج ہے
 آدمی کے لیے دنیا میں عادت رکھے
 خوش نصیبی ہے وہ جو عیب کی عادت رکھے
 گلے شکوے نہ کر ارض و سما کے
 خدا کو یاد کر بندے خدائے
 خدا نے صبر کی دولت ہمیں غایت کی
 خزانہ جو روخفا کا دیا غیبیوں کو
 صبر کر اپنے مقدر کے کچھ پہلے
 روئے دھونے سے بھلا ہوگی یہ تقدیر سفید
 عاشق صبر سے بہتر نہیں کوئی لذت
 شہد ہوتا ہے پی نہ ہو گوارا ہو کر
 جو اپنے لیے جانتے ہیں رنج کو راحت
 کانٹوں پر بسر کرتے ہیں گلزارِ صبر کے
 اگر نہیں ہے ذائقہ صبر و شکر سے
 اگر نہیں سوال کو اپنے گدا جواب
 دیتا لب سواں نہ پہنچے حوادث نہ ہوا
 وار کیا کیا نہ رہے زخم بھی گریاں نہ ہوا
 ایسے بٹاش رہے زخم بھی گریاں نہ ہوا
 تنگی میں جو صابر ہو تو حاصل ہو کشائش
 بندے پہلا پہنچے تو دے اس کو خدا صبر

[illegible]

مجلس

صحبت
فاشوں سے جس کو صحبت ہو وہاں
خدا فیاض کو محتاج کے سایہ تلے رکھے
کہ دنیا کو ہے دیہ سے صحبت اس طرح
اہل دنیا کو ہے دیہ سے صحبت اس طرح
نیک کار کا رونا دانا کی مجلس میں لطف
کس طرح دانا کو دنیا میں غدا بقیہ ہے
صحبت ناخس دنیا میں غدا بقیہ ہے
اس کی صحبت میں رہو جس سے ہدایت پاؤ
جب ہیں ادب و اہل صحبت لائق صحبت کم ہیں
فیض صحبت سے کوئی ادنیٰ ہوا علی کیا مجال
آدی ہونا نہیں ممکن کبھی پسند نہ آد کا
صحبت جاہل سے اہل علم کو گریض ہو
بلبل شیریں بیاں گھبراے کبھی چین
عافل کو نہیں صحبت جاہل سے کبھی چین
چٹک کو بلا جانتے ہیں اہل بصیرت
مغافل کو کر دیتی ہے صحبت پاکبازوں کی
سیاہی نامہ عصیاں کی دھل جاتی ہے تنگوں کے
صحبت اہل اختیار سے عیب بتاؤ نہ ہر
دہریہ داغ کف مری پرینا ہوا
بے حوصل پر

نہ ہوگی گرم صحبت سرکشوں کی خاکساروں سے
 راستبازوں نہ کج طبیعوں سے ہو کیوں کر گریز
 باوقاروں کی صحبت میں سبک ہیں بے وقار
 نہ ترک صحبت احباب کیچھتہ ماتخ
 قربت منعم سے ہو خاک مفلس کو حصول
 ہو صاف دل کو صحبت کم طرفت ناپسند
 صحبت اسفل سے اعلیٰ کو مناسب ہے گریز
 قبول صحبت اہل صفا ہی صافی قلب
 اثر لطفہ پہ جو غالب تھا صحبت کا اثر
 معرا علم سے جو ہیں نہ ان میں بیچہ از غافل
 واسطے صحبت احباب ہے اپنی تو حیات
 جو بیٹھے صحبت جاہل میں کیا ہو نفع جاہل کو
 وزیر نیکوں کی صحبت سے بد بھی ہوتے ہیں نیک
 اسے عزیزان سیر گلشن ہے گل ذراغ الم
 صافی دلاں کے پاس بیٹھنا ہے کسب غریب کا سبب
 غنیمت ہے ہم جن تک ہے صحبت
 چھوڑ دوں دھڑکی محبت کو
 غنیمت ہے غافل یہ دنیا میلا
 نہ دیکھے کوئی یارب دوست کو دشمن صحبت میں
 کیا سے ہے زیادہ صحبت روشندلاں
 رکھیں اہل صفا تیرہ درونوں سے نہ آمیزش
 رہتے ہیں تیرہ درونوں سے دور روشندلاں
 ملے کب فائدہ تریاق کا نہ ہر لالہ لال سے
 زہد زائد نہ کم صحبت تر دامن سے
 نیک صحبت سے بشر کو فائدے ہوں بیشمار
 نیک صحبت سے وزیر ہو درست انسان کا
 صحبت عالم سے انسان کو ملے علم و ہنر
 ہندسہ داں کی جو صحبت سے ہنر ہو ہرور
 صحبت شاعر سے ہم شعر ہو انسان کو
 راہ ایماں پر چلے جنت میں ہو انساں کا گھر
 نیک صحبت سے بشر کے دل کو راحت ہو ضرور
 صحبت ہمتاب سے اکھم ہیں روشن چرخ پر
 چور کی صحبت سے چوری میں اگر پھنس جائیگا

سلامت رہ نہیں سکتی دم بھر آگ پانی میں
رابطہ دم بھر نہیں رہتا کہاں سے تیر کو
ہو سکے کوہ گراں کا نہ کبھی نکل بھاری
گرا جو برگِ شجر پائمال رہتا ہو
آبِ دریائے ہوا ہو تر لبِ ساحل کہاں
دم بھر ہوا ٹھہرتی نہیں ہو جواب میں
کانپتا ہے پر تو خورشید روشن آب میں
صدف کو صاف دلی ہے صفا گھر کیلئے
زراغِ شیرنگ عیثِ مرغِ سلیمان نہ ہوا
کہ گمراہی کے رستے صحبتِ جاہل سوتلی ہیں
کس طرح خضر بسر کرتے ہیں تنہائی میں
جنگا ئے خوابِ غفلت سے کبھی غافل نہ غافل ہو
کسی کو کاٹے نہ زہارِ یاسیں کا سانپ
صحبتِ احباب ہے معنیِ بالغِ زندگی
دریائے ہو کر تہِ نشین پہنچا ہے موتی آب کو
بھروسے صنم کیا زندگی کا
نیک سمجھوں نہ بد کی صحبت کو
لے گا نہ بھر کوئی ساتھی بچھڑ کر
یہ ایسی سیر ہے جس کا تماشا ہو نہیں سکتا
خاک بھی رتبہ نہیں جس کے حضور اکیر کا
جو پانی کو ملاؤ تو کہاں ملتا ہے روغن ہے
جہانیاں سے رہے کیوں نہ فرق سے خورشید
بدوں سے ہو کبھی نیکی نہ حاصل ہم بھی سنتے ہیں
قریبِ بحر سے تر دامنِ ساحل نہ ہوا
نیک صحبت سے ہو حاصلِ غرٹِ خروار
نیک صحبت سے طریقہ ہو درست ایمان کا
صحبتِ صانع سے صنعتِ بسکھے دنیا میں نشر
ہند سے کے علم سے واقف ہو جو خوفِ خطر
صحبتِ سیاح سے ظاہر جہاں کا حال ہو
صحبتِ درویش سے امیدِ دل پائے بشر
بطنی مٹ جائے دل کی نیک عادت ہو ضرور
نیک صحبت کا جہاں میں نیک ہو بیشک اثر
قید ہو کر قید خانہ میں بشر پہنچائے گا

محبت عیاش میں پیدا کیجیگا انسان اگر
نام بد ہو جائے گا برباد ہو گا مال و زر
نشہ بازوں کی اگر صحبت کرے گا اختیار
مہر و بیوش و تاب و طاقت کھوے گا بیکار
محبت مکارا کرے گی انسان کے پسند
میکے باعث تو پیچھے گا ضرور اس کو گزند
محبت بدکا ہو جس انسان کے دل میں قیام
فاقلوں کی وہ نظر میں خوار رہتا ہے مدام
محبت بد سے بگڑ جائے گی خاتیاں کی
بھول کر بھی پھر نہیں چلنے کا راہ ایمان کی
محبت بد سے مناسب ہے شکر کو اجتناب
محبت بد میں ڈپے گا ہوگی پھر مٹی خراب
محبت بد سے گھڑایا لکھوں کا فقر و قار
محبت بد سے ہزاروں ہوئے دنیا میں
محبت بد سے ہر شکر کو محبت بد چھوڑے
اس سے لازم ہے شکر کی محبت کرے
خوف از ذل میں رہے نیکی کی محبت کرے
اسے ہر غی سے دعا کر محبت بد بچا کرے
نیک محبت میں تھے لا کرا نہ اچھا دکھائے
محبت نیکوں کو غم سے دینی ہے نجات
محبت نیکوں کو غم سے دینی ہے نجات
محبت نیکوں کو غم سے دینی ہے نجات

کتاب کی تہ پر لکھی ہوئی عبارتیں
 ۱۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۲۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۳۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۴۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۵۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۶۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۷۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۸۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۹۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں
 ۱۰۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں

سبز باداں سے کبھی دانہ گوہر نہ ہوا
لاکھ کھینچے غلط پر رہتا ہے روغن آب پر
دیکھ لو ہے شہر سے باہر دوکان مینفوش
دزد مایوس ہے جس گھر میں ہو مہتاب چراغ
کس لئے فانوس کا پہنے ہے پیرا ہن چراغ
بسر ہوتی ہے اپنی محبت گبر و مسلمان میں
کس کام کا وہ آئینہ جس میں کہ دل نہیں
پیرا ہن سیاہ سے عیب حرم نہیں
رواں ہے سکہ خورشید و شہنشاہت کشور میں
کیا شب مہتاب سے نسبت شب دیو کو
دیکھا ہے کس نے آب گہر میں نشان موج
دیکھتا ہے کوئی کب تار یک شب میں
ہے برابر موعرب میں یا عجم میں آئینہ
کیا بواصحرا ب مسجد ہو اگر تیار کج
دل یہ ہے کیا اگر ہو چہرہ ہند و سفید
کرتے ہیں ہر مکان میں شمس و قمر گذر
پڑتی نہیں گرہ کبھی چینی کے بال میں
وہ آئینہ ہے یہ دل جس میں میں رنگ زیب نہیں
چینی کا خمیر اٹھتا ہے چالیس برس میں
بڑھ جائے نور کعبہ جو پوشش سیاہ ہو
دوست دشمن پہ کشادہ ہے در آئینہ
ظاہر ہے یہ کہ آب گہر بے حباب ہے
کھٹک کب چشم آئینہ میں ہو شرکان جوہر ہے
کسی کو کام نہیں کچھ صفا گزینی سے
دوست دشمن دونوں یکساں ہیں اگر دل صاف ہے
پانی زمیں پہ جانب پستی روانہ ہے
آب گوہر میں ہے آتش ننگ اور آہن میں ہے
رخسہ نہ ہو ا موج کی تلوار سے کوئی

[illegible]

محب

صحبت
فاشوں سے جب کہ صحبت ہو بہاں
قرواں کب اس سے تم بستر رہے
خدا فیاض کو محتاج کے سایہ تلے رکھے
کہ یہ دنیا کو ہے دید سے صحبت اس طرح
اہل دنیا کو ہے جیسے ہونا مرد کے ساتھ
زندہ کار کا رخ کی مجلس میں لطف
کس طرح دانا کو ہونا دان کی مجلس میں
صحبت ناخوش دنیا میں غدا بقیہ ہے
اس کی صحبت میں رہو جس سے ہدایت پاؤ
جگ ہیں ادب اش بہت لائق صحبت کم ہیں
فیض صحبت سے کوئی ادنیٰ ہوا علی کیا مجال
آدی ہونا نہیں کہیں کبھی ہرگز نہیں ہو
صحبت جاہل سے اہل علم کو گرو فیض ہو
بیل شیریں بیاں گھبراے کیوں صبا سے
عافل کو نہیں صحبت جاہل سے کبھی چین
چٹیک کو بلا جلتے ہیں اہل بصیرت
مغفاد کو کر دیتی ہے صحبت پاکبازوں کی
سیاہی نامہ عصیاں کی دھل جاتی اور شکوے
صحبت اہل خیال سے عیب بتاؤ نہ ہر
دہر میں داغ کہت ہوئی بیضیا ہو
بے حوصل پر

صحبت
 وہ فیض ہے عالم تیرا اے صحبت نیک
 ہر کو بھی پہنچائے سدا رہ گزر
 کہیں دے رہا تھا تیل کو قریب
 اب عطربائے غیرت شکستہ
 قریب نہروں کو بھی ہنر مند کر دے
 اے صحبت نیک بھگو آتا ہے وہ فن
 ان کی عادات اور ان کی ہی
 شہج کو رکھ برادہ صندل کی بو
 اور دیکھ کہ دانوں میں ہے اگر تیرا گزر
 قریب نیکیاں ہیں سے فرشتہ بیکر
 ہو جائے گا انساں کو ذرا اس کر کے
 جس طرح کہ پارس کو جاتا ہے زر
 آہن اے ہنرمیں ہو جاتا ہے
 تھام شکر ہے خلیک بہم یارو کی صحبت ہے
 غذا کا فضل ہے پیر خدا کی نعم پر محبت ہے
 دنیا ہیں بُرا ہے گوتج کا روگ ہے مجھ
 قسمت سے ملا کرتے ہیں یہ لوگ ہے مجھ
 ہے عجب احباب غنیمت اے میر
 تو اس ندی ناؤ کا سب جوکل ہے مجھ
 نہ ہوگی

صحبتِ زنداں سے واجب ہے حذر
آساں نہیں ہو وقعتِ دربارِ اے خدا
گلشن میں لطفِ بلبل و گل ہے بہار تک
ہزار صحبت ہو ان سے نیکو مگر کیا ہو مطلب
سابقہ جتنک اے قلق نہ پڑے
فیضِ لوحِ عاقلوں کی صحبت سے
کہنا نہ مانے میں کوئی مزہ نہیں ہے
صحبتِ اٹھا و اچھی تم بھو عاقلوں میں
جہاں میں صحبتِ بد سے حذر رکھے محفوظ
دانا چائے صحبتِ منعم میں آبرو
صحبت کا اثر ہرگز حواں کو نہیں ہوتا
ذیل سے نہیں بھتی شریف کی صحبت
سرعتِ برق سے صحبت کی ہے تاثیرِ رب
صحبتِ نیکِ ابد کی ہے تاثیر
تقریبِ عجبِ قلب کو ہوتی ہے محب
صحبتِ بد کے اثر سے نہیں بچتا کوئی
باز رکھتی ہے خدا کے قرب سے
ہمو کے ہی رہتا ہے صحبت کا اثر
ہیں جو آہن دل اثرِ صحبت انہیں کرتی نہیں
کرے کیا صحبتِ نیک ان پہ تاثیر
بانع میں کیسے کھلے جاتے ہیں پھول
اثرِ پھول پر کس دن ہو ادین محسوس کا
کہتا ہے ہر زمانہ اکیر
یہ دیکھ کمال کر دیا بد کو نیک
پھولوں کا جو سوتا کا ہو اقرب اے یار
نیکوں میں پیٹھ مہر نیکوں میں پیٹھ
دامانِ ملوثاتیوں چاک ہوا
بہتی ہوئی گنگا ہے تو اے صحبتِ نیک
جس طرح ہے دلفراغِ غلے گلزار
تیرا وہی فیض ہے اے صحبتِ نیک
کھٹی بھی تھی جس درخت میں نارنگی
اے صحبتِ نیک آفریں ہے بھگو
بازار میں ہے اگر دوکانِ عطار

غالب	جائے اپنے کو کھینچا چاہیے
فدا	دشوار تر ہے کام حضور ملوک کا
قدر	سمجھ تو یہ ہے کہ صحبت باراں ہر چند روز
"	کہ تلخی زہر شری سے کیا مزہ بدلتا ہے انگلیں کا
قلق	حال انسان کا ہو کیا معلوم
کمال	بھاگو تم جاہلوں کی صحبت سے
"	پر صحبتوں سے بھاگو ان میں بھلا نہیں ہے
"	پیدا کمال کر کے شامل ہو کا ملوں میں
لائق	مدام چشمِ حد سے خدا رکھے محفوظ
منیر	دریا میں اپنے اصل پر آب گر رہے
معنی	انسان کے رنگِ آخراں پر پڑتے ہیں
منتہی	نصیب در دکشوں کو زوال ہوتا ہے
عجب	اس اثر سے نہیں ممکن ہے بچانا دل کا
"	خلفۂ کب بُرا بھلا ہے دل
"	چار آدمی مل بیٹھتے ہیں جب اک جا
"	زدا و باش کے سایہ سے بھی نفرت اچھی
منت	صحبت جاہل کمی چیز ہے
"	جاہلوں سے میل جول اچھا نہیں
ماہر	آگئی کس دن گدازی شمع کی گلگیر میں
معمور	ازل سے جن کی طینت میں بدی ہے
محو	سب کو آئی مجسمِ احباب خوش
میکش	کہیں ناقص بھی کامل ہوتے ہیں صحبت سے کامل کی
مہر	در اصل ہو قرب رستاں کی تاثیر
"	طاقت ہے اسی میں کہ بدل دے تاثیر
"	ہے آج بزرگوں کے گلے کا وہ ہمار
"	آنکھوں میں جھٹھائیں تاکہ تھکوا ہوا
"	انسان لوٹ بدی سے بیباک ہوا
مہر	جو تجھ سے ملا آن کے وہ پاک ہوا
"	آتا ہے وہاں دل میں سکون اور قرار
"	جو تجھ سے ملا آن کے وہ پاک ہوا
"	پیوند لگانے سے ہوئی وہ بیٹھی
"	عادت نہیں تبدیل طبیعت کر دی
"	خوشبو سے ہے عطر بنی سارا بازار

نہ ہوگی گرم صحبت مگر کشوں کی خاک ساروں کے	سلامت رہ نہیں سکتی دم بھر آگ پانی میں	مہر
راستباروں نہ کج طبیعوں سے ہو کیوں کر گریز	را بط دم بھر نہیں رہتا کہاں سے تیر کو	ناخ
باقاروں کی صحبت میں سبک ہیں بے وقار	ہو سکے کوہ گراں کا نہ کبھی نخل بھاری	"
نہ ترک صحبت اجاب کیچھ نہ ناخ	گرا جو برگ شجر پائمال رہتا ہی	"
قریب منم سے ہو خاک منفس کو حصول	آب دریلے ہوا ہی تر لب سال کہاں	ناخ
ہو صاف دل کو صحبت کفر ناپسند	دم بھر ہوا ٹھہرتی نہیں ہی جواب میں	"
صحبت اسفل سے اعلیٰ کو مناسب ہے گریز	کا پتتا ہے پر تو خورشید روشن آب میں	"
قبول صحبت اہل صفاء صافی قلب	صدق کو صاف دلی ہے صفا گھر کیلئے	نشاط
اثر لطف پہ جو غالب تھا صحبت کا اثر	زاغ شیرنگ عبث مرغ سلیمان نہ ہوا	"
معرا علم سے جو ہیں نہ ان میں مٹھائی غافل	کہ گمراہی کے رستے صحبت جاہل ہی ملیں	نفیس
واسطے صحبت اجاب ہے اپنی تو حیات	کس طرح خضر بسر کرتے ہیں تنہائی میں	واسطی
جو مٹھے صحبت جاہل میں کیا ہو نفع جاہل کو	جنگاے خواب غفلت سے کبھی غافل نہ غافل ہو	"
وزیر نیکوں کی صحبت سے بد بھی ہوتے ہیں نیک	کسی کو کاٹے نہ زہار یا سیں کا سانپ	وزیر
اے عزیزان سیر گلشن ہے گل ذراغ الم	صحبت اجاب ہے معنی بلوغ زندگی	ولی
صافی دلاں کے پاس بٹھنا ہے کسب غریب کا سبب	دریلے ہو کر تیشین پہنچا ہے موتی آب کو	"
غنیمت ہے بہم جتنک ہے صحبت	بھروسے لے منم کیا زندگی کا	وقار
چھوڑ دوں دھڑ کی محبت کو	نیک سمجھوں نہ بد کی صحبت کو	"
غنیمت ہے غافل یہ دنیا سیلا	ملے گا نہ پھر کوئی ساتھی بچھڑ کر	وجاہت
نہ دیکھے کوئی یارب دوست کو دشمن صحبت میں	یہ ایسی سیر ہے جس کا تماشا ہو نہیں سکتا	وحشت
کیمیا سے ہے زیادہ صحبت روشندلاں	خاک بھی رتبہ نہیں جس کے حضور اکیر کا	ہمدم
رکھیں اہل صفا تیرہ درونوں سے نہ آمیزش	جو پانی کو ملاؤ تو کہاں ملتا ہے روغن ہے	"
رہتے ہیں تیرہ درونوں سے دور روشندلاں	جہانیاں سے رہے کیوں نہ فرق سے خورشید	"
ملے کب فائدہ تریاق کا زہر ملاہل سے	بدوں سے ہو کبھی نیکی نہ حاصل ہم بھی سنتے ہیں	"
زہد زاید نہ کم صحبت تر و امن سے	قریب بحر سے تر دامن ساحل نہ ہوا	بوش
نیک صحبت سے بشر کو فائدہ ہوں بیشمار	نیک صحبت سے ہو حاصل غرت فخر و تار	ہنر
نیک صحبت سے دیر ہو درست انسان کا	نیک صحبت سے طریقہ ہو درست ایمان کا	"
صحبت عالم سے انسان کو ملے علم و ہنر	صحبت صانع سے صنعت سیکھے دنیا میں شر	"
ہندہ داں کی جو صحبت سے اشر ہو ہرور	ہندہ سے کے علم سے واقف ہو خوف و خطر	"
صحبت شاعر سے فہم شعر ہو انسان کو	صحبت سیاح سے ظاہر جہاں کا حال ہو	"
راہ ایمان پر چلے جنت میں ہو انسان کا گھر	صحبت درویش سے امید دل پائے بشر	"
نیک صحبت سے بشر کے دل کو راحت ہو ضرور	بنی مٹ جلے دل کی نیک عادت ہو ضرور	"
صحبت متاب سے اکھم ہیں روشن چراغ پر	نیک صحبت کا جہاں میں نیک ہو بیشک اثر	"
چور کی صحبت سے چوری میں اگر پھنس جائیگا	قید ہو کر قید خانہ میں بشر پچتا ہے گا	"

صفائے باطن

ہیں ہم تو اس پاک طینت
غیب کو خست باطن ہے
جو ہیں اہل صفا کیا کام ہے ان کو تلون سے
کبھی اٹھتی نہ دیکھیں ہم نے سوچیں آئیں کی
غیر کا احساں اٹھاتے ہیں کہیں اہل صفا
دل وہ آئینہ ہے جس کو حاجت صیقل نہیں
کام ظاہر سے نہیں کچھ صفا باطن چاہیے
چہ فرسائی ہے باقی سچ گردانی عبث
اہل جو ہر کو کدورت سے خدر لازم ہے
زنگ لگ جانے سے ہو جاتی وہ مصفا خراب
جس جگہ میں صفا طینت ایک ایسی بیت و بلند
آگیا پانی چھاں سطح برابر ہو گیا
غیبی رخت ہے کیا اہل صفا کو درکار
دیکھ لو آئینہ ملی فین صفاے قلب سے
واہ کیا دولت کی سونے کے گھر میں آئینہ
سبھی چاندی کی شہبہ ہے نہ
دشمنوں کا عیب بھی بے مال کا
کیونکہ جو کچھ بد ہو ناخن دیکھتے ہیں اچھا
لا ہے جن کو دل مصفا ہے کوئی دیکھتا نہیں اچھا
ہو چکا ہے آئینہ میں بدھا ہوا آئینہ ہو خط گاہ

کھفتے

بد کو اپنے زنگ پہ لاتے ہیں پاک باز
صحبت جاہل سے ہر دانا کو یوں لازم گریز

صفائے باطن

پاک طینت نہیں لیتے ہیں کسی کا احسان
کب رہیں اہل صفا ہو کر کسی کے زیر دست
صفا باطن صحبت مروت سے رکھتے ہیں گریز
دل روشن ہو بری وسوسہ شیطاں سے
صفا باطن کو لباس ظاہری درکار کیا
بزرگ آئینہ ہر ایک سے دل صفا رکھتے ہیں
اہل صفا کو وضع سبک سخت عیب ہے
کلفت بدن کی گزند سے دل کو بے صفا
جو روشن دل میں ان کا اک جہاں ہر تابع فرماں
تیرہ باطن صفا باطن کو نہ پہنچیں گے کبھی
چین چین سے اہل صفا آشنا نہیں
ذنب اہل صفا کیا سمجھنے کے یہ تیرہ سخت
جو صفاے قلب رکھتا ہے وہ ہے ہر دلعزیز
عیب ظاہر سے ضرر کچھ اہل باطن کو نہیں
زینت ظاہر نہیں ہے نور باطن پر دلیل
روشنیوں کو روک نہیں ہے کہیں اسیر
بے رنج ہیں جو صحبت اہل صفا میں ہیں
ہے ایک تسکین بد و نیک دوست دشمن سے
دشوار ہے کچھ دل کی صفائی نہیں آسان
باطن کو کیا خسرانی ظاہر کرے خراب
نیک و بد دونوں ہیں ارباب صفا کو یکساں
اہل صفا کو کب سے ہے سرسروش اسیر
مخالفت رنج دیکھتے نہیں ہیں صفا طینت کو
بزرگ آئینہ یکساں نظر میں ہیں بد و نیک
آئینہ کو دیکھ کر ثابت ہوئی ہم پر یہ بات
دل جن کے عطا ہیں وہ تو صانع پسند ہیں
سخت دل کو کب ہے حاصل رتبہ اہل صفا
ہوتے ہیں کہیں اہل صفا باعث ایذا

ہوتے ہیں پڑ کے آگ میں میلے ظروف گریخت
جس طرح نفرت ہوا سے یحتماں کو تیرے

سبز باداں سے کبھی دانہ گو ہرنہ ہوا
لاکھ کھینچے خلط پر رہتا ہے روغن آب پر
دیکھ لو ہے شہر سے باہر دوکان میفروش
دزد مایوس ہے جس گھر میں ہو مہتاب چراغ
کس لئے فانوس کا پہنے ہے پیراہن چراغ
بسر ہوتی ہے اپنی صحبت گرو مسلمان میں
کس کام کا وہ آئینہ جس میں کہ دل نہیں
پیراہن سیاہ سے عیب سرم نہیں
رواں ہے مسکند خورشید روشن ہفت کشور میں
کیا شب مہتاب سے نسبت شب دیکھو کو
دیکھا ہے کس نے اب گھر میں نشان موج
دیکھتا ہے کوئی کب تار یک شب میں
ہے براہر موعرب میں یا عجم میں آئینہ
کیا ہوا صحرا ب مسجد ہو اگر تیار کج
دل یہ ہے کیا اگر ہو چہرہ ہند و سفید
کرتے ہیں ہر مکان میں شمس و قمر گذر
پڑتی نہیں گرہ کبھی چینی کے بال میں
وہ آئینہ ہے یہ دل جس میں میں رنگ زیب نہیں
چینی کا خمیر اٹھتا ہے چالیس برس میں
بڑھ جائے نور کعبہ جو پوشش سیاہ ہو
دوست دشمن پر کشادہ ہے در آئینہ
ظاہر ہے یہ کہ اب گھر بے حجاب ہے
کھٹک کب چشم آئینہ میں ہر شرکان جو ہرے
کسی کو کام نہیں کچھ صفا گزینی سے
دوست دشمن دونوں یکساں ہیں اگر دل صاف
پانی زمیں پر جانب پستی روانہ ہے
آب گوہر میں ہے آتش رنگ اور آہن میں ہے
رخسہ نہ ہوا مودج کی تلوار سے کوئی

کلفت سے آئینہ صاف کر دل
فی المثل آئینہ ساں شفات جس کا دل نہ ہو
سب پر روشن ہو یقیناً کہ ہر صورت ہے
لغزش نہیں کرتا قدم ارباب صفا کا
اک قلندر کی پسند آئی مجھے کتنی یہ بات
صفائے قلب سے ریزہ نگیں ہیں بحر و بردونوں
سیاہی دور کر دل کی نوپید انور عرفاں ہو
زیادہ چشم سے لازم ہے روشنی دل میں
اہل صفا کی قدر نہیں کرتے تیرہ روز
دیں نہ ارباب عفا ہرگز کسی کے دل کو رنج
صاف ہو ہر چند بد باطن عزیز دل ہو
روشن دلوں کو بار حوادث سے کیا گزند
ہیں خرابی سے بری اہل صفا نہ پر فلک
صاف ظاہر ہو گیا سرمایہ زیب و صفا
صورت آئینہ اے انگور مہر اک سی صاف
عقائے دل ہو تو راز نہ نہاں عیاں کھیں
کہ ورت سے جس کا کہ سینہ صفا ہے
منہ کہتا ہے بھلا اور بُرا آئینہ
حرص دنیا کو کیا جگہ ہو کہ دل
آدمی جب آئینہ ہے آدمی کے واسطے
مس دل کو کیا ہے صاف جس نے
ہے سزاوار نہ بارت جو صفا پیدا کرے
حاصل صفائے قلب ہوئی کس نفس سے
صفائے قلب حاصل ہو ہم کو سلطنت جم کی
بیش روشن طبع سائل کیوں نہ مالا مال ہو
صاف باطن ظاہر پر نظر کرتے نہیں
مرگ سے غافل نہیں جو شخص ہے روشن ضمیر
انسان کو عاف سینہ بے کینہ چاہیے
ہمت آلودگی سے پاک طینت پاک ہیں
عرض سے اے شیخ کعبہ ہر دل صاف رکھ
حسن باطن کو نہیں پروا اے زیب ظاہری
صورت تصویر ہر لوٹ ہوس سے پاک ہیں
عارفوں کے قلب کی کیا بات ہے عرش مجید

یہ آئینہ ہے جلا کے قابل
دیکھنے والوں کو تسکین اس سے کچھ حاصل نہیں
منجلی آئینہ سے اہل صفا کا سایہ
انداز و پسندیدہ ہے مردان خدا کا
چار ابرو کی صفا سے دل صفا ہوتا نہیں
ملازمینہ سکندر کا مجھے آئینہ سازی سے
سرفری کو کچلا جس نے مال اُس کا خزانہ ہے
خیال یا رہے اس گھر میں میہاں ہوتا
روشن ہے حال آئینہ سے زنگبار کا
گوشہ دامن سے امکا جاڑکب بلور کا
کچ نہ آئینہ ہر گز دہل کے قابل نہیں
صرصر سے گل ہوا نہ چرخ آفتاب کا
شدت باراں سے کب آئینہ کا گھر گر پڑا
کیا تعجب ہے جو باطل با صفا ملتا نہیں
دامن دل پہ نہ کچھ گرد ملال غم رہے
اک آئینہ میں طلسمات دو جہاں دکھیں
وہی با صفا ہے وہی بے ریا ہے
ہے جہاں صاف دلی بات صفا آتی ہے
نفت تو حید کا خزانہ ہوا
ناخوش خوش ہو ہو کیوں مدح و ذم کیا کیجئے
زر و عرشید میں طل جانتا ہے
خلقت آئینہ کچھ کعبہ کے پتھر سے نہیں
میں خاک ہو کے عرش خدا کی ضیا ہوا
کہ گھر بیٹھے ہے آئینہ حقیقت سارے عالم کی
ہنر باں رفیع کرتا ہے قسمر کی اختیاج
سنگ بھی ہے دیدہ اہل نظر میں آئینہ
صبح کے ڈر سے یہاں شکو نہیں موتی ہر شمع
منہ دیکھنے کے واسطے آئینہ چاہیئے
چادر آب رواں کو شست و شو کیا غرض
چاہے جبہ رنگ چاہے جامہ احرام رنگ
ہکمت گل کو نہ اکیدن فکر عریانی ہوئی
جو جسد جس میں رہے ہم وہ جس گرتے نہیں
اولیاء کا ہر سخن ہے ترجمہ مشکوہ کا

صفات باطن

گز آری ہوصاف تو چہ نہ نظر آئے
حق چمکے ہے اس دل میں نہ جو جس میں کدورت
صوفیوں کو تصفیہ دل کا مقدم ہے زراب
قلب ہے جس کا ملوث وہ بدن دھوتا ہے کیا
بدن کو اپنے بھی پاک و صاف رکھتے ہیں
کیا نہ آئندہ دل کا تصفیہ پاک
رہے دل میں سوا اس کے نہیں سمجھ
یہاں نازل وہی وار و وہی کچھ
کرے تصفیہ باطن طہی صوفیہ کچھ
نواب آئینہ دل پہ جو کوئی ہے جلا چاہے
آداب است کہ ہمارے دل کی از ہمہ کی
زاہد اگر آرزو ہے تجھ کو بہت اللہ کی
نہیں کہتے ہیں کسی سے وہ کدورت ہرگز
صوفیوں کے دل صافی کو میں پاپ کیا صاف
صفایں آری صوفی کے دل سے کیا زیادہ ہو
کہاں یہ لوح محفوظ اور کہاں وہ لوح سادہ
تا یک اس کی قبر نہ ہوگی کسی طرح
جس کا خدا کے نور سے روشن ختم
نور حق کا جس کے دل میں بھرا ہے
حقیقت کو ہر اک

صاف ہو جاتا ہے آئینہ کدورت سے مگر
 صاف باطن ہیں جو کہ دیتے ہیں گتے ہیں وہی
 سایا ہے جو خاطر میں خیال ایزد برحق
 دشمنوں سے صاف باطن اور پاتے ہیں فروغ
 ہے عمارت کا بنانا دہرفانی میں عبث
 نہیں کینہ ہے دشمن سے بھی اس کو
 اٹھا پر دہ زمیں سے تنا بمرشش
 کر صفا حاصل کہ دل میں جلوہ گر ہو جائے یار
 رنگ و دوئی کو دل کی صفائے مٹا دیا۔
 دل کی صفا ضرور ہونی خود نمائی کو
 تیرگی ظاہری کھوئی نہ باطن کا فروغ
 روشن دلوں کو ہونہ سیہ باطنوں سے رنج
 لوح دل سے کبر و کینہ دھوئے جب
 دل کا آئینہ اگر رنگ گناہ سے پاک ہو
 شائق دل اہل صفا کا نہیں کوئی
 نمود اپنی اگر چاہے صفائے قلب پیدا کر
 آبر و پائی تھی کیا میں نے صفائے قلب سے
 دل فیکری سے صفا کر اس سے کیا حاصل اگر
 منہ پہ جو کچھ ہے وہی دل میں ہے
 خوف کیا روشن دلوں کو خانہ تاریک سے
 جن کی طینت پاک ہے وہاں نہیں لگتا نہیں
 کدورت سے صفا سے فرق ہو جاتا ہے رہیں
 جو روشن دل ہیں وہ کب رکھتے ہیں پروگرام
 اللہ سے صاف دل کی ہمارے صفائیاں
 عاشق ہیں کدورت دنیا سے کیا غرض
 صاف دل جو نہیں شکل ہے ہی یا نیترا
 حرص دنیا سے دنی سے پاک رکھنا چاہیے
 طینت کی بھی صفا کو ہے صحبت میں کیا اثر
 غیر تو کوئی نہیں پھر کیا ہے یہ ما و منی
 دل کا آئینہ کدورت سے اگر ہوتا بری
 صاف باطن کے نہیں کھلتے ہنر
 روشندلوں کو سخت سیہ سے ضرر نہیں
 سے عیش ہے صفائی دل کا یہی طریق

جب کہیں دل میں عبارت آیا صفا ہوتا نہیں
 ہم تو ہو جاتے نہیں سہوا بھی میا کے نزدیک
 گزر پھر کیونکہ ہو دل میں مرے دوسرا شیطان کا
 دشمنی کچھ شمع سے چلتی نہیں گلگیر کی
 چاہیے انسان کو ہر حال میں تعمیرِ دل
 یہ رکھتا ہے مرا صدق و صفا دل
 دیدہ دل جب کہ میں نے وا کیا
 آب میں موجود ہے گو اس سے دور آفتاب
 وہ آئینہ ہوں عکس بھی جس کو گرائے اب
 بے آئینہ نظر نہیں آتا ہے یار رخ
 نقش کا غدر پر سفید اثبات ہے اپنے نام کا
 سایہ جلے نہ آتش نخل چیار سے
 وصل ہے تحکم محبت بوئے جب
 سارے آئینہ سے ہو طاہر یہ بہتر آئینہ
 اس آئینہ کا دیکھنے والا نہیں کوئی
 جہاں میں آئینہ سے نام روشن ہے سنگداز
 سینہ بے کینہ تھا یا آئینہ کا خاندان
 تو نے داڑھی کو بڑھایا یا صفا چٹ کر دیا
 مثل آئینہ با صفا ہیں ہم
 قبر میں جا کر چراغ عقل کب گم ہو گیا
 خاک میں سوئے ہیں پر میل اکفن ہوتا نہیں
 انہیں بالوں سے بنتے ہیں یہ یکی وہ دوشمالی
 دیکھو اپنے گھر میں کچھ رکھتا نہیں زر آئینہ
 جس جا نگاہ کی وہیں جلوہ ہے نور کا
 رکھتی ہے کام ہم سے صفا اور صفا گم
 یعنی گمراہ نہ پائے گا ٹھکانا تیرا
 یوں تو دل کو سب کہا کرتے ہیں دل اللہ
 جو اپنا آشنا ہے وہ روشن ضمیر ہے
 ترک کر عاشق اسے دل کی صفا کی واسطے
 اپنے دشمن کو بھی ہم اپنا برا در جانتے
 آئینہ میں جس طرح جو ہر ہے
 گل ہو چراغ من کا نہ مار سیاہ سے
 مرغوب دل ہو جو کوئی شے تو اسی کو چھوڑ

عشق شوق
 " " " " " " " " " " " "
 صابر طاہر
 " " " " " " " " " " " "
 عاشق
 " " " " " " " " " " " "
 عشق
 " " " " " " " " " " " "

صفا کے بارے میں
 صفا ہوتی ہو کہیں عارف صفا طینت
 کہ صفا آئینہ زبا عشر حیرانی ہے
 نہیں چھٹی عداوت ہو کر آفت
 محبوب آئینہ دل میں صفا ہے
 اہل صفا ہمیشہ ہیں تکلیف سے بری
 اپنے نگاہ کو نہیں ٹھکا ہے خار کا
 صاف رکھنا دل کو آئینہ کی شکل
 صفا میں مسلمان نہیں
 کیا ہے آئینہ دل نہ بتھکا ہوگا
 جب تلک آئینہ دل نہ پیدا ہوگا
 جلوہ عکس رخ بار نہ بدست
 صفا دل جو ہیں ہمیں روغن پا
 تیرے آب کو دیکھا کا دامن ہے
 سینہ مارو شن ہے یہ موسیٰ عمراں کا
 بادادہ ایسا کہ کدورت میں بیخوں
 اہل صفا کے اہل کدورت میں صفا شراب کا
 تنہا ہے درد میں صورت میں ہونہ
 مخفی میں فوراً چاہیے کہیں چہر بلال کا
 یوں تو سیاہ تھا کہیں کام اتنی ہے
 نور معنی میں ہو صورت نہیں کام اتنی ہے
 تنہا بال حبیبی درد سیاہ نام بہت
 چشم ظاہر

صفا کے باطن

صفا کے قلب پر کریمہ ہے لایا
اسی میں شمس اسے قمر کیسے بارش ہے
بد سے کیا ہو نیک طینت کو ضرورت ہے حال
زنگ نیر و ربط فطرت سے نہ ہو کا فوار کا
مل گیا خاک میں تو یوں اہل صفا جاتے ہیں
دیکھو جاتے ہیں تو یوں دنیا نے کہو دیا
دل کی صفا کو خواہش دنیا نے کہو دیا
تو دامن نے جامہ تن کو ڈبو دیا
دل کی صفا کو جسے تو اسے کھو دیا
دل کی صفا کو اپنے کیا در شہوار کھو دیا
ما تھو جسے اپنے باب صفا کے گھر میں
جو صفائی نہیں ارباب خدا کے گھر میں
فقر فاقہ رہا محبوب خدا کے گھر میں
غم سبکنا نہیں ارباب صفا کے گھر میں
موت کو دخل نہیں ہے آئینہ دار
خاک بر سرِ ظاہری باطن میں آئینہ دار
خوب احوال دل اہل صفا معلوم ہے
دل جو رہتا ہے زمانہ کی کدورت سے بری
آئینہ کے بھی زیادہ وہ صفا ہوتا ہے
اپنا گرد پس سے پاک ہے دل
آئینہ سے سو صفا ہے یہ

چشم ظاہر سے صفائے باطنی جاتی نہیں
دل نہ ہو صاف تو ظاہر کی فقیری کیا مال
زہدگی میں کہیں ہوتی جو صفائے باطن
مثال آئینہ ہم سب سے ہیں صاف
دل پاک و صاف ہو تو حد کیا ضرور ہے
صاف طینت کو نہیں درکار کچھ اپنا عروج
جو کہ روشن دل ہیں ان میں عیب ہی تو نہیں
صاف دل زینت ظاہر کے نہ ہونگے محتج
ہم صاف دل ہیں صورت آئینہ اے قلق
حال خوب و زشت کہہ دیتا ہوں نہ صاف صاف
آنکھ میں روشن دلوں کے شمع ہی ایک ہی
کام کہ آئے شب تاریک میں گل کا چراغ
روشن دلوں کو گردش دوراں کیا ہے خوف
ہر آن اس کے سامنے دلبر ہے جلوہ گر
سینہ بے کینہ ہو تو اچھا ہے۔
کہنا ہوا جو کہہ دیا رکے نہیں کہیں
جو دل ہیں مصفا وہ کدورت نہیں رکھتے
پوچھو یہ نکستہ مرد کامل سے
سات پردوں میں بھی چھپ جاؤ گے جاگڑ جائیں
کریں صقیل تو پھر یہ دل مجلا ہو ہی جاتا ہے
تیرگی دل کی صفا کر کے دیکھ
آگیا صاف دل میں عکس دوست
دل کی آتش کو خوب روشن کر
کدورت ہو دل صاف تب آنکھیں کھلیں اپنی
آئینہ خانہ جب اس دل کا مجلا ہو گیا
قلب تیرہ پر اگر صقیل کریں روشن بنے
حیرت ہو سکندر کو وہ صورت نظر آئے
جہل و پندار سے کہہ دو کہ نکل جائیں وہ
فلک جس طرح تر ہوتا نہیں ہے ارباب اسے
نظرِ ناپاک ہے تو اس میں کبھی شے ناپاک
جس طرح عرش سے رحمت کے فرشتے اتریں
انہیں کو ہوتا ہے دیدار یار بے پردہ
دیدار کی اسے ہر ہوس بواہو سی ہے

کب ینام سُرُخ سے ہو جاتی ہے تلوار سُرُخ
ناحق آئینہ صفت صاف کرے چار ابرو
جانتی چشم لحد آنکھ کا تار اہم کو
جو دل میں بات ہے نہ پردہ ہی ہے
جس سے کو پیچھے وہ شراب لہو رہے
آئینہ کے گھر کو دیکھو احتیاج بام کیا
دیکھ لو دیکھا ہے کس نے جو شمع طور کا
نور آئینہ کا بے خانہ زر کیا ہوگا
سب نیک و بد ہیں ایک ہماری نگاہ میں
ہوں وہ آئینہ کہ جس سے ہیں مکدر سیکڑوں
رشتہ زنا و سبہ کعبہ تیخانہ کے بیچ
جب تلک روشن نہ ہو لائق ترے دل کا چراغ
خورشید کو گھٹاؤ نہیں ماہتاب سے
دل کو جو آئینہ کی طرح باصفا رکھے
نہیں اچھی ملاں کی باتیں
ہم صاف گوئیں دل میں چال و چیں نہیں
آتا نہیں کچھ رنج و محن آئینہ کے اندر
راہ کیوں دل کو ہوتی ہے دل سے
دیکھ ہی لیں گے مگر چشم بصیرت والے
اندھیرا ست گیا جہدم اجالا ہو ہی جاتا ہے
چشمہ آب بقا تجھ میں ہے
واہ کیا کہنا اس صفائی کا
گر تجھے کچھ فروغ پانا ہے
نفل میں ہی چھپا رکھا تھا ہم نے نور کا ٹرکا
دونوں عالم کا تماشا اس میں پیدا ہو گیا
ہے ہر ایک انسان کے پوشیدہ تن میں آئینہ
آئینہ ہے آئینہ داں ارباب صفا کا
خانہ دل میں میرے صدق و صفا آئی اب
دل صافی پہ آسکتا نہیں ہے داغ عصیا
دل نہیں صاف تو کیا خاک عبادت ہوگی
یوں دل پاک میں انوار چلے آتے ہیں
دلوں کو صاف جو آئینہ دار کرتے ہیں
جب تک دل نا صاف مصفا نہیں ہوتا

ذرا رک کے صاف طینت نکلتا ہے اور کچھ ہو
میری صفائی باطن کا ہے جواب کہیں
دوست کا چاہیے ہے باطن صاف
طالب دیدار معنی ہے اگر تو زہدا
سب مذاہب کی یہی ہے غایت
سمجھو جو دل کو صاف کیا مثل آئینہ
ہو نصیب اس کو نہ کیوں جلوہ حق اے محبوب
اسی کا جلوہ نظر آئے جس گھڑی دیکھو
کیں طرح سامنے وہ ترے مہلقا ہے
میٹ کر رنگ دوئی دل کو نہ کیوں صا کر
پاک کر غیریت سے دل پہلے
روشن وہ آئینہ دل اہل صفائے ماہ
روشن دلوں کو تیرہ دروس غرض نہیں
صاف باطن سے نہیں افتادوں کو بھی خوشنم
ہیں جو روشن دل گوارا کب کریں احسان غیر
پائیں روشندل سے بہرہ ساکن نزدیک دور
جو ہیں خوشنوار ہو صاف صفائی حاصل
جو صاف دل ہیں وہ نہ رہے بچ و ناتیا
حاصل صفائے دل نہ کبھی بد گہ کو ہو
بہرہ و روشندلوں سے ہوتے ہیں کل نیک و بد
ضرر کب ہو عدو کی دشمنی سے پاک اماں کو
صاف دل کے آگے رتبہ سر بلند دل کیست
مثال آئینہ جو ہر دلا تو پیدا کر
عیب بھی اہل صفا کا کچھ منہ سے کم نہیں
اذیت شست و شو کی پاک طینت کب اٹھائیں
پاکان ازل کو نہیں پروا سے مرنی
پاک طینت جو کہ ہیں ان سے تعلق دور ہے
روشندلوں سے رکھتے ہیں نفرت سیاہ کا
پاکبازوں کے سوا کوئی ہو کیونکر کامیاب
آئینہ کو دوست رکھتے ہیں جہاں کجوب زشت
بگیا جب بہر خود بینی دل صاف آئینہ
سیر خشی و تری گھر میں میسر ہو جائے
لگانہ خاک سے دامن نہ خاک دامن سے

پانی کھرا جو ہو تو پھر گھر بنتا ہے
خبر مجھے ہو جو ٹوٹے دل جاب کہیں
کیا ہے ظاہر میں اگر ہوا اخلاص
صاف کر آئینہ دل سے ریا کے رنگ کو
دل انسان گناہ سے ہو پاک
دونو جہاں کی سیر ہمارے مکاں میں ہے
جس کو معلوم ہے آئینہ بنانا دل کا
رکھو جو دل صفت آئینہ صفا کر کے
جب تک نہ آئینہ ترے دل کا مہقا ہے
بنے آئینہ نہ کیوں آپ میں پاؤں تھکو
کیوں عبث تو مصفا سے تن میں ہے
جس کو کبھی نہ ہو گی سکندر کی احتیاج
محتاج آفتاب نہیں ماہتاب کا
جس کو کچھ خطرہ نہیں ہے شعلہ آواز کا
مہر کا آئینہ کب محتاج ہو سیما کا
فیض پہنچاتا ہے سب کو گو کہ ہے دور آفتاب
ہیں دیکھا کبھی رنگ رخ بہرام سفید
ہوتی ہے موج بھی کہیں موتی کے آبیں
پیدا نہ ہو گھر بھی جنم کے آب میں
فیض عالم میں ہے جاری مہر عالمتاب کا
ملوث کب گناہوں سے ہوا دامن مریم کا
آب میں آتا نظر ہے چرخ اخضر زیر پا
کہ سب رکھتے ہیں دنیا میں با صفا اخلاص
کیا ہوا دریا میں موجوں کی جو ہے رفتار کج
مصفا ہر کدورت سے ہے خرقہ آشنائی کا
عیسیٰ کو ضرر کچھ نہ ہوا بے پدری کا
خار سے کیا اچھے گوشہ چادر مہتاب کا
مکروہ جسے وصل کی شب ہے بحر مجھے
یہ درجہ ہے دروازہ ترے گھر کا نہیں
دل ہو جب صاف بر عالم سے جگر پاک ہے
تھا ہناں اپنی نظر سے میں سو پیدا ہو گیا
دل اگر آئینہ ہو جائے سکندر ہو جائے
صبا کی طرح جہاں سے مروں میں نے کیا

صفا باطن

جو اہل دل ہیں انکے میں وہ اہل ظاہر ہے
نہ میں ہوں شیخ کی جانب نہ بہمن کی طرف
بشکل آئینہ ہوں صاف دوست دشمن سے
کسی سے بھی نہیں رکھتا غبار دل میں
اپنے دشمن سے بھی رکھتا نہیں میں دل میں غبار
قدر صاف ہے آئینہ خاطر میر
کس قدر صاف ہے جو رکھتے ہیں دل کو صاف
آئینہ کی طرح ہے دیکھو کوئی ان کا عکس نہیں
ہیں دوست نیک و بد کوئی اہل صفا
حادثات دہر سے بچو نہ منزل نہیں
جنگ راہ میں صراحتی منزل نہیں
جنگ راہ میں طبیعت کو کہ ہر دل ہو عزیز
چاہے صاف طینت کو کہ ہر دل ہو عزیز
بزم ہستی میں بس آئینہ مانند کرے
جو صفا باطن ہو کیوں دل پر کدورت اس کے
سینہ بے کینہ میر آئینہ کی خاک رسی ہے
جلادینے کا باعث آئینہ کی وقت کدورت میں
نمائش ہے صفائی قلب کی وقت کدورت میں
ظاہر میں ملاقات ہے باطن میں عداوت
دل صاف نہیں ہوتا ہے ارباب دغل کا
دوست دشمن نظر پڑے یکساں
جو دل جو ہو جائے صاف کینہ سے
نکال خاطر

نصیر

نسیم

ناسخ

نظم

منہ و کمال

ضبط و تحمل
 چھپائی سنیہ میں ہم نے وہ آہ آتش بار
 لبوں تک آنے دیاڑ کے اک سر بھی نہیں
 جو بدبخت ہیں وہ بدبختاری کرتے ہیں
 جو حکم رکھتے ہیں وہ بدبختی کرتے ہیں
 جہاں میں چاہئے انساں کو بدبختی کو
 تم اختیار کرو حکم و بدبختی کو
 سہارا تاکہ طبیعت کو سخت بات کی ہو
 کوئی بڑا کئے تم کو تو تم اسے نہ کہو
 جو گالیاں بھی ملیں تو لیٹ کے تم نہ دو
 بہادری یہ ہے اور وہ کی شکست سہلیا
 وحشت خاموش جل رہے ہیں
 گویا شمع مزار میں ہم
 بجھے مرگ ہے گوارانہ بلا و چارہ گز
 کہ کسی پہ نہ ظاہر میرے دل کا راز ہر گز
 آہ اس آہ کو کہئے کہ جو لب تک نہ گئی
 داغ اس داغ کو کہئے کہ نمایاں نہ ہوا
 ضبط و ضبط کر اسے دل پہ فغان خوب نہیں
 آگ نہاں رہے مجھ میں دھواں خوب نہیں
 ضبط کر

ہے سب سے الفت مجھے زنا سے اخلاص
کوئی ہو کینہ جو اپنے لئے ہے
دلشکن اپنے پر اے کا نہ دنیا میں ہوا
جو کہ کہتے ہیں بُرا مجھ کو وہ اچھے ہیں وقار
جو کوئی ہر رنگ میں آپس کوں شامل کر نہیں گئے
سب رہنا صاف دل یہ کام کم شکل نہیں
بر آئے سب کی آرزوئے دل خدا کرے
اے شیخ و برہمن حق باطل کی کیا ہے بحث
نیک و بد ہوتے ہی آئے ہیں بُرا کس کو کہیں
ہو کوئی بادشاہ خواہ گدا
دولت سے اس جہاں کی غنی دل میں جزرگ

یعنی ہے ہر ایک کافر و دندار سے اخلاص
تجھے کیا تو نہ ہو دشمن کسی کا
دوست کے مانند پاس خاطر دشمن کیا
جو برے ہیں میں انہیں کہتا ہوں اچھا بہت
ہمیں سب عاقلاں میں انکو عاقل کہہ لیتے
دل سے سب دھوڑا لے لے بہت دشوار ہے
اپنے سے جو بُرا ہو اس کا بھلا کرے
راہ بتان دروغ نہ راہ خدا دروغ
باغباں پھول جو خوش رو ہیں تو بد خو کاٹے
سب کے سر پر فلک کا سایہ ہے
ان کی نظر میں فرق غریب و امیر کیا

صنبط و تحمل

حوادث میں کوئی ہوتے ہیں مضطر صائیکیں
غصہ کے وقت بھی نہ کسی کو برا کہے
سائل کہے جو سخت تحمل کر اے غنی
جب تک رہا جہاں میں اٹھایا کیا میں رنج
ناگوار ا کو جو کرتا ہے گوارا انسان
خدا کا شکر کرتا ہوں کسی سے کچھ نہیں کہتا
دم گھٹ کے نکل جائے تو اچھا ہے نکل جائے
شکر ہے کھل نہ سکا حال کسی پر میرا
رنج پر رنج ہے اُن بھی نہ کی اے ذاکر
وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
ایک دل اور اس پہ اتنے بار غم اُس کے دل
نہیں اُن کرتا ہرگز آفتیں برداشت کرتا ہوں
صابر کو بردبار سمجھ کر نہ چھیڑے
انہیں کرتے ہم اس محرومی تقدیر پر
لاکھ صدمہ ہوں مگر منہ سے نہ کہنا بہتر
گو میں ستم کشیدہ اذیت رسیدہ ہوں
گر اسکی نہ دورنگی جہاں کی ہم کو
نہ بھاگے عسرت سے امتحان میں میں عیش و اس
ہے اپنا شیوہ خلق سے آئینہ کی مثال

برنگِ خس بہا سکتا نہیں سیلابِ پتھر کو
 لازم ہے اختیارِ بشر میں زباں ہے
 پڑتے ہیں سنگ ہر شجرِ میوہ دار پر
 جو وضعِ ناگوار ہوئی اختیار کی
 زہری کر مرزہ شیر و شکر لیتا ہے
 جو کچھ صدمہ گذرتا ہے گزرتا ہے میرے دل
 مرجائیں گے اظہارِ تمنا نہ کریں گے
 ہوں وہ مطلب جو نہ آیا کبھی تقریر میں بھی
 ہم سا دیکھا ہے جہاں میں کہیں کیتا کوئی
 پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا
 اور اس طاقت پہ ایسا کوئی بے طاقت نہیں
 پسند آیا ہے جس دن مجھے شیوہِ تحمل کا
 کہتے ہیں قہر موتا ہے غصہِ حلیم کا
 تازہ چھائے تیرگی آئینہ تدبیر پر
 جو گزر جائے اُسے دل ہی پہ ہنسا بہتر
 رنجیدہ ہوں کسی سے نہ میں اور کبیدہ ہوں
 ہمیشہ ابلق ایامِ زیرِ ران دیکھا
 سنا ہے زندانِ مومنان میں مزہ کفار کے جنان کا
 ہم کو محبت اور عداوت سے کیا غرض

ممود
نظم
وقار
ولی
هدم
همش
کیت
م

اسیہ
توفیق
آتش
آمجہ
ذاکر
ذوق
سعید
صابر
عاتل
عالم
عاشق
قدر
مفسر

ضبط کرنا لوں کو اسے بلبل نالاں دم لے
ضبط کر جائے محض دے نہ برائی کا کبھی
بات انسان جو سننے کا نوں سے خاموش ہے
مرد آزاد کو لازم ہے شکایت نہ کرے
ضبط سے خلق میں انسان کی آزادی ہے
ضبط دنیا میں دلیری کا ہے اسم دیگر
ضبط سے قدر ہو انسان کی عالم میں کہیں
ضبط ہے اصل نیکو نامی انسان اے دل
ضبط کو کام میں لائے جو بشر خوب ہے یہ
ضبط سے ہوتی ہے انسان کو عزت حاصل
خوامش بد کو نہ انسان جبکہ دے دل میں
ہند کے عالموں کا قول یہی ہے ہر دم
ضبط انسان کے ہے چال چلن کی بنیاد
ضبط کو کام میں مردان خدا لاتے ہیں
ضبط سے نل کو دوبارہ ہو شامی حاصل
ضبط سے بلبل بیتاب گل تر سے ملی
خاک پروانہ ہوا جلکے جو بے ضبط ہوا
زندہ دل ضبط کو ہر کام میں کر جاتے ہیں
ضبط سے ربط بشر کیلئے لازم ہے ہنر

کان پھٹ جائیں گے غنچوں کے فغاں نہیں ہنر
" مہنچے انسان کو جو انسان سے زیاں خوب نہیں
" منہ سے کہنا کسی کا راز نہاں خوب نہیں
" سخن بد ہو اگر در زبان خوب نہیں
" ضبط آئے نہ جو غصہ میں تو بربادی ہے
" ذات انسان میں جو سچ پوچھو ہی ہے جو ہر
" یوں تو انسان سے حیوان میں کچھ فرق نہیں
" رغبت و حرص و ہوا ہوتی ہے اس کے زائل
" نفس زشت کی طاقت گھٹے مرغوب ہے یہ
" حسن اخلاق میں ہے ضبط کی عادت داخل
" ہوشیاری سے عمل ضبط کا رکھے دل میں
" ضبط سے جیتے نفس کو تو وہی ہے رستم
" ضبط سے خالق عالم کی رہے دل میں یاد
" آہ کرتے نہیں ہیں رنج و الم کھاتے ہیں
" ضبط ہی سے ہوے یوسف بھی عزیز ہر دل
" ضبط سے قمری ناشاد صنوبر سے ملی
" چاک سینہ ہوا ناقوس نے نالہ جو کیا
" شکوہ کرتے نہیں تکلیف میں مر جاتے ہیں
" ضبط سچ پوچھو تو ہے راہ خدا کا رہبر

ضعف

معذور پیش حق ہے وہ طاقت نہیں جسے
رہتا ہے تشنگیں وہ فقط مجھ نحیف پر
یہ ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے
وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر
وہ ناتواں ہوں نکالے جو گھر سے یار مجھے
کس طرح طالب ہوں میں دنیا کے غزو جاہ کا
قضا سر پر نہایت ناتواں ہوں
عہد پیری میں نہ اٹھا ضعف سے دست دعا
مری تو سن لے کہ مانند شمع وقت اخیر
قدرت نہ ہم کو آہ کی نے طاقت فغاں
کر دیا ضعف نے عاجز غالب

تکلیف کب ہے شرع کی مردم گیبہ پر اسیر
" گرتا ہے مادہ بھی تو عضو ضعیف پر
" کبھی فلک سے بھی اونچی ہماری آہیں تھیں
" گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر
" چلوں وہ چال کہ پہونچوں خوشنک پر
" بوجھ اٹھ سکتا ہے کس سے خیر و خراہ کا
" بھروسہ کیا ہے میرا میں کہاں ہوں
" وائے حسرت رائیگاں وقت سحر جاتا رہا
" پگھل چکا ہے سراپا زبان باقی ہے
" نکلے تو کیونکر اپنے دل زار کی ہوس
" غالب

ضعف
" اسے ضعف زرد روی میں تو نے کیا نحیف
" طاقت تھی کہا کہے تنکا اٹھا ہے یہ
" مٹائے جسم کو جب ضعف روح بھی ہوتا ہے
" رہے نہ شہر تو کس طرح شہر یار رہے

طمع

خدا کو بھی ہے طمع ناگوار بندوں کی
سوال جس نے کیا اس کو زیور دست کیا
چٹھہ ہے القصد اپنی اے ایشاد
" ہے زمانے میں جس کا نام طمع
" برباد ہو گئے طمع مال و زر ہیں کو
" قارون کے ساتھ کیا دولت کو دیکھنا
" جو ہیں طامع انہیں جو سوز غم دولت کی حاصل
" قبیلے میں جلن ہوتی ہے زیادہ حرص و طمع نے دین لیا
" شباب عمر نے کھو یا طمع کو چھین لیا
" فلک نے ہم سے بڑی نعمتوں کو چھین لیا
" عبت حرص و طمع میں مبتلا رہتا ہے بھڑا تاشا
" پائے مال و زر پر نہ میں کیوں کافی ہے بھڑا تاشا
" طامع دین

طمع

دن رات بڑھتی جاتی ہے دولت کیا
اللہ آدمی کو بھی ہے کس قدر طمع
ہوگا بغیر دولت و خوار کی کچھ نہیں
نقدیہ سے سوا جو کچھ ہے
تقدیر سے بڑی سب نفس طمع
ہرگز نہ پروری ہے اسے بجز طمع
انسان کو خوار کرتی ہے اسے بجز طمع
جتنا ہے نصیب سے بڑھ کر نہ کر طمع
عاقبت ہے نصیب کا کیا مضبوط گھرنایا
قارون نے کیا طمع کا کیا مضبوط گھرنایا
دست الثریٰ کو پونجی بنیاد و فتنہ
دے طول امن و وقت پرستی
شب تھوڑی ہے باخ و بے باج
جو اٹھانا ہے طمع سے باخ و بے باج
طار زنگ پدیدہ کو خطر کیا حال کا
ان سے ہوگی خاک کوئی خدمت ان سے
جو کہ مال و جاد و دولت کی طلب میں ہے
مرغ دل دام لذت میں جو چہن جابا ہے
عاقبت خون جگر پیتا ہے غم کیا نا ہے
آدمی کو زور و کرشمے کو زبیرا ہوا
دست طمع

تابع دین کبھی دولت کا نہ شیدا ہوگا
زمانے بھر میں ہے مشہور حال اخوانِ دوست کا
اہل دولت کی ہوس مرنے پر بھی جاتی نہیں
صاحب اکیر کو دیکھا فقیر
چربی چھا جاتی ہے آنکھوں میں طمع وہ چیز ہے
اہل طمع کے پانوں کو چھو ہے کس لئے
جب کیمیا کے شوق نے تاراج کو دیا
کس قدر کھاؤ گے خوشخوری میں کیا پاؤ گے
گنج قاروں کا نہ کام آیا گیا سخت ثریٰ
گدا سے زیادہ تر محتاج ہیں اسوقت کے امرا
کب تلک زر کے لئے پھرتا رہے گا ورنہ
پھنسے ہیں لذت دنیا میں اہل دنیا یوں
مالداروں کو زیادہ ہے طمع دنیا کی
انساں کے دل سے جاتی نہیں کوئی دم طمع
طامع کو دکھاتی ہے پہلے بہار عیش
قارون ہے اپنے سر پہ خزانہ لئے ہوئے
دولت دنیا کی بیجا ہے ہوس
کچھ اپنے کیسے میں گو ہم گدا نہیں رکھتے
آدمی کچھ غرض سے دیتا ہے
فتر آن اٹھاتے ہیں طمع زر کے واسطے
طمع دولت کی بے تاب تعب مت کھڑے مانے
آجائے گر خزانہ قاروں بھی ہاتھ میں
لا لچ ہے بری چیز خبردار ہوشاؤ آن
نہ دیکھا کبھی ہم نے طامع کو شاکر
دانے کے لالچ سے دیکھا مرغ نے دام قبض
طمع و حرص و ہوس ہیں خالی لفظ
نہ طمع مال ہے ہم کو نہ خواہش جاگیر
طلبے بھی نہ ملا شہد خوان دنیا سے
طامع دنیا کو دیکھا ہے نہیں سرخرو
دانا تو طمع کا نہ کبھی کام کریں گے
پیٹ بھرتے ہی نہیں اہل ہوس کا دیکھا
طمع بھی کیا بُری شے ہے کہ مثل ماہ چنڈ ہیں
غنی ہونے پر بھی عیب طمع جاتا نہیں ہرگز

پیر و شیر خدا کیا سب دنیا ہوگا
طمع دنیا کی وہ ہے جس سے بازو ٹوٹ جاتے
غنیہ و گل شاخ سے مٹھی میں لیکر زر گرا
کیمیا کی آرزو اچھی نہیں
گنج زر سر پر اٹھانے کو بنی مزد و شمع
تقدیر ہی کا ان کی یہ چکر اگر نہیں
دنیا کا سب اثاثہ ہے گویا لنگوٹ میں
نان و حلوی کی طمع بہر صلاوت ہے عبث
مال و اسباب بہت حشمت و شوکت و عبث
کہ ہر صاحبِ دول کو مبتلائے کیمیا پایا
ہے جہاں کی ناخوشی و شادمانی چند روز
ہو جیسے طمع مردار پر غراب کا حال
مرد محتاج کو ہے روزی فردا کی تلاش
رہتی ہے مثل خوں رگ دل میں بہم طمع
انجام کو دکھاتی ہے رنج و الم طمع
گو مر گیا مگر نہ گئی ایک دم طمع
قبر میں جب ہاتھ خالی جائے گا
طمع کسی کی سوائے خدا نہیں رکھتے
جب اٹھا دے طمع تو پھر کیا ہے
دیندار اگر یہی ہیں تو اسلام ہو چکا
ہوس تانا جھونکے آگ میں مس زر نہیں ہوتا
پوری نہ ہو جہان میں زر دار کی طمع
جان اپنی گنوا تی ہے مگس میٹھے کی لالچ
کبھی پیٹ ظالم کا بھرتا نہیں ہے
خوان پر گر کر اپنی جان دیتی ہے مگس
ان سے حاصل ہو کیا بجز حسرت
ہم آپ زندگی مستعار رکھتے ہیں
ہوئے ذلیل پے لذت و باں کیا کیا
زر دگوں ہوتا ہے چہرہ ایسے دولتخواہ کا
دانہ کو تصور گرہ دام کریں گے
یہ گڑھا وہ ہے جو پلٹے سے نہیں پٹا ہے
گھٹا دیتا ہے غربت کو بڑھا دیتا حاجت کا
دل اہل ہوس پیوند ہے دامان دولت کا

<p>ظاہر و باطن</p> <p>بہت اہل و مرید اپنے سے</p> <p>نہ چل پایا رباعی کے شجر سے</p> <p>ظاہر میں ایک وصف طمع دہو ہے</p> <p>باطن کی گندگی تو کسی طمع دہو ہے</p> <p>باطن رکھنے ہیں دورنگی سے مزہ باطن میں</p> <p>نہیں رکھنے ہیں بہت شکر ہیں رہے</p> <p>وہ جو ظاہر میں بنائے ہیں دل ان کا ہے خوب</p> <p>کیا ہوا صورت بنائے سفید اندر سیاہ</p> <p>خوبی ان کی کہنے کیا باہر سفید اندر سیاہ</p> <p>چہرہ آئینہ رہا مطلب دل کا میرے</p> <p>زنگ اظہار میرے معنی پہاں میں رہا</p> <p>یہ بھی ایک آئینہ راز و دل ہے گویا</p> <p>دل جو جاں سے صورت سے عیاں ہو چکا</p> <p>کھلی صورت کے معنی کی تحقیقت</p> <p>کچھ دل میں ہے سن اس سب زبان سے</p> <p>جو کچھ دل میں ہے آرزو دل میں چلے</p> <p>لمتھ میں سجدہ تو خدا اچھا نہیں</p> <p>اب طرح بادِ ظہر و خدا کا دیتا ہے بہت</p> <p>آپ نے شیشے کا لبر کا دیتا ہے</p> <p>جام نے شیشے کا بھی آئینہ</p> <p>دل جبر آتا ہے جی بانی علیل کی</p> <p>کسی مزے نہ کی ہے باطن جبری</p> <p>دل میں جو دیکھتے تو ہے جبر باطن جبری</p> <p>باطن کو</p>	<p>دنیا سے دوں سے ہاتھ اٹھا کا میاب ہو</p> <p>گتے کو پالتا نہیں جو شیر مرد ہے</p> <p>اس پیر زال پر جو ہو غالب وہ مرد ہے</p> <p>ہے راہ تنگ ایسی جیسے سوئی کا ناکا</p> <p>وہ ہاتھ سو گیا ہے سر ہانے دھڑ دھڑ</p> <p>اس پر اسے زاہد ارادہ ہے خدا کی یاد کا</p> <p>پیشتر جس جا خزانہ تھا حسد اب ہو گیا</p> <p>فائدہ کیا نقد جاں دیکر جو کوئی پائے زر</p> <p>یہ بے طرح کا چور ہے گھر میں دھنسا ہوا</p> <p>امیری میں پہنچ سکتا نہیں ہے کوئی گدائی سے</p> <p>ربع مسکوں پر قناعت کب ہوئی تہور کو</p> <p>کس نے دیکھا گھر میں بیٹھے رہتے ہیں سال کمال</p> <p>ہیں جو طامع ان کو دنیا کی رہے دولت پسند</p> <p>خاک چھینواتی ہے دولت کی طمع</p> <p>باعث آفت ہے دولت کی طمع</p> <p>خیالات گنج ہنار سر سے ٹال</p> <p>پر طمع دل نہیں ہوتا کبھی غافل سیراب</p> <p>کچھ آج کل عجیب زمانہ کا رنگ ہے</p>	<p>دست طمع کو توڑ کے مقصد کو حاصل</p> <p>آتی نہیں بہا و روں کو نفس پروری</p> <p>اپنی نظر میں جو طالب دنیا ہے زر مرید</p> <p>کیا فقر میں گزر ہو چشم طمع سے بغیر</p> <p>آگے کسی کے کیا کریں دست طمع دراز</p> <p>حب دنیا الفت زردل سے دم بھر کم نہیں</p> <p>ہو گئی زر کی جگہ دل میں خرابہ ہو گیا</p> <p>زر کے پیچھے طالب زر ہو رہے ہیں کیا ہلاک</p> <p>خطرے کو جب جاہ کے دل سے نکالے</p> <p>جو طامع ہیں فراغت ان کو دنیا میں نہ ہوصل</p> <p>منموں کا دل طمع سے بھی کبھی خالی ہوا</p> <p>جو کہ طامع ہو وہ چھانے خاک ایدل زبرد</p> <p>مرد بے پروا ہوں ہے مجھ کو فقیری کا مزہ</p> <p>حال دیکھو صاحب کسیر کا</p> <p>حال قاروں سن کے یہ ثابت ہوا</p> <p>طمع مال کی سر بسر عیب ہے</p> <p>جذب کو قتی ہے زمیں قطرہ باران کو دام</p> <p>زر کی طمع نے سب کا لہو کر دیا سفید</p>
---	---	--

ظاہر و باطن

<p>ایسر</p> <p>سرخ آتا ہے نظر شیشے کے گلف نام کا</p> <p>مسجود خلق کعبہ ہے رخت سیاہ میں</p> <p>جو دل میں ہمارے وہی مطلب دہن میں</p> <p>دلیں صنم بغل میں کلام مجید ہے</p> <p>چراغ بادہ اسے آتش نہ ہو محتاج روغن کا</p> <p>ظاہر ظاہر ہیں اور باطن گندے</p> <p>دل کی پوچھو تو خواہشوں کے بندے</p> <p>انگور میں شراب شکر نیشکر میں ہے</p> <p>صفائی ظاہر و باطن رہے گہر کی طرح</p> <p>دروازے پہ لٹکانے سے بانات کا پردہ</p> <p>قابل نشوونما کب ہے چمن تصویر کل</p> <p>صاف ہیں ظاہر میں اثری ہے دل باطن میں</p>	<p>ایسر</p> <p>سرخ آتا ہے نظر شیشے کے گلف نام کا</p> <p>مسجود خلق کعبہ ہے رخت سیاہ میں</p> <p>جو دل میں ہمارے وہی مطلب دہن میں</p> <p>دلیں صنم بغل میں کلام مجید ہے</p> <p>چراغ بادہ اسے آتش نہ ہو محتاج روغن کا</p> <p>ظاہر ظاہر ہیں اور باطن گندے</p> <p>دل کی پوچھو تو خواہشوں کے بندے</p> <p>انگور میں شراب شکر نیشکر میں ہے</p> <p>صفائی ظاہر و باطن رہے گہر کی طرح</p> <p>دروازے پہ لٹکانے سے بانات کا پردہ</p> <p>قابل نشوونما کب ہے چمن تصویر کل</p> <p>صاف ہیں ظاہر میں اثری ہے دل باطن میں</p>	<p>حال باطن کا عیاں ہوئے ظاہر اے ایسر</p> <p>ظاہر اگر برا ہو بزرگی میں فرق کیا</p> <p>شیشے کی طرح ظاہر و باطن میں نہیں فرق</p> <p>اہل ریا کا ظاہر و باطن کہاں ہے ایک</p> <p>فروغ ظاہری کو داغ روشندل سمجھتے ہیں</p> <p>دنیا کے لئے ہیں ہمارے دہندے</p> <p>ہیں صرف زبان سے خدا کے قائل</p> <p>باطن کو بھی صورت ظاہر پر کر قیاس</p> <p>زبان و دل میں تفاوت جو آدمی کے نہ ہو</p> <p>گھر میں تو نہیں بوریا بھی فائدہ کیا شیش</p> <p>اہل صورت کو کمال باطنی حاصل کہاں</p> <p>کم نہیں شیشہ ساعت سے ابنائے جمال</p>
--	--	--

ظلم

بقدر حال ہیں قوت میں سب غریب ہزار
 دہن کو دانت ملے آسپاہے دانہ ہوا
 روز ازل سے قسمت ظالم میں ہے زوال
 کس دن جوان تھا کہ فلک پیر ہو گیا
 کہو ظالم سے مال مفت کھا کر جو پولا ہے
 کہ ہو گا جسم فر ایک دن کذا جہنم کا
 جانتے ہیں زہر قاریں موزیوں سے نفیض کو
 خاندان زبور سے ہم نے سب پالیا تو کیا
 ظلم میں ظلم کیچھو ظلم میں ظلم کی
 ظلم اگر ہے مجرم خاندان زبور کا
 کون غارت کرے ممکن کہ موزی ہے جہاں
 لذت ہے غم کہاں ممکن کہ زبور کا
 بیش سے خالی نہ پایا شہد اس سارا عذاب
 جو بنا ڈالے کجی کسی یہ ہے سارے کج
 مجرم ہے مجرم پاسبان نہیں قابلِ حرم
 صاحبِ ظلم کا افلاس نہیں قابلِ حرم
 دل پسند کوئی شیخ کی عسریابی پو
 پہنچا ہے بکڑے پڑھائی بہت ظالم
 ٹوٹے تو بنے آہن شمشیر کی زنجیر
 عام ہے ظلم فلک دم مارنے کی جاب نہیں
 رات دن اپنا وظیفہ ہے فیضانِ انور
 ظلم کی

باطن کو لوٹ حرص وہو اسے تو پاک کر
 ظاہر و باطن رہے انسان کا ہر دم یکساں
 دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ ہے
 عاشق یہ قول شاعر صادق بیاں ہے سچ
 صاف جوں آئینہ منہ پر کہو جو دل میں ہو
 ظاہر اوصوفی مگر باطن سیاہ
 ایک ظاہر و باطن ہے ہمارا اے قدر
 بر میں ہے جبہ و دستار مگر دل میں فریب
 خس ظاہر پہ شرف رکھتا ہے خس باطن
 کیا لباس ظاہری کی اصل یہ ہے اصل ہے
 تم غم کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دو کبھی
 شخص ظاہر میں کا بد باطن کا یہ احوال ہے
 اہل بصر کو جلوہ خالق یہ ہے نظر
 خدا دیتا نہیں انسان کو حسن ظاہر و باطن
 صاحبِ معنی سے کیا صورت پرستوں کو کشال
 شیشہ ساعت کی صورت منہ پر ملتے ہیں حود
 جو آدمی ہے ظاہر و باطن میں فرق ہے
 خوار جو ظاہر میں ہیں ان کو حقارت سے نہ دیکھ
 صورت نے کبھی غیبت میں دم نہ ماریں گے
 ٹیم ٹام آئینہ کی جو ہے وہ سب منہ پر ہے

ظلم

عسم کسی کو نیش زن کے مرگ کا ہوتا نہیں
 آربابِ ظلم گردش و پستی نصیب ہیں
 جو ظالم ہیں جہاں میں پھولتے پھلتے نہیں ہرگز
 ہیں جو ظالم فتنہ ہو جاتے ہیں افزائش میں اور
 سخت دل کی بعد مرنے بھی ہے مٹی خراب
 ظالموں سے نہیں رہتا ہے زمانہ خالی
 خوشخوار کو عروج ہے ذلت کا سامنا
 قدم قدم یہی آتی ہے خاک سے آواز
 مودیوں سے بھی خدا چاہے تو ہو جاتا نفع
 سلوک خاک کوں گے سب لایہ ظلم شعار

ظاہر کی سودمند دلالت و شوہنیں
 فائدہ کیا صاف منہ پر اور کدورت دلیں ہو
 ایسی الفت سے ہم کو نفرت ہے
 جن کے دلوں میں فرق ہے ان کی زبان میں
 پر یہ اچھی نہیں ہر بات میں عیار لپیٹ
 فوق تیری پار سائی دیکھ لی
 چشم بخواب ملے یاد دل بیتاب ہیں
 دانت کھانے کہ ہیں یہ اور وہ دکھانے کیلئے
 پھل اچھا ہے وہی جس میں خوش آگے کوست
 جب طمع اڑ گیا تو صاف تانبا کھل گیا
 غم کا خیال مسیح ہے اور غمگسار مسیح
 گھر کے اندر ہے اندھیرا اور باہر درخشاں
 صورت پرست محو تماشائے خلق ہے
 بری ہوتی ہے سیرت جتنی صورت اچھی ہوتی ہے
 شیر قالیں اور ہے شیر نیتان اور ہے
 ہے کدورت دل میں گو ظاہر میں ہیں بسیار صفا
 خوب روہنیں وہ کبھی زشت خوہنیں
 کیسیا گر پھرتے ہیں اکثر گدا کے بھیس میں
 صاف جو ہو گا دل کا وہ کئے گا منہ پر
 عالم جھوٹے سوا گھر میں مگر کچھ بھی نہیں

کون روتا ہے جہاں میں مردہ زنبور پر
 گرداب میں ہننگ تو اڑ رہے غار میں
 کبھی امید سرسبزی نہیں ہے چوبہاں کج
 بارہ کر دیتی ہے خوریز جہاں تلوار کو
 کب کفن دیتا ہے کوئی گشتہ فولاد کو
 روز جلا دینا آتا ہے جلا دے بعد
 شہر پر کھلے جو باز کی ٹوپی اتر گئی
 گرہیں گے مجھ میں جو کرتے ہیں پائمال مجھے
 شہد ملتا ہے جہاں کو خاندان زنبور سے
 کسی نے دیکھی ہے کوڑی کنار سے باہر

ظلم کی قوت بنا دیتی ہے انسان کو شریر
 بننے اہل ظلم ہیں سب ایک ہیں خرد و بزرگ
 شریک صحبت ظالم کو خوف ظلم نہیں
 بجائے اہل ظلم سے امید فیض کی
 زیر زمین بھی ظلم فلک سے نہیں نجات
 اوج فلک سفید ہے بیدادگروں سے
 دیتا ہے ظالموں کو فلک دولت جہاں
 یہ زور ظلم نہیں عقل کی ہے کوتاہی
 جو سنجیدہ ہیں اون کو کام کیا اذارسانی
 جو رنج دے اسے حاصل ملال ہوتا ہے
 رعیت کو ستانا بادشاہوں کو نہیں لازم
 نہ دیکھا سخت طینت کو کبھی سرسبز دنیا میں
 ظالم کو سعی سے نہیں بھر جہاں میں نفع
 پھل کسی ڈھب کا نہ توڑا نشان کسی کو دکھائیے
 سایہ میں جس درخت کے آرام پائے
 کہا مان اچھا نہیں ظلم بے جا
 ظالم کبھی سرسبز جہاں میں نہ ہوا
 کیونکہ نہ سرشع کو کاٹے گلگیر
 ظالم ظلم و ستم بہت بے جا ہے
 لیتا ہے خدا سخت دلوں سے بدلا
 انسان کی زمام ہے خصلت کے ہاتھ میں
 بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت
 یہ ظلم سارے ہیں چند روزہ ہی ایک دن انتقام
 کہو قاتل سے کہ سرکاٹ کے مغرور نہ ہوں
 سخت طینت کے لئے راحت زمانہ میں نہیں
 آدمی سنگدلوں پاس نہ حاجت لے جائے
 بیدار رہیں وہ لوگ جلاتے ہیں جو کہ دل
 جسم بے رحموں پہ آتا ہے مقام صبر ہے
 ظلم کا جن کو علاقہ ہے عجب ان سے نہیں
 ظالم جگر جلوں کے ظلم سے خوف کر
 دنیا ہی میں نتیجہ ظلم و ستم ہوا
 کشت امید سے ظالم کو نہیں کچھ حاصل
 کہہ رہتا نہیں ہے مال سنگدلوں کو اور کا

رابطہ یکاں نے کیا خوریز عالم تیر کو
 موڑا تھ آیا ہے نیز سے کے برابر تیر کو
 شکار تیر کسی دن کمان کا زاغ نہ ہو
 کوڑی کٹار کی نہیں ملتی فقیر کو
 مردوں کی چھاتیوں پہ ہے پتھر دھڑکے ہوئے
 اڑتا ہے یہ پیر اور مریدوں کے پروں سے
 بندوق جو جہاں میں صاحبِ حرانہ ہے
 فلک پھرتے ہے سدانا پناہ زمینِ نزات
 کیا حملہ نہ شاہین ترازو نے کبوتر پر
 کہ خار چھبتا ہے جب پایمال ہوتا ہے
 جو ہوں صحت سے اعضا، روح کو آرام ملتا ہے
 تنگوفہ بھولنے پاتا نہیں دیوار آہن پر
 ممکن نہیں کباب جو مچھلی کا شست کھائے
 تا دما تھ کو کریں سب پھول ہل ہاں باغ میں
 کیا ظلم ہے کہ اس کے ہی اثمار توڑیے
 ارے دل دکھانا بڑا ہے کسی کا
 ملتا ہے ضرور نیک و بد کا بدلا
 گردن پہ ہے اس کی خون پروانوں کا
 انسان کے لئے نرم دلی زیبا ہے
 دُر ہونے سے قطرہ کا جگر سفتہ ہے
 اہل جفا کو چین کہاں بے جفا کے
 نہیں کام آتی دلیل اور محبت
 آئیر عام گرم کر لیں فقیر کا جو پڑا جلا کر
 اپنے سر کو بھی تہِ خنجر قاتل سمجھیں
 چشم بادام آشنا ہوتی نہیں ہے خواب سے
 شکم گرسینہ پر باندھ کے پتھر نیٹھے
 اٹکوں سے ہم بھجائیں گے کسی کا جو گھر چلے
 میں نہیں کہتا خدا پہنچے مری فریاد کو
 جان عالم ز رستانی کے عوض میں کنج لیں
 گلخن دہان داغ ہے شعلہ زبان داغ
 پتھر کے بن گئے یہ بتوں کا جہنم ہوا
 خرمن ماہ سے کب چرخ نے دانہ پایا
 بیکار زیرِ چرخ غذا آساکہ ہے

ظلم

یہ جو پروانہ کو مارا کوئی ٹپتا ہے کلکٹ
 روسیا ہی اپنی رو رو کر عبث دھوٹی ہے شیش
 ظالم کو دل آزاری سے ہر دم ہے سرد کار
 کبھی رحم نہیں کرتے نفیہ
 بے رحم کبھی رحم نہیں کرتے نفیہ
 جو معاون ظالموں کا ہے اسے راحت نہیں
 پیر ہوتی ہے چھری سنگ فیان گن دشمنی
 اوج سے اپنے پیشانی پر ہے بنیاد کا
 سنگوں کو بد بکھا پھولنے چلتے زبانی
 سنگ کو شمشاد کمان دتیر ہوتی ہے
 ہمیشہ بے شرم سے سدا و دم رہتے ہیں
 سنگ و اند دل سے کسی دن خنجر پیکار کا
 نہ پھولا باغ عالم میں ہم نے کبھی بول
 ظالم نہ دیکھے لبِ سو فارات دن
 ہاتھ سے جارہے ہیں لبِ سو فارات دن
 دیتی ہے تکلیف ظالم کو جی تو آزار کی
 ایشک خوں روتی ہیں ہم تکلیف باہر تلواری
 موزوں سے ہو اگر انہوں کو بھی راحت نصیب
 بچہ عفریہ نہ ملے جسم مادر بچا کر
 قید سے ظالم جی کب آزاد ہے
 دامِ خاک صید غوہ صیاد ہے -
 ظلم دارا ہے

سہ پرتا ہے

مرکز نہ ملے سخت طبیعت سے
سرسبز نہ ہو خاک میں زنجیر کا دانہ
کرتا ہے جو پیکر غریبوں پر جو ظلم
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو نبایا
آپ کوئی رات ہی ہمسماں سلج
پورا ستم کا جس نے اس باغ میں چکایا
اپنے کئے کا ثمرہ اس نے شتاب پکایا
وہ ظلم کے کہ اس کی خواہش تاج
آپا میں یوں کہ مسافرات ہو گی
ستانا ہے جو اوروں کو فخر و شرف
کسی سے حال پوشیدہ نہیں سنگ غلام کا
ستم تو نہ کر در سنگر خدا سے
کہ در پیش دن میں سکافات والے
کیوں ستانا ہے ہم غریبوں کو
ماہ ظلم ذرا خدا سے
خشم دل کو ظلم کی عادت باد تھی ہے کور
دیکھو بنیادی نہیں ہے دیدہ سر فاریں
پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر تکمیل
کام جب آن پڑتا ہے زبردتوں سے
بے جرم و

ظلم دارا پہ نہ کرتا تو سکندر ہرگز
زیر دستوں پر تقدی ظلم ہے اپنے لئے
عمر ظالم کی کم نہیں ہوتی
اتنا تو اسے فلک ہو کہ وہ ہاتھ نوٹ جائیں
یہ سچ ہے جو کسی کا دل جلاؤ سے
بے درد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے
کب اپنے ظلم سے ظالم امان پاتا ہے
غریبوں پر نہ کیجئے جو رگ خوف خدا بھی ہے
ظالم کو نہیں ملتا ہے آرام جہان میں
ظالم جو ہے کبھی نہ کبھی نامراد ہو
ظالم اپنی سختیوں سے آپ اٹھاتا ہے سخت
بزم عالم میں نہ ہو ظلم سے زیست کی شمع
دال جان ظالم عاقبت ہے فعل ظالم کا
ظالم کو خدا نے دنیا طرف حیا کا
وضع ظالم کی درستی ہے اہل کا دھوکا
آفت قہر الہی سے بھی ڈرا سے غافل
توانائی نہیں اس میں ستانے ناتوانوں
جو کہ ظالم ہیں سزائے ظلم سے پستے نہیں
ظالم کو نہیں حاجت اسباب ستم کچھ
جو ظالم ہیں ہمیشہ نطق سے بے بہرہ رہتے ہیں
چار دن زیست کے بے لطف نہ کر لے ظالم
ظالم نہ اختیار پر مغرور ہو کبھی
ڈرتے رہو شکستہ دلوں کے ستانے سے
خاک میں مجھ کو ملا کر بیچ رہے گا کیا فلک
شرعہ عشرت سے ہیں محروم خوشنواران ہر
دل کسی کا دکھے نہ کرو وہ بات
دل کے دکھانے کا ہے نتیجہ بہت بُرا
خوش نہ ہو اوجہ خور اصلا
پسے ہیں خاک نشیں اہل اوج کے ماتھوں
آتی ہے سنگس دلوں کو کبھی با توئی تا
پامالوں سے ہے رتبہ ظالم یہاں بلند
اسے سنگد لو خوف کرو گھر ہے خدا کا
ہم اپنی خود نہیں حالت تباہ کرتے ہیں

نشد لب چشمہ حیاں سے نہ آتا وہاں
میں پریشان ہوں تو کیا افلاک گردان نہیں
فرق آتا نہ چرخ گردان میں
جو پھول توڑتے ہیں عناد دل کے سامنے
وہ دل ہی دل میں داغ اس کا اٹھائے
ایسے بھی ہیں یارب کہ قست نہیں رکھتے
ستم سے رہتا ہے کب صاحب ستم محفوظ
مجھے ڈر ہے کسی دل سے مباد ابد دعا بکھے
چکر میں سدا چرخ جفا کا رہے دن رات
ہوتا ہنال ظلم کبھی بارور نہیں
ٹوٹنے کا خوف ہے فولاد کی شمشیر میں
سرخ ہوتا دہن منہ گلیہ نہیں
ستم ضحاک کا باعث ہی اقبال فریدوں کا
دیکھو نہیں رکھتا ہے حکم جم جفا کا
مانع ظلم کبھی راستی تیر نہیں
ناتواں کو نہ دے رنج توانائی میں
کسی ذی روح کی بے جاں نہیں یہ کام لگنا
شمع کا سر کا ٹکر کا ہے مٹ گلیہ کا
محتاج فسان کی نہیں شمشیر نظر ہے
زبان تو ہے نہیں گویائی پر خاریاں ہیں
کون دنیا میں سبلا آیا ہے رہ جانے کو
کیا چار دن رہی جو حکومت زیدی کی
دل اس صدا سے ملتا ہے کہ شمشیر ظلم کا
ایک دن ظالم سزا اپنے کئے کی پائے گا
بزرگ باد بہاری سے درخت وار ہو
کام کی بات ہے تو بات ہے یہ
ظالم صدا نہیں ہے خدا کی جویب میں
ظلم کا مال جمع کر کر کے
زمین نشاۃ ہے آفات آسمانی کی
جو کہو وہ کوہ سے پھر کر ملے الٹ جواب
دیکھو زمین پست ہے اور آسمان بلند
اچھا نہیں گرم نے دکھایا مے دل کو
کوئی ستانا ہے تب آہ آہ کرتے ہیں

عبادت

دید اس کی ہی کرو جس نے بنایا سب کچھ
سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہو
رزق مایحتاج جب دیدے تجھے اللہ پاک
خالق کی عبادت سے یہ زنت ہوئی حاصل
حق مہرباں ہے اس پر کہ جس نے
مزدطاعت میں خدا جنت جو بخشے کیا عجب
بندگی خاک ہو جب غیر کو ایذا پہونچے
چاہے مشق ریاضت مرد جو ہر دار کو
آنکھیں جاں میں ہیں وہی جو ہیں خدا شناس
چاہے سچی اس کے ملنے میں
کٹ جائے وہ زباں نہ ہو جس سے دعائے خیر
رہے انسان شب پیدار دنیا کے خزانے میں
بے رغبتی سے شب کو سحر بھی کیا تو کیسا
دنیا میں رہ کے اس کی عبادت نہ بھولتے
میں منفصل خطاؤں پہ زاہد کو زعم زہد
دنیا میں بھر کون عبادت گزار ہے
لے بند تجھ کو چاہئے مولا کی بندگی
بندگی میں خدا سے پاؤ گے
تسلیم و رضا اس کی ہمیں چاہئے ہر حال
بندگی میں اور اس سے زیادہ کیا ہونفع و سود
اس زمانہ میں تراب اور عبادت معلوم
بھر عمر تراب اس کی اطاعت میں جو گزرے
بہت امید جنت پر بہت دوزخ کی دہشت
بندے تو سب خدا کو خداوند کہتے ہیں
وہ عبت بند نوازی کی رکھے اس سے امید
تراب اس کی طلب ہے فرض ہرسم پر
جو یہاں طاعت کرے جنت وہاں پاؤے تراب
معشوق تب ایاز ہوا بادشاہ کا
پیدا کیا خدا نے عبادت کے واسطے
عابد نہ کیوں اس خدا کے لئے کوئی
بندگی خوب ہوئی جن سے خدا کی واللہ

نہ کہ ہر لحظہ فدائے گل و ششاد رہو
اوبے خبر کی منت بھی چھوڑ دے
کہ عبادت بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
سجدہ کا نشان مانتے یہ جھومر ہے ہمارا
صرف عبادت میں کی زندگانی
اہل ہمت بخشدیے ہیں محل مزدور کو
میں نے پتے نہ پتے سجدہ داور توڑے
صاف کر دیتا ہے صیقل زنگ سے تلوار کو
کہئے اُسی کو گوشش کہ جو حق نیوش ہے
بے ریاضت خدا نہیں ملتا
پھولے وہ آنکھ جو کہ نہ وقت سحر کھلے
مسافر کو ہے اس مہماں سرا کے درمیاں کھلکا
تا تیرا شب واہ حسر میں ہے
عقبے کا کام کچھ ہمیں بارگراں نہ تھا
اب دیکھیں کیا پسند ہو اس کی جناب میں
صوم و صلوٰۃ داخل رسم و رواج ہے
پیدا کیا ہے جس نے اُسے فکر تو ہے
مدعا جس مستدر تمھارا ہے
خاوند ہے وہ بند کی ہے کام ہمارا
ایک حسن یاں کرے کوئی تو واں ملتے ہیں دس
بس غنیمت ہے کسی سے ہو اگر فرض ادا
پھر تو کوئی نعمت نہیں جینے کے برابر
کوئی کمتر عبادت خالصاً نہ کرتا ہے
حق بندگی کا کچھ بھی ادا ہو تو جائے
حس سے مولا کی نہ ہو خد متکذاری ہاؤ ہاؤ
ہزاروں جس سے مطلب ہیں ہمارے
آتش دوزخ سے کیا ڈرے گناہی چاہئے
مولا کی بندگی میں جب اس نے خطانہ کی
کیوں پیٹ بھر کے کھائے دن رات ہوئے
مقصود جس کو جنت و حور و قصور ہے
وہی مردان خدا اہل کرامات ہوئے

عبادت

غنیمت ہو یہاں جو دم خدا کی یاد میں گزرے
بندگی سے ہم کو مولا کی ہوتی
بے شرت کیا بند آزاد میں
دل سے جو عبادت ہو تو عبود ہے راضی
دل سے سچے ہو تو عبود ہے راضی
اخلاص سے رکھ دجبت کی واقف نہیں غافل
حقیقت سے رکھ دجبت کی واقف نہیں غافل
مجا زنیہ تو ہے عبودیت سے ہے صاف آشکار
ما خلفا ابن والانس سے ہے عبادت کے لئے
جو یہاں آیا وہ آیا ہے عبادت کے لئے
صدائیں کی لئے ناقت مجھے دل کو بند آئی
غنیمت جان لے باجو دم اللہ ہی اللہ ہے
ہے واجب و جو بسزا و رستہ کی ہو
مردوں پر غرض عین عبادت غافل
فقر و دولت کام دینے قریب کیجئے
بندگی لازم ہے فکر بیش و کم کیا کیجئے
دنیا کی فکر غرضت باں عین عبادت غافل
یہ سب جو پیش طاعت پروردگار کیجئے
بندگی میں گردن گروں دون جھاک گئی
جو کیا نور خدائے مطلع الانوار کیجئے

تراب

تراب

جنون

جھفر

جبر

مرد

مرد

مرد

حاجی

عزت
ہر عبادت قبول کر تیری
قلب جب تک کہ ایک سو نہ ہے
ہے چونکہ ضعیفوں کا ذریعہ نجات
عزت دنیا میں ہے سرسبز زلت
چچی عزت کا گر گلبار ہے تو
وہ ساعت رب العزت
اگر تیرے وہ بھی سرگرداں
ہر در پہ امیر کے بھی کسناں
ادراگاہ در فقیر یہ جہن کسناں
کہ ایک خدا کی بندگی تو اے تیر
کس کو پھر گناہ سر جھکا تا ماراں
بندگی ہے جناب حق میں پسند
سر جھکانے میں سر بلند یا ہو
سنو اے بندگان حق بیکری
بندگی سے ہی ارجمندی ہے
سر اٹیا جھکا کہ سر بلند یا ہے ہی
اور خوشی بخشی دارِ جمندی تو ہی
طاقت ہو پسند در گاہ حق میں تم
کہ تو بھی پسند حق پسندی ہے ہی
جنت کی طلب ہے تو وہ طاقت ہی نہیں
ہے بزرگالایح تو ریاضت ہی نہیں
اخلاص کے

۱۲۵

1765

میں

ورد کر نام خدا لیل و نہار
 کہ جو حسن عمل کی شمع روشن ہو کر کی خاطر
 کھلوس دل سے کرے بندگی اگر بند
 مرگ کا اندیشہ بھر کیا رہ گیا باقی اُسے
 تو بند ہو کے نہیں حق کی بندگی کرتا
 خالق کی بندگی میں ہے دارین کی فلاح
 اسجد کے ساتھ اقرب ارشاد اس کا ہر
 تم دیر میں نہ پھٹکو گر جا میں تم نہ جاؤ
 بندگی کی جس کی اس کی مل گیا اس کو خدا
 ہوئی عمر غفلت میں طاہر بسر
 آسمان کے سر جھکانے سے یہ ثابت ہو گیا
 سر وہ کس مطلب کا جو سجدہ ہو نا آشنا
 عاجزوں کی دستگیری میں نہ کر پہلو تہی
 دھیان طاعت کا عبادت کا خال اچھا ہو
 کندہ سے پاک ہوا دل صفا ہوئی حاصل
 پائیگا نور اجابت مثل خورشید اے عزیز
 خدائے بند نوازی ہو بندگی ہے یہی
 بدار ہو کہ رات بہت کم ہے زیست کی
 ذکر خدا سے غافل نہ ہو تم
 سستی ہے جو کہ پڑھتے ہیں وہ کیا نماز میں
 کئے لاکھوں برس سجدے ہوا شیطان گمراہی
 غافل خدا کے واسطے کچھ جاگ لے یہاں
 دے چلے راہ خدا میں جان مال پنا جو دوست
 خدا سے لو لگا کر ترک دنیا
 روئے خدا کے غم میں پے خنہ ابد
 یہ ہیں باعث وصل ذات صمد
 مقبول بارگہ ہوا بھی بندگی تو کر
 چاہئے لائق کہ جو دولت بیدار نصیب
 طاعت سے خدا کو تو نہیں نفع و ضرر
 خدا کی عبادت شب و روز صاحب
 ہو کے جتنی کرو تم بندگی
 ریاضت میں فنا کر آپ کو لے خاک کے پتوں
 عبادت ہی کیا وہ تو جس پر ہے نماز

مغفرت کا ہے اگر امیدوار
 رکھو احلا حراغِ سندی - ۱۰ - اُمّی گھر کو
 خدا کے بندوں میں ہو جائے نامور بند
 جس کی گزری طاعت مولا میں ساری زندگی
 ذرا تو شرم کر لے مرد بے حیا صورت
 بند کو حفظ امر و نواہی ضرور ہے
 رفت عزیز ہے تو رہے سر جھکا ہوا
 لیکن جہاں رہو تم میں اس سے دل لگاؤ
 بے عبادت بے ریاضت کب کسی کو وہ ملا
 کرو بندگی اب تو اللہ کی
 اہل رفت کرتے ہیں سجدہ مدام اللہ کا
 وہ زباں کس کام کی بھولے جو نام اللہ کا
 ہاتھ ابھی چلتے ہیں کرے کوئی کام اللہ کا
 اس کا انجام ہو نیک اس کا مال اچھا ہو
 عجیب چیز ہے یارب کوئی عبادت بھی
 ہاتھ اٹھا کر تو بھی ہنگام سحر سر کھول دے
 وہی ہے بند جو معبود کو پسند ہوا
 اے بخت خفتہ وقت ہو عجز و نیاز کا
 اک روز سب کو ہو موت آنی
 تو کاہلی کو چھوڑ دے کاہل مذہب زمین
 حقیقت کیا ہماری ہو بھروسہ کیا عبادت کا
 پیوستہ زیر خاک آرام سوئے
 آئے تھے مفلس مگر دنیا سو دولت لے چلے
 فدا یہ کارخانہ سب فنا ہے
 دنیا کے واسطے تجھے روزنا حرام ہے
 ریاضت کی راتیں عبادت کے دن
 کیا مغتنم ہے قطب یہ عالم شباب کا
 رہو غافل نہ کچھ وقت سحر سے پہلے
 بند کو ہی ملتا ہے عبادت کا ثمر
 جو دل سے نہ کرتا ہو غافل وہی ہو
 تانہ ہوئے حشر میں شرمندگی
 مٹے جو راہ مولا میں رہو وہ بے نشان ہو کر
 تو ہے قبلہ رو دل ترا چار سو ہے

اخلاص کے ساتھ ہو عبادت اور مہر
تم اختیار کرو طاعت خدائے کریم
نہ پوچھ مہر کہ کیا چیز حق کی طاعت ہے
اس کے سجدے میں دانا تو بھی جھکا سر پنا
منت ہر جگہ ہر جگہ سے بابا جو ہر سے دھیان لگاتے ہیں
جو جھکتی ہیں سو ان کو تو منت ہر کا نانو سہا تا ہے
ہر نام کے چنے سو من خوش نیچہ جتن سو رکھتے ہیں
رکھنا نہ مصیبت نے کہیں کا ہزار حیف
تبیح اس نے بعد پڑھی بھی تو کیا حصول
چاہے ہر سانس میں یاد خدا
خوشید کے پنجے سے اشارہ ہے کہ عاقل
وہ کام کر کہ جس میں ہو کل تیری مغفرت
اے دل اس باغ میں منت چن گل راحت تو وہاں
مالک جو نیک بد کا ہے اس ذات پاک کی
کار خانوں میں نہ دنیا کے کرو فکر ہر بر
سراٹھا سجدے طاعت سے نہ ہر گز کینا

اخلاص نہیں ہے تو عبادت ہی نہیں
کہ ذات پاک ہو اس کی غفور اور رحیم
اسی میں خیر ہے تیری اسی میں برکت ہے
جو کہ ہے مالک کو نین اسے کر لینا
وہ ہر کی آسار رکھتے ہیں ہر ان کی بیان کھاتے ہیں
جس گمان کو ہر سے نیچہ بڑھے وہ گمان انہیں خوش آتا ہے
منت جھکت جتن میں ہے ہیں اور کام بھیجے رکھتے ہیں
بند ہو اور تابع فرماں نہ ہو تو کیا
سو مرتبہ خدا کو جو بھولا من از میں
آئے ہیں بندے عبادت کے لئے
اللہ کی جانب کو اٹھا وقت سحر ہاتھ
اے بند خدا ہے تجھے اختیار آج
پانچ گنا نخل عبادت سے مثر خاص الخاص
اب صدق دل سے لازم اطاعت ہو ہی ہیں
چاہے طاعت معبود کے سامان کی تلاش
سیج کہا ہو کہ خوش آمد سے خدا راضی ہو

مہر
" "
" "
مہتاب
نظیر
" "
" "
نظم
" "
نصرت
نسیم
واسطی
ہدم
" "
ہزبر
یکتا

عبرت

وہ سینہ جو عشرت کدہ تھا ہمیشہ
مقام نیستی عبرت کی جا ہے ہوشیاروں کو
آئی صدا یہ قبر سکندر سے بعد مرگ
اب سکندر ہو نہ دارا ہے کہیں
مل گئے مٹی میں سارے شہر بار
زندگانی کا مزہ ملتا تھا جن کی بزم میں
بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ
سر خاک شہنشاہاں عالم کہتی ہے عبرت
پے تسلیم سر جھکتا تھا سب کا جگے یوں میں
پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مال ہستی
تماشا دیکھ اکبر دیدہ عبرت سے دنیا
ہر خزاں دیدہ ورق کوچ کا دیتا ہو سبق
یہ دیکھتے ہو جو کارے سر غرور غفلت سے کل تھا ملو
سمجھ ہو جس کی بلین سمجھ نظر ہو جس کی وسیع دیکھ

اُسے دیکھیے اب تو ماتم سرا ہے
خبر بعد فنا ہوتی نہیں آسائش تن کی
دیکھا جوان آنکھوں سے عالم تھا خواب کا
ایک کا باقی نہیں مطلق نشان
اب نہ رستم ہو نہ ہو اسفندیار
انکی قبروں کا اب مجھ کو پتا ملتا نہیں
اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہو
قدم رکھے بچا کر آئے جو شہر خروشاں میں
انہیں کی خاک اب پائمال ہو گور غریباں میں
راستہ گور غریباں کا بتا دیتی ہو
اجل کی نیند جب آئے لحد میں جا کے سو رہنا
یہ گلستاں ہو گلوں کا ادبتاں لیل
یہی بدن ناز سے پلا تھا جو آج مٹی میں گل ہو
کبھی یہاں خاک بھی اڑیگی جہاں فلزم اہل رہا ہے

آصف
آحد
" "
احمد
" "
اکبر
" "
" "
" "
" "
" "
" "
" "
" "
" "

عبرت
سحر کو اسی غم میں روتی ہے سنبھل
ملے خاک میں گھلبدن کیسے کیسے
ان امیروں کا جن کو خواہ مخواہ مل تھا گراں
خاک پر گور غریباں میں با سیر ہو گیا
مل گئے خاک میں بن بن کے ہزاروں اپنے
خاک میں کپڑوں ایوان بنے بیٹھے ہیں
خاموش سوتے ہو مقبروں میں
شاہو کہاں ہے وہ جس کی رانی
عبرت کی جا ہو اکبر دیکھو مکان واسطی
لے خفقان خاک وہ نزاکت کہاں گئی
عشرے کہاں گئے وہ لشکر کہہ گئی
دارا کو دیکھئے کہ وہ شجاعت کہاں
رستم سے پوچھئے وہ تربت چمکی
کہتی ہے بادشاہوں کی تربت کہاں گئی
وہ جاہ وہ سپاہ وہ حشمت کہاں
شداوے کہو کہ وہ باغ ارم کہاں
فارون سے پوچھئے کہ وہ دولت کہاں گئی
کیسے حسین کی قبر کا نٹوں کی بار ہے
وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی
پوچھو جو

عبرت

خاندان کا بھی ہے معلوم منعم کو ثنابت
اس قدر مصروف جو منعم بام و در میں ہے
قیصر و خاقان و کیکاؤس و گیتی
چار دن سب کی حکومت ہوئی
نادان نہ جھاک گور غریباں سے اس قدر
آخر تو ایک روز ہے عبرت مصروف ہو
منعم فکر عمارت میں عبت مکیاں بالائے
کیا اٹھالے جاوے گا کہ پیدے میں نہیں
سادہ رو ہو گئے سب خاک کے پیدے میں نہیں
دیکھتے دیکھتے کیا وقت ہوئی ہے فنا
ایک دم میں موج نہیں رفتار کج
اس قدر لازم نہیں اس کو آخر ہے فنا
مغل جو پیدا ہوا ہے اس کو ہوا رہا ہے
کل دی ہو گا جنازہ آج جو گہوارہ ہے
نہ تو وہ تخت نہ وقار نہ شکر نہ علم
نام باقی فقط اسکندر و دارا کا ہے
منیار ہو منور جہاں ہے تو و بالا
بیچھگی عمارت یہ جو اکھوں کی کھڑکی
رہتا نہیں ہے وقت ولادت کے کون
رضت حیات پیرین شوب خوردہ ہے
دی تم ہیں

پوچھو جو بیچے خاک کے سوتے ہیں بادشاہ
شاہ دگدا جہاں میں مالک پس فنا
سامان عیش جن کو مہیا تھا کل تکاٹ
مالک جو زندگی میں رہے تاج و تخت کے
مسہری پھولوں کی اس کی لحد پتہ نہیں
قصر دنیا میں عمارت ہے محل عبرت کا
انقلاب چین دہر ہے عبرت کا مقام
منزل دل کی خرابی کا الم کیا کیجے
دم فنا کیجے اپنا نفس سرد کے ساتھ
اہل دنیا کی خرابی ہوئی ظہر مجھ کو
ٹاٹ بھی مرقد میں ملنیکا نہیں کل سرفروش
جنہیں کج کلاہی کا تھا اپنے عزم
عبرت سے بے ثباتی عیش جہاں کو دیکھ
پستی لحد کی یاد ہے ہر وقت اسے اسیر
پھر ہوئی عبرت کے دنیا آخرت کا کھیت ہے
حال دنیا عین عبرت ہے اگر ہو چشم فہم
دنیا کا حال دیدہ عبرت سے دیکھئے
ہو تو تلف تاج و تخت کیا کیا مٹو زوال کیسے کیسے
دو پھول بھی چڑھینگے نہ کل ان کی قبر پر
کہاں دولت کہاں حشمت کہاں ثروت کہاں شوکت
چشم عبرت ہو تو مردے نہیں کم و اعظا
عبرت نے کہا بنی جو تربت
عبرت کی جا ہے گنبد گردوں کا انقلاب
تکیہ میں جا کے دیکھ تو پست و بلند دہر
اکدن زمین جا کے کرینگے نہ خواب خوش
شاہوں کو کیا ہے خامشی قبر سے خبر
لے گئی گور غریباں میں اجل دونوں کو
دنیا کا حال گور غریباں میں دیکھئے
چرخ نے ایسے مٹائے لحد صاحب تاج
کہاں وہ دولت حشمت کہاں شوکت ثروت
منعم لحد میں طول عمارت سے ہے خجل
آج جو پیدا ہوا کل ہے ضرور اس کی وقا
رخصت لے اہل جہاں سوے عدم جاتے ہیں

ان کی وہ اونچی اونچی عمارت کہاں گئی
روگز زمین قبر کے دوگز کفن کے ہیں
محتاج آج لے وہ دوگز کفن کے ہیں
محتاج بعد مرگ وہ دفن و کفن کے ہیں
جو سونے والا تھا اے آسمان چھپر کھٹ کا
جس کا جشن آج ہے کل اس کا یہاں نام ہو
تھے جہاں گل نظر آتے ہیں وہاں خار پڑے
کیسے کیسے خاندان آباد ویراں ہو گئے
ٹھنڈے ٹھنڈے طرف گور غریباں چلو
نظر آئے جو کہیں گنبد مدفن ٹوٹے
خوش نہ ہو گوا آج بندہ صاحب قالین ہوا
تہ خاک وہ بھی نہاں ہو گئے
دو چار دن ہے خندہ پادر رکاب صبح
کب ہے مجھے بندی ایواں کی احتیاج
اڑ گیا پھر رنگ میرا کشت و ہتھکڑیاں کر
شرم عربانی سے آنسو پانی پانی ہو گیا
مٹ مٹ گئی میں ناموروں کے نشان گور
کہاں ہو وہ حشمت سکندر نشان کیکو میں جو جم کا
جن کے گلوں سو لپٹے ہیں پھولوں کے ہار آج
کہے کو کو نہ کیونکر فاختہ طرخ فریدوں پر
مرگ اک دن ہو یہ زندوں کو خبر کرتے ہیں
سرحد ہے یہ ملک آرزو کی
ہیں گرد باد تربت صاحب کلاہ پر
در ویش کا ہے پاؤں سر بادشاہ پر
بے فائدہ بناتے ہیں منعم مکان بلند
نوبت کا زور شور ہو بالائے بام روز
طاق کسری سے فریدوں سو رہا دور محل
کشتے یہ سب غریب اسی بیوا کے ہیں
اب نہ گنبد ہے نہ گنبد کا کلس باقی ہے
بجا ہے ورد کو کو قمری طاق فریدوں کو
رکھ کر نہ لے گیا درو دیوار دوش پر
تعزیت بھی چاہئے پیچھے مبارک باد کے
پھر کے آنے کے نہیں اب کی بہت دور چلے

وہی ہم ہیں پڑے ہیں آج تنہا کج تربت میں
گو کسری و فریدوں پہ جو پھپھوں پوچھوں
کیا رنگ جہاں میں سور ہے ہیں
پوچھتی ہے قیصر و خاقاں سے عبرت گور میں
لاش پر عبرت یہ کہتی ہے امیر
جس جگہ دو گز زین پانی کھدی سمجھا میں گور
ہے آج جو سرگزشت اپنی
گور میں کہتی ہے عبرت قیصر و مغفور کے
شوق ہوتا ہے عمارت کا تو مجھ سے عبرت
امیر فاتحہ پڑھنے کو لے کہاں آئے
ابھی مزار پر احباب فاتحہ پڑھ رہے ہیں
جو کل تھے ساتھ گئے آج کس طرف یارب
مجمع تھا جہاں شب کو وہاں صبح کو دیکھا
رکھتے جو لوگ ہیں نظر عالی
سیکھ لو اچھوں سے اچھی عادتیں
لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
ہوا لگنے دیتی نہ تھی بن کو بلبل
کل ملک جن کے تھے ہر طرح کے سامان دست
قبر جمشید پہ جمشید سے پوچھے کوئی
جس گھر میں ہے نسرین و سمن یا گل و لالہ
جن تاروں کے پر تو سے بنا منور
ناقص بھی کاموں سے کچھ کم نہیں ان سے
بے ادبوں کی ادب آموزیاں
زمانہ اس سے کرتا ہے آج خاک کشی
وہ مانگ تا نگ کے پتے ہیں او کہہ سے پانی
وہ عطر فتنہ سے بتا تھا جن کا پیرا ہن
انھیں یہ گردش ایام کا گرا نزلہ
بلبلوں کا تھا جہاں صحن چین میں انبوہ
جو بنائے تھے کبھی ایوان کسری کا جواب
اب دیکھے قبریں کوئی ان کے بدن کا حال
چارائیں ہوئیں کس کی نہ محل عبرت
جائے عبرت ہے کسی کی ایک سی گزری نہیں
خاک میں وہ چار باشت حکومت مل گیا

انھیں آنکھوں سے مجمع احباب دیکھا ہے
تم یہاں سوتے ہو کیا حال ہے ایوانوں کا
دوہنتے ہیں چار رو رہے ہیں
کیوں پڑے ہو آج وہ کس بل بدن میں کیوں نہیں
اُسے تھے دنیا میں اس دن کیلئے
جب نئی دو چادریں دیکھیں کفن یاد آگیا
کل اس کی کہانیاں نیکی
کیوں نہیں کرتے ہو اب صاحب قرانی پر گھمنہ
کہتی ہے گور جھنکا کر کہ یہ گھر کس کا ہے
مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے
پھر اس قدر بھی ہمارا نشان رہے نہ رہے
کسی کا حال کسی کی خبر نہیں معلوم
ہے شمع کیلی کوئی پروا نہ نہیں ہے
نہیں عبرت سے کوئی شے خالی
اور بروں سے تم کو عبرت چاہئے
قضا کہاں سے کہاں لے گئی کمینوں کو
وہی گل جفائے خزاں کھینچتے ہیں
آج آنکھوں سے انھیں بے مروت ماں دیکھا
ہے یہاں بھی ہو کس دولت دنیا دلیں
اب نسل ابابیل میں ہے ان کا قبیلہ
اب ان کا مقابل میں تہ خاک ہو بتر
سیکھا ہے کاموں نے کسب کمال کرنا
ان کے بگڑنے نے سنوارا مجھے
جو محو سر و صنوبر تھے خانہ باغوں میں
بھری تھی جن کے لئے مشکبویا غول میں
میراب انھیں روغن نہیں چراغوں میں
سامی بوی گل دل تھی جن دماغ میں
آج چڑیا بھی وہاں نہ منزمہ پرواز نہیں
گردش افلاک سے گرد بیاں ہو گیا
ملبوس تن بچاتے تھے جو گرد راہ سے
متقیر سے آج سلاطین کے تعمیرین ہیں
آج اگر تقدیر سید ہی ہے تو کل مکوس ہے
چار تختوں کے لئے وارا ہے کیا دس ہے

عبرت
موت کے آنکھوں پر ہے خاک پھپھو پھپھو
دیکھو یہ چشم عبرت سے نظارہ کیجئے باغ و بستان
چشم عبرت سے کل دہریہاں خفاک کے
گل کے خون آج میں کل دنیا مقام عبرت ہے
پہاں سچ ہے کہ دنیا مقام عبرت ہے
کہ خواب دیکھتے ہیں جب خیال کرتے ہیں
کہ خواب دیکھتے ہیں کو ذرا دیکھو بحر
چشم عبرت سے گل کرتے ہو دنیا و عبرت
دار فانی میں گل کرتے ہو دنیا و عبرت
جن کو کچھ کر بوریانہ ملا
ان کو کچھ کر ایک دن برباد ہے
خاک و سنگین عمارت ایک دن مر و گریب
دیکھو دنیا میں زمانے کا انقلاب
عبرت کا ہے حجاب و آریا
چشم غیر کا ہے اس مان کچھ یاد آریا
خانہ دہر کا ہے ایک وری کا کچھ یاد
فرش مرقد ہے عرش تختہ عمارت کیلئے
جان دینے ہو عبرت تختہ عمارت کیلئے
روح مرقد کو بھی ہو گا نہ بے سر و پھر
کیا جلسہ روانہ ملک عدم حباب
چشم دور میں کے لئے جام حباب
جو گئی تو

۱۰۰

مفتی

عجبت
 گل تھے جہاں شگفتہ وہاں خار رہ گئے
 بھڑے ہوئے کہیں کہیں آتار رہ گئے
 وہ لب جو زندہ کرتے تھے مردوں کو کیا ہوئے
 کھڑا رہا وہ چشمِ فونکارِ جنِ نثار
 ہوتا تھا جس کے رنگ ادا ہوئے
 وہ گلِ نشانی لب گفتار کہاں گئے
 محشرِ خرام و قدبالا کہاں گئے
 وہ دقندہ خیز شونہ زار کہاں گئے
 انوس اب وہ مجمعِ احباب کہاں گئے
 انوس اب محبتِ غریب کہاں گئے
 دم چرپیل شمعِ سحر اٹھ گئے وہ لوگ
 تھلی جن کے دم سے رونقِ غفلتِ ہزار
 نوپاؤں کی صدائیں ہوں اب بلند
 تھا جس چینِ شورِ غنادل ہزارِ حیف
 بیکار ہیں آپس سے عقدہ شکن ہزارِ حیف
 کھلتے تھے جن سے غصہ تھا کہہ گئے
 کیا ہو گئے وہ قصور وہاں کہہ گئے
 وہ مٹی وہ نشاط کے ساں کہہ گئے
 دیرانیوں نے ڈھیر لگائے ہیں خاک کے
 وہ گل کہاں ہیں اب وہ گلستاں کہہ گئے
 سرت

ہو گئی توڑ کے کوٹھے کو گریزاں دولت
 اسپ چو بی پر نہ چڑھنا ہو جسے انجام کا
 دے اے حکام دنیا کچھ خبر اس کی نہیں
 طاق کسریٰ نہ رہا قصہ فریبوں نہ رہا
 ذرا تو سوچ اے غافل ریگشا دماں کب تک
 انھیں سوکھے کھڑے بھی ملتے نہیں ہیں
 پھولوں کی سیج بن جنھیں آرام ہی تھا
 نہ ایوان شاہاں نہ گورخیاں
 خدا کا ہے کیا قہر مندوتاں پر
 نیند آتی تھی نہ کل جنھیں آغوش یاریں
 جیتے سب شان بھی مرکز بجائے تخت تاج
 زندگی تک جلوہ اہل دول ہے دہریہ
 جزشت خاک خاک نہ ہاتھ آئی بعد مرگ
 رکھتے نہ تھے جو قائم و سنجاب پر قدم
 چادر گل شمع بالیں کس لئے تسلیم اب
 وہ تکلف اب کہاں جب ہوئے پیوند خاک
 دے قسمت بعد مردن گور اہل قصر
 یہ لب گور سکندر سے صدا آتی ہے
 آنکھوں کے سامنے سے جو ہٹتے نہ تھے کب
 رہتے تھے جو نگاہ تمنائیں رات و
 سوتے ہیں فرش خاک پر اہل غرور
 بجھتی تھی جن کے واسطے ہر سوباط
 بزم نشاط کیا ہوئی ساماں وہ کیا ہوئے
 وہ جلوہ ہائے حسن خود آرا کہاں گئے
 تھا جن سہی قدوں پہ نگماں سرو نماں
 آشفگان دام ہو کس وہ کہاں گئے
 کیا ہو گئے وہ خاک نشینان کوئے دور
 کرتے تھے تیغ کندہ حادث سے جو
 بوسیدہ ہڈیوں کے سوا جن میں کچھ
 داگلی وضع کیا ہوئی نقشہ وہ کیا
 وہ خواب عیش طالع بیخواب اب
 وہ بزم عیش انجمن ناز اب
 وہ صورتیں جو سامنے تھیں خواب

اب جواہر کی جگہ ڈھیر سی کنکر پتھر
ہاتھی گھوڑا پالکی اس کو مقرر چاہئے
کل جہاں بستے تھے اس جا آج ویرانہ ہوا
کار بیجا ہے جو تعمیر و رو بام کریں
کرے گان خون اپنے وقت کا ناقہ و ان کتاب
جو کھاتے تھے روٹی کبھی گھی چٹکر
کب اُن کو گوریں ہے میرے بلنگ خواب
فلک نے مٹائے نشان کیسے کیسے
تبہ ہو گئے خانان کیسے کیسے
وہ آج سو رہے ہیں اکیسے مزار میں
خاک رکھتا ہے سکندر زیر پا بالائے سر
پھر نہ دیکھا ہم نے جلتے قصرِ قصیر میں چراغ
مانند گرد باد چلے اس جہاں سے ہم
مرقد میں آج ان کو نہیں بوریا نصیب
کیا دھرا ہے غیر مت اتخوال تربت میں آج
پھول ہیں دو چار بالائے کھد دو چار شمع
گنبدِ مدفن تو کیا اک سنگِ تربت بھی نہیں
تختِ تربت ہی سر پر چتر شاہانہ رہا
پنہا وہ اب نظر سے ہیں مثلِ نظرِ درینخ
دم بھر میں ان کو کھائی کس کی نظرِ درینخ
ہیں محو خواب طالعِ بیدار ہر طرف
وہ سو رہے ہیں خاک پہ ناچار ہر طرف
وہ میزبان کہاں گئے مہماں وہ کیا ہوئے
آئینہ ہائے زیدہ حیراں وہ کیا ہوئے
پھرتے تھے جوچین میں خراماں وہ کیا ہوئے
دائستگان زلف پریشان وہ کیا ہوئے
آورہ گرد کوہِ ویاہاں وہ کیا ہوئے
بے صبرِ غیرت سے تاباں وہ کیا ہوئے
اے بیکیسی مزارِ غریباں وہ کیا ہوئے
کیا ہو گئے وہ لوگ زمانہ وہ کیا ہوا
والتنگی عالم اسباب اب کہاں
وہ دیدہ بازی رخِ احباب کہاں
وہ مٹھکیں وہ مجمعِ احباب اب کہاں

<p>سرست ساغر مے عشرت وہ کیا ہوئے جو بیٹھے تھے مسند دولت پر کیا ہوئے اجباب کے سوانہ بہلتا تھا جس کا جی دیکھ احوال سکندر کہ جہاں سے غافل زندگی میں تھے بہت جان کے حافظ لیکن جس جگہ تخت نشیں ہوتے تھے داراجشید دارکا ہے پتہ نہ سکندر کا ہے نشان مثل دارا و سکندر کے سلاطین جہاں مر کے دنیا سے گیا ہے ہاتھ خالی کس طرح جائے عبرت ہے جہاں یہ سوچ تو دلیں ترا کفن اس کو بہت ایسے تکلف سے دیا تو چند گز تو یہ کفن قبر میں لے جانا ہے قبر کے واسطے کافی ہے کئی ہاتھ زین کل تھا چہرے پر جو سر پہ مرصع باند ہے خاک میں گل گئے آتی ہے کفن سے بدبو دن میں جو بدلتا تھا کئی طرح کے پوشاک ڈھونڈتا تھا خیمہ کے لئے دست میدا اک قدم جو بے سواری چل سکتے تھے کبھی جو رکھتے تھے بہت سامان دنیا کسی کو جو کبھی تنہا نہ گھر میں رہنے دیتے تھے کیا ہی آغوش لحد میں ہیں بری حالت سے بتر قاتم پر جس کو ٹک نہیں آتی تھی نیند رہرو آگے بڑھو قافلہ کا کوچ ہوا بچھی وہ وقت خزاں جا کے راغ میں کرتی کون اپنے ساتھ اوٹھا کر لیکیا اورنگ و شمع وہ کفن سے سنہ چھپائے سو رہے ہیں زیر خاک غم آتے نہ پاتا تھا کل جس مکان میں کاش یہ حبشہ کو معلوم ہوتا جام میں تھا کبھی دور اسیران قفس اسے صیاد خزاں اک ایک کا سر توڑ کر گلچیں سے کہتی ہے چتر منزل ہے کہیں باقی نہ سنگ آستان عزیز مرموم دیدہ سے تھے یہی اجباب تھی جن میں نوحے لطف و کرم کیا ہوئے وہ لوگ</p>	<p>سرشام جام بادہ عرفاں کدھر گئے پھرتے تھے جو تباہ وہ پریشاں کدھر گئے بے گورد بے کفن ہے وہ تنہا پڑا ہوا لے گیا بعد فساد دست تنہا خالی گوردارا پہ کسی نے نہ نگہیاں چھوڑا آشیاں زراغ و رغن کے ہیں ان ایوانوں میں لاکھوں اسی طرح سے زیگتے ہوں کیسے دنیا سے لئے دلیں سب ارمان گئے کیا سکندر کی وہ ساری بادشاہی کیا ہوئی کس طرح آئے یہاں سب کس طرح مرنے لگے وہاں سے جو یہاں آیا ہوا ستر قدم ننگا توشہ خانہ میں یہ پوشاک کی کثرت ہو یہ زمینداری و تعمیر عمارت ہے عبادت آج دیکھا اسے اک پگڑی سڑی ہے سر پہ سچ پر پھولوں کے سوتے تھے جوت عطر لے اموس ہے لاش اس کی پڑی خاک پہ ننگی کیا سخت عذاب اس پہ ہوں گور کی تنگی کام وہ کرنے لگے اس وقت میں سائیں کا وہ مرتے وقت بے سامان اٹھے وہی تنہا اسے اب گور میں دھرنے کو آئے ہیں جو بہت ناز سے تھے گودیں دایہ کے پلے بیخبر سوتے پڑا دیکھا اسے اب خاک میں یہی کہتا ہے جس سینو ذرا اس کی صدا دم بہار جو تھی صحن باغ میں کرسی کچھ نہیں شاہوں کی تربت پر سواں سنگ شمع چین آتا تھا نہ جن کو شب کو بے اورنگ شمع اسی گھر کو بیت الحزن دیکھتے ہیں کاسہ سر کاسہ دست گدا ہو جائیگا اب تو ایک پھول کو محتاج ہے گلشن یہ وہ ثنائیں ہیں کل جن پر شین تھا ہزاروں کا آہ شیریں تر آنسو کو کہیں کوئی نہ تھا چلے جو آنکھ مری خاک سے چرائے ہوئے ہوتے تھے جو شمع سے پریشاں کدھر گئے</p>	<p>عبرت ہو گئے ہماریاں عضو عضو جدا رہ گیا یوسف بے کارواں ابر زریں کیا رہا ہے اور کیا رہ باقی جو بس آج یہ ہے اندیشہاں میں سب کج کتبہ نشان صاحب نشان کا اس جہاں میں سب کج کتبہ کہ جس کے ساتھ ہوں میں ایک دن بیٹے نشان کی عمل عبرت کا ہے انسان کو پیرنگی زمانے کی جو دیکھا غور سے بچوں میں اس سکندر میں بنا با یوم نے گھر قصر دارا اور سکندر کیا کیا عمل عبرت کا ہے باقی فساد ہے ضرب الشمل زباں بہ باقی فساد ہے قارون نہ ہے جہاں میں نہ اسکا خزانہ ہوئی برخواست بنیم شمع کچھ اور کبھی ہے ذرا ہر واہی شمع کچھ اور کبھی ہے گزرے مزار جم پو آگے ہیں نظر لکھے ہوئے بخط جلی جام کبھی تخت شاہی تخت تابوت تھا بعد سے یہ صدا آتی ہے گور قیصر و قفسوں رہے ہیں ساتھ مہر دیوں کے شب بیدار جو برسوں وہ تنہا آج کج قبریں بیہوش سونے میں جن مکانوں</p>
---	--	---

عجرت

جو کچھ

جلالی

جہیں

خفیہ

حالی

عجرت

خوشحال

ورد

چلے جائیں گے خالی ہاتھ سارے
کوئی منسل نہ اہل زور رہے گا
سکہ شاہی تھا جاری جن کا منبت آبیہ میں
بے نشانی نہ رکھا ان کا نشان کچھ بھی نہیں
زمانہ میں کیا کچھ نہیں
مگر چشمِ عبرت بھی ہم کی موت کا
عجرت سال دکھائی ہے غریب کی موت کا
روئے ہیں راگِ بزمِ ہمارے مزار پر
خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے بپا
کچھ مقبول ہیں باقی ان کی شانیاں ہیں
تھی زیست میں کیسی رخ روشن کی بجلی
کوئی اب گور میں پران کی صورت
کہاں رہے سام کا دوس ذراں
ہوئے سب کے سب خاکِ نیریزیں پر
جو تھے شاہ وہ بن منڈیشیں
گدا بن گئے آج منڈیشیں
چشمِ عبرت سے دیکھ ادم
نقش لوحِ مزار ہیں ہم
منہم ایسے قہر اکھوں مل گئے ہیں خاک میں
جز خرابی کے تبا کیا فائدہ تعمیر سے
کچھ تو

جن مکانوں میں فرش مغل تھا
خاک میں وہ آج سوتے ہیں کفن پہنے ہوئے
کوئی اتنا تو حریفوں کو سنا دے جا کر
کل جنہیں فرش پہ پھولوں کے نہ میندا آتی تھی
گور اسکندر پہ دیکھا ہم نے یہ مصرعِ رقم
کل جہاں کرتے تھے طاؤس چمن طنازیاں
قصورِ قیصر و فقہور جاے عبرت ہے
وہی قصرِ سیماں اب ہے بازی گاہِ غولوں کا
میر شاہ سیاہ ہے نہ ان کی گور کو چادر
نظرِ عبرت کرنی چاہئے اہل بصیرت کو
سحر ہوتے ہی باقی شمع روشن ہے نہ پروانہ
جاؤں مرقہ پہ سکندر کے تو اتنا پوچھوں
نہ بے افسانے جن کو فرش گل پر میندا آتی تھی
نہراؤں زندگی میں باغ جو تقسیم کرتے تھے
مر گئے لیکھے سینہ پہ ارماں کیا کیا
خاک میں حیثیت ملی حشمت شاہان کیا کیا
اے خزاں تو نے یہ کیوں کھولی بہارِ گلشن
ہائے کیا کھوئی خزاں نے صحنِ گلشن کی بہار
ہوئے بے نشان اہل نام و نشان
دفن یاں ہو چکیں ہر ایک جگہ لاش پہ لاش
رہتے تھے جن کی سواری میں علمِ پرچم نشان
ہو کر گدا کے حال گئے شاہ و سہریار
ہم اوجِ چرخ جہاں میں بنے تھے جنکے مکاں
رکھو عبرت سے زیں پر پاؤں ہر سرگام پر
نہ وہ قاروں ہے نہ دارا ہے نہ سکندر ہے
کیا یاد فنا نے سب کو برباد
مال و دولت حشمت و باغ و مکاں رہ جائیگا
بٹھاتے بھی نہ تھے اپنے برابر جو غریبوں کو
یونہی رکھا ہے گاہ بکھیرا
جسے کل خلق کرتی تھی سلام آج اس کا لیتی ہے
دیکھ آج کدھر گیا فلاطون
خسرو کو فنا نے کدیا خاک
خواب تھی کروٹ یہاں کی بعد مرنے کے کہو

اب وہاں نقش بوریہ دیکھا
کل معطر جن کے بریں خلعت شاہانہ تھا
ہاتھ خالی لے جاتا ہے سکندر اپنا
خاک پر سوتے ہیں وہ زیرِ مزار آج کی رات
کام کچھ آتی تھیں ہے شوکت شاہانہ آج
قاحتہ کرتی ہے کو کو ہے وہاں ویرانہ آج
کہ چشمِ غول سے ہر طاق پر بجائے چرخ
پر پندادوں کے مجمع روز رہتے تھے جہاں بڑا
کیا تھا جمع جن لوگوں نے اسباب جہاں بڑا
کہ ہیں نقش فنا نقش و نگار قصر شاہانہ
نگاہ یا اس کرتا ہے مکاں پر صاحبِ خانہ
کیا ہوئی شان تری کیا ہوئی شوکت تری
انھیں کے حال کی اباب پہ یارو کے کہانی ہو
تہ خاک آج وہ محتاج ہیں پھولوں کی چادر کے
حسرتوں سے بھری گور غریباں کیا کیا
اہل ساماں ہوئے یاں بے سرو سامان کیا کیا
چھپے کرتے تھے مرخان خوش الحان کیا کیا
آشیاں زرخ و زرغن کے ہیں بجائے عنیدہ
مٹے نام ان کے شان کی طسج
ہیں پڑے زیرِ ز میں غافل خواب یک پہ ایک
بے نشان ایسے ہوئے نام و نشان کچھ بھی نہیں
کچھ فوج کام آئی نہ کچھ غم و جاہ آہ
اب ان کا کچھ نہ نشان مزار باقی ہے
قبرِ قیصر تہرتِ جم مرقہِ مغفور ہے
تہ وہ دولت ہے نہ عظمت ہے نہ نفرت باقی
نہیں ہے نامیوں کا ابنِ نشان تک
ساتھ جانے کا نہیں سب کچھ بیکارہ جائیگا
برابر جا کے سوتے ہیں وہ گور غریباں میں
نقطہ حسرت ہی لیجائیں گے یہاں سے
اگر سمجھو تو یہ بنیاد ہے دنیا کی ثروت کی
تریاق بنایا جس نے سم کو
بر باد کیا قضا نے جم کو
لے گیا کچھ بھی نہ دنیا سے سکندر رہا تھیں

جوش
جرار
جوہری
جوا

کچھ تو حیرت ہو گی ابنا سچا کچھ کچھ
 چشم حیرت سے تاشہ کھینچنے میں مدد
 کیوں نہ ہو کہ وہ گدا کا بعد موزن بیکٹال
 تاج جو شہر ہمایا گیا وہ گل جیسا
 کس کا دنیا میں وہ تاج بدم سا تھا رہا
 نصرت شادان تو ہے اسے رنگ حیرت کا قسم
 خاک میں مل گیا تھا ہوں کا گل ہی مرگ
 نہ خیز آتی تھی جن کو فرخ گل پر مچی نرگس
 ہیں اندھیرے میں ہزاروں بادشاہوں کے فرار
 دیکھ کر عالی مکان کیا کیا ہیں حیرت ہوئی
 زندگی بھر تو بڑے پیش سے گزری لے رنگ
 خاک میں مل گیا سب جاہ و چشم شاہوں کا
 جو کفن سا تھا نہ پاسے گا پس مرگ غافل
 زندگی کا ہے یہ فرق اعتباری چند روز
 نشان تک انہوں کی نہیں تھے یہ نوبت ہے
 نسا دیکھو حیرت سے سوتے ہیں مناسفل
 یہ کج صاحب ظل و دم ہے گل وہ ہے
 حیرت کی ہے بلکہ نہیں گل غور تھا
 صنمیں کس کو حق پر غیر کی عادت کچھ نہیں
 درود چاہیے تہ خاں قصہ سرم میں
 خاک پر پڑے سنگے سہرا فاسل
 رہنا تھا تو حق کچھوں ہاں بسنا یا
 کہ میں خاک نشین تخت نشین یکساں ہیں
 سجدوں میں کھینچنے میں وہ چاہی انکھ سے دھڑ
 تپ کر مار کے پھری دھڑک سے یار
 کیا ہائے کس کی خاک ہے کہ بوش نقش پا
 ہمارا کی خاک ہے عین نقش پا
 گوشہ کار کی سر قدیں میں اب لو سکت
 نہ نوسے دلدل پر راحت نہیں ملتی نہ تھی
 شکایت کر رہا ہے آسپا بھی اس زمانہ کی
 خاک میں مل گئے اس رنگ نشینان جہاں
 ہر بل بے خیز دلدل تخت و سرور کیا
 جو کھنکھاتے نہ گیا کہ میں منم کچھ بھی

<p>اے بیکسی کہاں ہیں وہ سہ ماہیہ منہ در جب چلے دینا سے حسالی ہاتھ تھے جہاں پر چمکتے تھے مرغان باغ سروں پر تھے جن کے جواہر کے تاج جو ہے تخت نشاہی پر سند نشیں جو راج زینت وہ تاج ہے جہاں کل جواہر کے انبار تھے وہاں کیا ہی اب خاک ہے رنگ ہیں وہ گلشن کہ جس میں ہزاروں تھے بھول چشم عبرت کیوں نہ رو کے خون کہ نہ کام خرام آج ان کے مقبروں کا بھی نشان ملتا نہیں دیکھ کر حال خرابات جہاں کو اے عرش تانا انقلاب دہر کا عبرت سے کر غافل چشم عبرت میں سے اے غافل جہاں کی دید کو وہ تخت کہاں کہاں ہو وہ تاج مقبروں میں کبھی ہوتا ہے گزر جب اپنا اہل بنیش کو ہے لوفان حوادث مکتب اے تازہ بہ روان بساط ہوا کے دل دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو سب کہاں کچھ لالہ گل میں نمایاں ہو گئیں بنانے پر عمارت کے عبت مرتے ہیں یہ منعم یوں صفحہ جہاں سے مرانام مٹ گیا صرف تعمیر مکاں رہتا ہے اب منعم عبت کل کسی اور کے ہے قبضہ میں عبرت کا ہے مقام کہ جو تھے شاہ جم جناب کل جن کے آستان پہ تھا اقبال کا ہجوم عالم تھا جن کے طنطنہ جو رہے خراب مخمل کے فرش پر چھین کم خواب آتا تھا آج تو مردہ ہے ہر رنگ گل دروڑ آسمان فرسا تھا جن کے فرد شوکت کا علم کہاں ہیں وہ کہ جن کی بیج سکوں پر حکومت تھی کہاں فرد ہے شاہ داد ہے فرعون خود مر ہے ہوئے کیا وہ جو کہہ دیتے تھے منہ سے کر دکھاتے تھے</p>	<p>ملتا نہیں نشان اب ان کے قبور کا یوں تو ہم نے عمر بھر پسید اکیا وہ ہے مکن کر گس و بوم زاع جو لیتے تھے شاہان رکش سے باج وہ ہیں خواب نازکچ زیند میں وہ کل اک نیکند کا محتاج ہے کہوروں دم اور دینار تھے عجب کچھ زمانہ کے نیرنگ ہیں وہاں دیکھئے آجے ہیں ببول ہر قدم کس کس کا آجاتا ہے مدفن زیر پا جن کے آگے کل نشان و نوبت و نقارہ تھا ہے یہ انسان کو لازم کرے عبرت پیدا گدا کے پائنتی مدفن ہے شاہوں کا سر خانہ تخت و تابوت ایک ہے شاہ دگدا کیواسطے جسم بھی گزرا جہاں سے گئے بھی رونا آتا ہے مجھے دیکھ کے عبرت کیا کیا لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں زہار اگر تھیں ہوس نائے دوش ہے میری سوجو گوش نصیحت نیش ہے خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ یہاں ہو گئیں کہ خشت گونگ باقی نہیں نفور و قیصر ہے حرف غلط کو جیسے سائیں کتابے خاک میں تو بھی ملے گا اور یہ تمسیر بھی میر کو تو جانتا ہے آج اپنا قائم کی جانصیب انہیں بوریہا نہیں کشتا بھی آج ان کی کوئی گور پر نہیں اب زیر خاک خاک بھی کچھ شور و شر نہیں زیر زمیں نہیں ہے بچھوتا بھی ٹاسے کا کل جسے ہم نے یہاں تازہ و خدا کچھا اب زمین پر نام کا ان کے نشان ملتا نہیں کہاں ہیں وہ خدا کی کا جھیں دعویٰ تھا تخت تھی کہاں سہراب ہے دشم ہے دارا سکندر ہے ہیں منہ میں موت کے سب منہ جو مر نیسے بچاتے تھے</p>	<p>عبرت کہاں ہیں وہ کہ جن کے پاس لاتعداد دولت تھی کہاں ہیں وہ زیادہ امین کے جن میں طاقت تھی یہ کیا ہوں جو قیصر و خاقان کے آگے ہیں کیا جہاں سے اساتذہ یہ اسان کے آگے لاکھوں جہاں سے کیا نامیوں کی خاک اڑائی اس خاک نے کیا نامیوں کو برام نہیں ہے وہ خود خود کہیں گور میں بنائیں عمارتیں منعم نے کیوں جہاں بنایا ہزار حیف دیا نے میں مکان بنایا ہزار حیف سیکشن چشم عبرت میں سے دیکھ اسے غریب کا ہے قبائے گل کا عالم آخری پوناک کا کشتہ سے کوئی باغ و میناں بواے قبر میں ایک نہ کام آئے گا بیکار ہیں نیرنگ در دیکھ یہ عبرت کا ہے مقام ہے آستان بوم کا یوں کی گور پر جہاں مور تھے زمانے میں غافلوان کا نام ہے نشان نزار و دیکھتے ہیں شاہوں کا سب جوں رہا ننگی تلک مرد کے کیا تھا ایک کے جاہ و چشم تھے کیا کیا</p>
---	--	---

عبرت

نوجو بے جا رہ گدا مسکرتا کیا نہ کو
 ل گئے خاک میاں صاحب افسر تھے
 مقام فنا و منزل کا اپن
 اثر جی نہ تھا گو منزل کا اپن
 شمع شہر نے دکھائے در کے بست و بست
 لوگوں کا نظر آتے یہاں افسرین
 ان کو دکھلائے بے جا کے پانی قبریں
 اس خرابے میں بناتے ہیں چو تھیں
 جو صاحب محل و علم و نام و بگلیں
 باقی نہیں اب ان کا کہیں نام و نشان تک
 صاحبوں کے واسطے عبرت کی جا ہے
 کچھ نہ آکھ کھول کے کیا ہو رہا ہے
 عبرت کی جا ہے سستی بے اعتبار ہے
 کس کو بیان قیام و شب و روز ہے
 چسپاں آئی لب کو تو لگے دیکھنا
 و نفاس اب وقار اہل دولت دیکھنا
 نذر کا لباس تھا جن کے گلے میں گل
 سوتے ہیں زیر خاک وہ بے کفن ہیں آج
 جن کے

کیا کیا نہ حسرتیں لئے او آسماں چلے
 جن زمانہ کا غافل محل عبرت ہے
 گلستان جہاں کا دید کیجیو چشم عبرت سے
 جو نقش قدم ہے اس زمین پر
 دارا نہیں سکندر و نو شیر و ان نہیں
 کہاں وہ شکلیں کہاں وہ باتیں کہاں وہ جلو کہاں وہ محل
 آج افسانے سا کرتا ہے ہر خواب ناز
 زیر فلک بھلا تو رہتا ہے آپ کو میسر
 سب ہے یکساں جب فنا کی بارگی طاری ہوئی
 ہمارے دیکھتے زیر نگین تھا ملک سب جن کے
 آتانا تھا فردوس جن کا کل آسماں سے
 کن آنکھوں دیکھیں رنگ خزاں کے کہ باغ سے
 کیا کیا جہاں اثر تھا سواب وایاں نہیں
 منعم ال کا طول یہ کس جینے کے لئے
 تھا ملک جن کے نگین صاف مٹ گئے
 اک محو تماشہ ہیں اک گرم ہیں قصہ کے
 بزم عشرت پر جہاں کی گوش واکر جائے چشم
 کارواں درکارواں یاں سے چلے جاتے ہیں لوگ
 کیا کیا ہوئے ہیں اہل زباں ڈھیر خاک کے
 تیر جگہ ٹپے ہیں آج جہاں
 کیا خاک میں ملایا ہم کو سپہ گردوں نے
 منعم کا گھر تادمی ایام میں بنا
 نام آج کوئی یاں نہیں لیتا ہے ان کا
 ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں
 ذرا گو رغبیاں کی کر سیر کہ دنیا میں
 رتی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں
 کل چین میں گل و سمن دیکھا
 نہیں تھج کو چشم عبرت یہ نمود میری درہ
 خاک آدم ہی ہے تمام زمین
 تھجے گر چشم عبرت ہے تو آدمی اور بگوئے سے
 ہر مشت خاک میاں کی چاہتی ہے کچھ تامل
 یاں سرکشاں جو صاحب تاج و لوا ہوئے
 اے جب جاہ والو جو آج تاجور ہے

یہ بھی نہ کچھ کھلا کدھر آئے کہاں چلے
 جو آگیا ہے تو یاں تو مت گزر گستاخ
 کہ ہر اک سر و قد ہے اس چین میں نخل ماقم کا
 آئینہ حمال رہرواں ہے
 غنقا کی طرح نام ہے باقی نشاں نہیں
 یہ سب کا سب خواب کا تھا ساں چھپا لیا بس دکھا دکھا
 دیکھو مینا بے خبر کل تو بھی اک افسانہ ہے
 کس کس طرح عالم یاں خاک ہو گیا ہے
 ٹھیکر اس مرتبے میں کیا سر فقور کا
 کوئی اب نام بھی لیتا نہیں ان ملک گیروں کا
 ہیں ٹھوکروں میں انکے آج استخاں زمین پر
 گل سب چلے ہیں رخت سفر اپنا باندہ کر
 جن کے نشان فیلوں یہ ان کا نشاں نہیں
 جتنی گئی اب اتنی تو مدت نہیں رہی
 تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
 یاں آج جو کچھ دیکھا سو کل وہ فنا نہ تھا
 آج یاں دیکھا کیا جو کچھ کل افسانہ ہوا
 ہر طرف اس خاکداں میں دیکھے ہیں گرد گرد
 کیا کیا مکان دیکھتے ناگاہ ڈھے گئے
 لوگ کیا کیا نہیں تھے کل بستے
 ڈھونڈھے نشان تربت پاتے نہیں ہمارا
 سو آپ ایک راہی وایاں مہمان ہا
 جن لوگوں کے املاک یہ سب زیر نگین تھا
 نفل کے شہر سے ذرا سیر کر فراروں کا
 ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا
 تھا کل تلک دماغ جنھیں تاج و تخت کا
 آج دیکھا تو باغ بن دیکھا
 کہ کیسے یہ خاک میں گئے تھجے سے تاجدارا
 یاؤں کو ہم سبھاں رکھتے ہیں
 تھنا کر عیار افشائی خاک عزیزیاں کو
 بے سوچے راہ نہ چل اک کام پر پھرا رہ
 یا مال ہو گئے تو نہ جانا کہ کیا ہوئے
 کل اس کو دیکھیو تم نہ تاج ہے نہ سر ہے

تلق

تلق

قدرت

قرباں

گویا

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

میر

عبرت

پہنچ

جاں بارہ دل مادر میں ہر فرزند کی
 ریت زیر خاک ہے یکساں گدا و شاہ کا
 کھینچی پھرتی میں ارواح تنگ و تنگ
 سر پہ کیا قہر و ایوان چھوڑ کر
 چلے ہیں جسمیں ناپسند
 تمہیں چھوڑتے ہیں ناپسند
 پچانگے اٹھا کے درویش و تنگ
 غفلوں کو درویش و ادب آموز ہے
 مانع گردن کشی ہے انخار و اب کا
 عبرت کے واسطے بدست ہے غافل
 کھینچی شہید افروشاں حباب میں
 نوبی ہے سامان غفلت سے جی اک عبرت ہے
 جام نے دیکھا تو دیوان آیا جہاں میں ہم نہیں
 اس عمارت کو نہ تو سر پہ استن زیا
 دیکھا اسے غافل فرما کر اپنے کفن کا جھبکا
 دیوان آتا ہے کفن کیا کرتے ہیں
 کپڑے جب قطع کیا کرتے ہیں
 عبرت کی جگہ لاکھوں جا پیر و جوان نہیں
 پیری میں جی خنیاں اجل کا بیان نہیں
 جن کے

اے مصحفی میں روؤں کیا پھیلی صحبتوں کو
 آفاق میں کل عالم تصویر تھا جن پر
 چشم بنیا کے لئے عالم ہے سارا درگاہ
 سیر و تفریح نہیں ہے فقط آبادی میں
 ایک دن خاک نری گرد سہرا ہو گئی
 ہڈیاں بھی اہل دولت کی نظر آتی نہیں
 آج اے منعم لباس زیت میلا ہو گیا
 ہیں کہاں وہ لوگ اگلا کار خانہ کیا ہوا
 جانے والے جز ہد کیا چھوڑ کے جائینگے یہاں
 جسم خاکی چھوڑ دے گی روح دامن جھار کر
 مکاں تھے عرش سے جن کے ہوائے تند دنیا سے
 تنہا کھڑے اندر ہوں گے گدا کی صورت
 سوتے ہیں زیر خاک شاہ و گدا
 جانے والو سفر قبر کی سختی دیکھو
 منموہ بھی سنا دار فنا میں تم نے
 اومے غفلت کے ماتے آذراتو ہوش میں
 غربت یہ کہہ رہی ہے پس مرگ قسیر یہ
 کس لئے کا وہ محل نہ فریدوں کا طاق ہے
 بیہند خاک سینکڑوں خوشرو جوان ہوئے
 ہم نے سنا ہے یہ لب نوبت سے بارہا
 چشم عبرت سے جو دیکھا رتبہ شاہ و گدا
 استخوان سر فقور سے کہنا ہے مجھے
 مٹایا اے فلک کس نے یہ نام قیصر و کسر لے
 کبھی بال ہما کرتے ہیں شاہوں کی لگس رانی
 جن غفلوں کو خلعت شاہی پہ ناز تھا
 اے فلک خلعت زرتار جو کل پہنے تھے
 ایوان و محل تھے جن کے مشہور
 کسری سے بھی بلند تھیں جنگی عمارتیں
 کنج بھر میں خاک پہ سوتے ہیں آج وہ
 نہ اب ہر سلیمان ہے نہ وہ تخت رواں باقی
 ہمت عالی سے جن کے کا پتا تھا اک جہاں
 شور تھا عالم میں جن کے کردار کا آج وہ
 کل ہے اک دو گز زمیں پہنے کو باد از قبض روح

بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں
 ویراں نظر آتے ہیں وہی قصر و محل آج
 علم و حکمت کا سبق ہم کو کہاں ملتا نہیں
 عبرت انگیز ہیں احوال بھی ویراں کے
 بستر گل پہ بھی وہ پانوں نہ دھرنے والے
 خاک اڑاتی ہے زمیں اس کا خزانہ کیا ہوا
 فخر جس پر تھا وہ اجلا کار خانہ کیا ہوا
 اس نئی دنیا سے بوجھو وہ زمانہ کیا ہوا
 یادگار رنگاں گرد سفر ہونے کو ہے
 ایک جھٹکے میں جدا گرد سفر ہونے کو ہے
 نشان تک نام کو باقی نہیں ہے انکی تربت کا
 جتنے ہیں اس جہاں میں جاہ و جلال والے
 بوریاسے نہ چار پائی ہے
 بار جاں پھینک کے رہر و سوئے منزل آیا
 مولے قبر میں جو حال سلیمان دیکھا
 دیکھ گورستاں میں سوتے ہیں یاران شباب
 جز بیکسی ہے کون ترا ننگسار آج
 شاہوں کا یاں نشان نہ رہا نام کے لئے
 کیا کیا زمین پہ جو ترے آسمان ہوئے
 جو نامور جہاں میں ہوئے بے نشان ہوئے
 ٹھوکر میں کھانے کے لائق تاج قیصر ہو گیا
 حسرت تاج میں اب ٹھوکر میں کھاتے ہو عبث
 نہیں ملتا نشان طاق ایوان اسکا کیا باعث
 کبھی ہے ٹھوکر میں تاج سلطان اسکا کیا باعث
 سوتے ہیں منہ چھپائے ہوئے وہ کفن میں آج
 آج وہ زیر زمیں تن یہ کفن رکھتے ہیں
 دروازہ ہے گور ان کے گھر کا
 عبرت کی جا ہے گور میں اب انکا گھر ہوا
 کل تک جنہیں تھا فرش میسر حیر کا
 ہر ایک نامی کا دنیا سے مٹا نام نشان کیا
 بہت ہیں کنج لحد میں دیدہ بہ کچھ بھی نہیں
 دفن ہیں زیر زمیں باقی رہا کچھ بھی نہیں
 آج کو قبضہ میں سارا رنج مسکوں ہو گیا

مصحفی

محبت

منیر

ماہر

مست

محبوب

ماہ

مقبول

ناسخ

جن کے سروں پر آپ گس راں ہے ہما
 دیدہ ظاہر سے ہے اے غافلویہاں تو کیا
 یا شکستہ جو ہے کرتا ہے جہاں میں سلطنت
 ٹھوکر لگا کے چلتے ہیں جس کھوپڑی یہ لوگ
 چمکتی ہے جو ریت اکثر نشاں ہے مرجینوں کا
 باغ میں گلبن ہیں گلہ سستے مزاروں کے تمام
 ہوئے سیل قتلے قصر عالی بے نشاں لاکھوں
 جس جگہ تھے قصر و منظر بن گئے گوریں تمام
 آبیوں کو دیکھ کر عبرت کرو اے غافل
 جب نہایا میں تو آیا غل میت کا حیاں
 ہے مکاں گور تنگ سونے کا
 صبح جب دیکھی کفن کا درمیان مجھ کو آگیا
 موت کو یاد کرے تار کفن آئیں نظر
 ہوش میں آتا ہے انسان مرگ انسان دیکھ کر
 دیتا ہے جیسے آئے تھے ویسے ہی ہم چلے
 اے خود آرا اٹھ گیا دنیا سے خالی ہاتھ کیوں
 جو جیتے جی نہیں بیٹھے ہیں کنج غربت میں
 بزم عشرت میں ہیں طبلے غافل و طبل رحیل
 نامور ہوتے ہیں ہو جاتے ہیں اکثر بے نشاں
 اسی صندوق میں کل ان کی لاشیں بند ہوتی ہیں
 سوچ اے منعم عمارت کا تہہ مذکور کیا
 نقش ہمتی جو ہوتے ہیں برنگ نقش پا
 گور رتم کو جو دیکھا کھول کر
 فقرائے منعم بناتا ہے تو اوروں کے لئے
 خیمہ بنوانے میں ہیں مصروف جو یہ اغنیاء
 جمع کیا کرتے ہو مہماروں کو تم اے غافل
 پسند آتا ہے گرجتے کو عروج اکدم کا اے منعم
 عبت ان غافلوں کو رات دن فکر عمارت
 کرنے ہو تعمیر اوروں کے لئے فقر رواں
 حشر تک زیر زمین دور و زبالا لائے زمین
 لاکھوں ہی مامور ہوئے دنیا میں بے نشاں
 کل ملک آراستہ دیکھی ہے جس جان بزم قص
 کل جہاں چاؤش کرتے تھے صدائے دورباش

ان کا لحد میں آج کوئی استخزاں نہیں
 دیدہ عبرت سے دیکھو گلشن شداد کو
 یہ صد آتی ہے ہر دم تربت تیمور سے
 کس بادشاہ کا یہ سر پر غرور ہے
 جسے ہم روندتے پھرتے ہیں یہ سب خاک سناں
 خاک میں کیا کیا ہی گل رخسارینہاں ہو گئے
 تری عبرت کو منعم ایک باقی قصر گردوں ہے
 شہر جو آباد تھے شہر خموشاں ہو گئے
 انک خونیں روتے ہیں آنکھیں غریب ارکی
 قطع جب ہونے لگے کپڑے کفن یاد آگیا
 کیا کروں گا تنگ سونے کا
 گور یاد آئی کیا جس دم نظارہ شام کا
 اس لئے ہوتے ہیں موئے بدن پر سفید
 یاد آتا ہے وطن گور غریباں دیکھ کر
 یاں تک کہ لاش کو بھی میسر کفن نہیں
 لے گیا ہوتا یہ آئینہ سکندر ہاتھ میں
 اٹھیں کی خاک بنی گرد باد صحرا میں
 یہ مجیروں کی صد بانگ در اسے کم نہیں
 ہر کن کہتے ہیں جن کو گور کن سے کم نہیں
 یہ غافل آج کیوں بے فائدہ زربند کرتے ہیں
 گور بھی ملتی نہیں دنیا میں کیسا دس کی
 کچھ خبر ہے راہ چلنے میں کسی پامال کی
 ایک مشت استخزاں پوشیدہ ہے
 جانتے ہیں ہم براہ تجھ کو اور مزدور کو
 جانتے ہیں تنگ شاید چرخ کی خرگاہ کو
 قبر پر جا بیٹھتے ہیں چھوڑ کر تعمیر کو
 ہو اکب قصر تن حکم محل کی پائیداری سو
 کریں عبرت کہ کیا کیا قصر و ایوان ہو گئے خالی
 موقم کو ملی صمت مگر مہسار کی
 جز لحد دنیا میں کچھ تعمیر کی حاجت نہیں
 اک گور میں ہیں کسے سکندر بھرے ہوئے
 آج واں کوئی بگلوں کے سوار قصاں نہیں
 غیر شیر و گرگ آج اس جا کوئی درباں نہیں

عبرت

فرش خاکستر یہ وہ مہبات سونے میں پائے
 روز و شب رتے تھے جن کے من زندہ زیر پا
 جائے عبرت ہے یہ دنیا غافل و درتے رہے
 تاج تھا جس سر پر وہ تخت و افش
 گیا جام گدائی چھوڑ دے نہ عالمگیر بھاتی
 گدا چھوڑے گیا یاں کے نہ عالمگیر خواب
 فرشتہ منہل یہ نہ آتا تھا عجبیں خواب سواب
 بن کر خاک میں ہو کر کے وہ مجبور دراز
 بے جا بیودل دانہ انجام تہ خاک
 جہنم نہیں لے کے گیا جام تہ خاک
 گھر کیسے کیسے در فلک نے کیسے بھاری
 تخت اب منہل دھوا اور فوج تھی براتی
 جب جلے تو کوئی بھر سنگ تھانہ ناخی
 دنیا کے امیروں میں یاں کا رہا و نہ
 دنیا کے لشکر یاں کا بجا و نہ
 برباد آئے تھے تہا کسے تہا کسے تہا
 کیا بخت مکاری بنا لکھتے تہا کسے تہا
 نوادہ بخت اٹھاتا ہے واں گور گور تہا کسے تہا

عبرت

عبرت

نشاہ کیا کیا ہو گئے ہیں اس زمین کے تخت پر
 جو نظر نہ تھی جہ پر خیمتیں کے تخت پر
 ہائے کیا کیا شخص تہمید مل گئے ہیں خاک میں
 کجا ہی احوال اک دن اینجیشت خاک کا
 جس دم جو اونچ پہنچے زمانہ کے ہاتھ سے
 گھٹیوں میں پھر رہے ہیں وہی خوار اندونوں
 آئینہ میں جہاں کے کرتوت نظر
 اب کہاں ہے سکندر و دارا
 میں کہاں اسکندر و دارا کہاں کاوس و جہم
 کیجیے خانہ آباد دیدار ان پر گئے
 آج کیوں نازاں ستاج و تخت پراییل کوئی
 اب کی کل بھیدی ہے پتھر کی سنانے کی کوئی

علامہ

ذرا عبرت سے نقصان و کمال مادہ کو دیکھو
 گلستاں ہو کہ غارستان یہ دونوں جاو عبرت میں
 ہوا میں ان کے ذرے ہوں تو ہوں چونا مور کورے
 ذرا سن تو سہی کیا شور ہے شہر خوشاں میں
 کل تک منہ ڈھاک کر سوتے میں دم گھٹتا تھا غم
 یہ اثر کے تاج سلیمان سے خاک کہتی ہے
 عبرت مجھے ہوتی ہے پلٹنے پر حسد کے
 کوئی خبر نہیں دیتا ہے خاک جم کی مجھے
 لحد میں مال و زر کچھ کام آئیگا نہ منعم کے
 گواہی دیر ہے میں روز محشر دست و پامیرے
 سنا ہاں سرفراز کا اتنا تو ہے نشاں
 ست نظر کر نشاط و دوراں پر
 عبرت کی بات ہے دیکھ ڈرا آکھ کھول کر
 گر تو فرما ہے تو بیکار ہے یہ دولت و جاہ
 کل تک جو شمع محفل عیش و نشاط تھے
 نازاں نہ تخت و تاج و علم یہ ہوں بادشاہ
 فلک شکوہ بناتے تھے یاں جو قصر لبند
 اعضاء کا ان کے خاک کے نیچے نہیں نشاں
 چشم عبرت سے زمانے کا تماشا کرے
 جن امیروں کو بڑا ٹیبل و علم یہ تھا غور
 ہوئی عبرت مجھے دیکھی جو سحر شبنم کو
 جہاں یہ واسطی عبرت کہہ ہے
 منہ ہے نہ یک نہ مسہری نہ بچھو نا
 بناتے ہیں عبت منعم عمارت دہر فانی میں
 نام آدر جتنے تھے وہ خاک میں سب مل گئے
 خواہش اسباب کی بس عالم اسباب میں بھی
 آکھ جب پڑ جائے گی آنسو رواں ہو جائیگا
 آئینہ ہے چراغ سکندر کی گور پر
 محو کروں سے پاؤں کی پامال ہوا آج دیکھ
 کمرے کے طاق پر یہ کھنا تھا یہ آب زند
 اہل دنیا کو جگایا خفتگان خاک نے
 آخر اک دن تھکے مابوت ہونا ہے نصیب
 چین سے کیا سوتا ہے منعم بچھا کر یاں پٹنگ

جو پہلے سر پہ چڑھتے تھے وہ اب دگر نکلتے ہیں
 یہ مقتل نیزہ بازوں کا وہ دفن تاجداروں کا
 پتہ روئے زمین پر تو نہیں ملت اعزادوں کا
 جو مائل ہیں یہاں اگر سبق لیتے ہیں عبرت کا
 آج دامن کفن سزا پر ہے دہرایا ہوا
 میرا اب سر بال طیور میں نے کیا
 اک بات اٹھا تا نہیں کہہا کسی کی
 میں خشت گرے کبھی کو زہ گرے ہو جتنا ہوں
 جسے خود کھ دکرا گا لاہو امید اس سے کیا کھے
 یہ حال اپنوں کا ہے غیروں سے پھر امید کیا کھے
 کچھ گرد آسمان پہ بھائی ہوئی تو ہے
 وا اگر تیری چشم عبرت ہے
 آخر کہاں وہ اپنے پرانے چلے گئے
 دیکھ دینا سے گیاے کے سکندر کچھ بھی
 جلتا نہیں میرا رخ ہے آج ان کی گور پر
 مٹ جائیں گے تمام یہ نقش و نگار عمر
 یہ مٹ گئے کو نشان مزار تک نہ رہا
 رکھتے نہ تھے قدم جو تو مگر زمین پر
 پھر ہے اسے راہر و منزل فانی سونا
 مٹ گئے ایسے کہ اب قبل و نشاں کچھ بھی نہیں
 مٹ گیا جو حری گلشن احباب آیا
 ترانہ جگھٹا میلانہ جھم
 انجسام تہ خاک ہے یہ اہل دول کا
 کہاں ایمان بنیدی کہاں قصر فریدوں ہے
 یہ عبرت توئی چوئی کچھ عمارت رہ گئی
 سو رہے بد فنا خاک میں بستر کے عوض
 اک جگہ کو مزار کشت لگاں ہو جائیگا
 ہے جام جم کی خاک میرا و نیم ہے یو کلا
 جن کا سر کل نہ نیت انھیں داسر ہو گیا
 اس منزل خراب کے ساکن گزر گئے
 بسند انھیں دیکھ کر و چشم عبرت ہو گئی
 آب زند سے تھا لکھا خاکان چین کے تخت پر
 عاقبت ہے گور میں سونا زمیں کے تخت پر

نظم
 نشاط
 لہاب
 نیم
 واسطی
 وہی
 وزیر
 وشت
 وقار
 ہر چند
 ہوس
 ہوش
 ہدم

عدم

سخت ہے راہ عدم انسان کو بے اعمال نیک
 واہ کیا سیدھی عدم کی راہ ہے
 کرو جو غور عدم تو وہ ایک ہستی ہے
 رفتہ رفتہ بعد میں پہنچے ہسم
 وہ شہر مقرر ہے کچھ اس شہر سے بہتر
 ہموار راہ ہے کوئی رہن کا ڈر نہیں
 عدم کی راہ سے ہموار کوئی راہ نہیں
 دلا ملک عدم کے خوف سے کیوں دم نکلتا ہے
 دم واپس ظلمت قبر محشر
 کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی
 جاتا ہے جو ہستی سے عدم کو نہیں پھرتا
 ملک عدم کی آمد و شد کا ہے کیا شمار
 کیسی ہموار ہے راہ عدم آباد آمیر
 کارواں عدم آباد رواں ہے خاموش
 عدم کو چلے جاتے ہیں آگے پیچھے
 ہمتی سے رواں قافلے رہتے ہیں شب و روز
 نہ بستی و بلندی ہے نہ ایسے بھیڑ کے رستے
 جہاں ہو گا تو ا جانا کہوں کیا حال میں ارکا
 عدم میں جا کے کہوں گا سہلے ہستی سے
 یاد و جو شہر عدم سے آئے ہیں اس ملک میں
 کون ادھر کی یہاں خبر لائے
 تراب اس طرف خبر کون لائے
 ہم نہیں واقف عدم میں کیا تھی دلچسپی مگر
 پوچھے کس سے کہے کون عدم کا احوال
 جاتا ہے عدم کو اک زمانہ
 ملک عدم میں بیٹھ رہے جا کے سب غریز
 اکدم کی مسافت ہے پہنچ جائیں گے جلدی
 کس طرح طے کریں گے الٹی راہ عدم
 نکلتا نہیں عدم سے خرابات دہر میں
 شام کو آئے چلے وقت سحر سوئے عدم
 کڑی تھی اس قدر منزل عدم کی

مرد بے توشہ کو تکلیف سفر کیونکر نہ ہو
 اک سر مو بھی نہیں زہنا رکج
 نہاں ہوا جو ادھر ہو گیا ادھر پیدرا
 راہ غربت کٹی وطن آیا
 دینا سے عدم جا کے پھر آتا نہیں کوئی
 بہتر کوئی عدم کے سفر سے سفر نہیں
 نہ کچھ مسافت منزل نہ راہ کی گردش
 مسافر سینکڑوں جاتے ہیں ستہ خوب چٹا ہے
 عدم کہیں رشتے کٹھن کیسے کیسے
 کہ مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک
 بے شبہ شہر ہے کوئی دلچسپ ادھر بھی
 ستر جہاں میں آئے بہتر چلے گئے
 چین سے سوتے چلے جاتے ہیں جانوالے
 خاک اڑتی ہے نہ آواز ذرا آتی ہے
 ہر اک شخص کا بس یہی راستہ ہے
 مدد و عدم کا کبھی رستہ نہیں ہوتا
 عدم کی راہ سب اہوں سے ہے ایسے پیچیدگی
 وہاں پر بس کوئی اپنا نہ بیگانہ ترا ہو گا
 لباس عاریتی بر میں تھا اتار آیا
 کیوں پھرے جاتے ہیں وہ اٹے ادھر کریں گے
 جو یہاں سے گئے نہ پھر آئے
 نہ آیا ادھر پھر ادھر جو گیا ہے
 روز و نیا سے ادھر اک قافلہ جاتا رہا
 ایک بھی ملک سے نہیں جا کر پھرتا
 ہر چند کہ راستہ نہیں ہے
 ایسے گئے پھر نہ ادھر سے ادھر پھرے
 کچھ دور یہاں سے عدم آباد نہیں ہے
 کوئی نہ راہر ہے کسی کا نہ ساتھ ہے
 کیوں ہوشیار آئے تھے کیوں بے خبر چلے
 رات بھر کے لئے تمیز مکاں کیا کرتے
 کہ پہنچے خاک میں مل کر یہاں تک

عدم

اسی طرح اپنے بے راہ عدم
 رک جائے کہیں عمر رواں پو نہیں سکتا
 دو جانا ہے کہ بے قصہ عدم
 قبر بابا اب ہم کو نصرت کیجئے
 جہاں اس درجہ ہے پیر عدم آباد بھی
 جانفزا کس درجہ دیکر جہاں زیر زمین
 جا رہا ہے جان دے دیکر جہاں کی بستی ہے
 عدم آباد کی بستی ہے کینڈے کی بستی ہے
 بلندی کے بلندی ہے کہیں نیچے کی بستی ہے
 عدم کا ہے سفر آخر ہر بارغ ہستی ہے
 دین کو آنکھ اپنی روح غریب کو ترستی ہے
 ہزاروں قافلے جاتے ہیں روز سوئے عدم
 وہاں کے حال سے کوئی خبر نہیں ہوتی
 پھر کے آیا نہ کوئی راہ عدم سے پہلے
 سنگیوں قافلے اس راہ گزری
 رنگان عدم کی کیا گزری
 نہیں آتی خبر نہیں آتی
 افسوس نہیں ہے ساتھ توشہ
 کلے کیوں نہ کریں راہ عدم کو
 پھیرا

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

تشیق

عالم

پہچاننا سے یہ شائق کو عدم میں کیا ہے
لوگ دنیا سے جو دن رات سفر کرتے ہیں
بات کو کچھ نہیں کیا جانے کی بات ہے
جہ کی کیا بات ہے وہیں ہر خوشیاں میں رہا
جب اکھ بند ہو گئی پھر کیا ہے رخصت
اک دم میں سے ہے راہ عدم گرج دو ہے
عالم کو جانتے ہیں لاکھوں سرائے ہستی کے
عالم کو کی ادھر کا ادھر نہیں آتا
محجب ہر دورم کے لوگ اپنے دیکھے بچائے ہیں
یہ سب دورم کے ہے واں کے رہنے والوں سے
عالم آباد کہتے ہیں جاکر عدم کے جاننے والوں سے
دراکھ سے کوئی جا کر عدم کے چھپے آنے والے ہیں
عالم آگے آگے ہم بھی چھپے آئے عدم سے
جانتے ہیں عدم کو ابھی آگے سفر کا
کیا چین سے بیٹھیں کہ ادا ہے سفر کا
عالم کے رنج و اسے بھی کین لا مکافی ہیں
ہر کم خط کتابت ہے نہ پیغام زبانی ہیں
خدا معلوم نہ یاد خاک کیا چھپ عالم ہے
کیمیں میں جانہ اردن تا جو نورانی ہیں

کیا ثبتان عدم

بھرا عدم سے نہ کوئی جہم کہ حال یا روٹکا پوچھو
عدم سے آکے عدم کو اگر نہ پھیر جاتے
بہنچ جاتے ہیں بند آنکھیں کئے منزل پہ سب ہم
خائیں قصر و ایوان کیا ہیں بھی وہاں جا
منزل راہ عدم دیکھئے طے کیونکر ہو
رہر ملک عدم کی نہیں آتی جو خبر
ساتھ نہ کوئی جائے گا ہوں گے رواں جدا جدا
کیونکر کئے گی راہ عدم کی سفر ہے سخت
جو ہری راہ عدم میں نہیں ڈر رہزن کا
کسی سے راہ میں ہوتا نہیں کسی کا ساتھ
بے شک کوئی جالائق تفریح وہاں ہے
چلا تو ہیں مگر اہل عدم جو چپیاں
درمیش رہ ملک عدم ہے مہیں حیرت
کیا جانیے کیا لطف ملا ملک عدم میں
گئے عدم میں تو یاران رشتہ بوجھیں گے
ہیں مہم یہ ملک عدم ہے کس کاشے کا
آتا کوئی جو ملک عدم سے تو پوچھتے
وطن چھتے تو کہو کس طرح تشر آئے
زینت زیریں گرچہ نہ ہوتی دلکش
رہروان عدم آباد کئے جانے والے
دم ادھر تھپو مٹا اور عدم پہنچا
سفر ملک عدم کا ہے و فور ضعف ہے جہم
ہاں چلے ابھی اے ساکنان ملک عدم
یارب مسافران عدم کی خطا معاف
ہے عبت جستجئے اہل عدم
عدم نے ہر طرف ہمتی کا ناکارو رکھا ہے
مسافران عدم کا کہیں نشان نہ ملا
مسافران عدم کا شمار ہو کس سے
ملک عدم میں خیر سے جانا محال ہے
اس کے پھر آنے کی امید کسی کو بھی نہیں
ملک عدم وہ ملک ہے جا کر وہاں سے پھر
کچھ ہو تو عدم میں راحت
ہمتی سے عدم ملک غنچہ کی ہے راہ

عجیب و عجیب ہے وہ عالم کہ جو گیا ہو گیا اور پھر
یہاں ٹہر کے غریب انداز کیسا کرتے
ہم کی کیا شکر ہے صاف کچھ آواز نہ دے
سڑے دہرے جل کے جہاں شاہ و گدا ٹہرے
ساتھ کوئی نہ کہیں کوچ سفر کی آواز
رات بے کیا ڈاک کے ہر کاروں کا
راہ عدم کا جو ہری ہو گا سفر الگ الگ
اٹھتے نہیں ہیں سنتے ہیں سبغ و عن میں پاؤں
جس کو دیکھا ہے یہاں بے مرد سامان دیکھا
ہر ایک دم میں رواں رہر دم دم سو
کرتا نہیں رخ کوئی ادھر جا کے عدم سے
بہت ہوا ہیں عدم سے آئے ہوئے
کچھ شکر بھی کرتے ہو کبھی زاد سفر کی
جوار گئے پھر زاد ہر سے ادھر آئے
کہ تم بھی جا سکتے ہو یہاں آکر آئے
جسے ہم دیکھتے ہیں وہ اسی جانب رہا ہے
چر جا ہمارا ہوتا ہے اہل دھن میں کیا
عدم سے آئے تو دنیا میں انگبار آئے
یوں عدم کو کبھی اپنا نہ پرایا جاتا
ایسے جاتے ہیں کہ پھر لوٹ کے آتے بھی نہیں
ہے قریب آتنا ناممکن کیا ہے
اور انبار گشت رکھ کر چلے سر پر خدائے
زاد تو ٹہر کہ ہم بھی ہیں چلتے ساتھ کے ساتھ
مفلس گئے غریب گئے بے شکست سکے
پہلی منزل میں سب ملیں گے آپ
گماں ہے باب امکاں پر در شہر فوٹاں کا
رواں ہوا جو ادھر کو وہ کاٹاں کا
چلے ہی جاتے ہیں یہ کاٹاں خدا کی پناہ
منزل کراچی ہے اور ہے کھٹکا بھی راہ کا
تا فکد یاروں کا جو ملک عدم جا پہنچا
اے غافل کہو یہاں آنا کہاں رہا
ہو گیا تو ہم عذاب دیکھا
دینا کے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

	کیا شبتان عدم بھی ہے تمانے کی جگہ نقد طاعت سے تہید ست چلے سوئے عدم لحد سے اٹھ نہیں سکتا ہے حشر تک مردہ ملک عدم کا حال کسی نے نہ کچھ کہا جاتا ہے کوئی واں تو پھر آتا ادھر نہیں کیا جانے جس مقام کی مطلق خبر نہیں وہ راہ راہ عدم ہے جو بادشاہ چلے مسافران عدم کی خبر ہو خاک ہمیں عدم کے جانیا لے قبر میں رہتے ہیں تدبیر قبر انساں ہے در شہر عدم الہی کیسی مشکل ہے عدم کی راہ آسان کر ساکنان عدم آباد کی پرکشش مجھ سے سایہ کی طرح آئیں یہاں اور ڈھل گئے دیکھے پنہیں گے کب تک تا در ملک عدم کیا پوچھتے احوال ہوتے ملک عدم کا عدم کے جانیا لو کج بھر کر نہیں آئے وہاں کیا تماشا کوئی ہو رہا ہے عدم کا قافلہ چپ اس طرح ہے رواں عجب منزل فوق ملک عدم ہے ملک عدم بھی ہے کوئی دیوار تہمتہ ہیں وجود اور عدم قریب قریب ہے ملک عدم بھی کیا ہی دلچسپ عدم کے جانے والوں سے نہ پوچھو ملک عدم کو جاتے ہیں مسکن کوئی بشر راہ عدم کو سینکڑوں جاتے ہیں پر خوش کیا دور ہے عدم کہ جو جایا نہ جائے گا ملک عدم سے جا کے پھر آتا ہر ایک شخص امن ہو گا غم و آزار سے شاید اس میں لوگ جاتے ہیں ادھر سے تو چلے سوئے عدم وادعی ملک عدم میں نہیں خطرہ مکین یا الہی کیا عدم کوئی تماشا گاہ ہے ہم صغیران عدم آباد سے پوچھے کوئی خاک خوش آئیں گے نائے عدم آباد کے	ملک ہستی سے جو جاتے ہیں وہاں آتے ہیں ہم کو اس راہ میں چوروں سے خطر کچھ بھی نہیں عدم کی راہ تو کاتی ہے پہلی منزل میں آیا نہ پھر وہاں سے جو بہر خبر گیا ہرگز پھر اس کے حال کی اتنی خبر نہیں پھر تاکوئی تو پوچھتے ہم ما حیرائے گور پر نہ پاؤ تہید ست ویسے کلاہ چلے دہان گور سے کس کو جواب ملتا ہے بہت دلچسپ ہے شاید تماشا پہلی منزل کا جو سوار آیا یہاں سید ل گیا کہ اکثر راہرو تھک تھک کے اس منزل میں تھا نقش ہستی میں اگر اپنی مثالوں تو کہوں ملک عدم ازل سے ہمارا وطن ہوا قافلے جتنے گئے سب پہلی منزل میں رہے اک ہو کا سا عالم ہے نہ دیوانہ در ہے کہاں سے پوچھتے احوال کچھ شہر خونناں کا ہزاروں عدم کو چلے جا رہے ہیں کسی کے کان میں بانگ درا نہیں آتی چلے جاتے ہیں کارواں کیسے کیسے آیا نہ پھر ادھر جو مسافر ادھر گیا ان میں کچھ فاصلہ بعید نہیں کوئی نہ پھر ادھاں سے جا کر وہیں جاتے ہیں آئے تھے جہاں سے واپس سرے دہر میں آیا نہیں ہنوز ہے کارواں مگر جس کارواں نہیں اکدم کے دم میں پنہیں گے قریاں وطن میں ہم ہوتا نہ واں مکان جو آرام گاہ کا جو ترقی پسند الملک عدم ہے نہ خاک پھرتے دیکھا نہ کوئی ہم نے ادھر سے ہرگز قافلہ ہے کہیں پیش چلا جاتا ہے جاتے ہیں عالم جو بیرد خواں چھوڑے ٹوٹے آشتیاں کن شاخوں پر ہیں جن میں گھرنے پھرتے ہیں نکھوں میں جلے عالم ایجاد کے	غزیز عالم عاشق فوق فروع فدا قدر قطب قریان لائق مکین میکش
--	--	---	---

عدم

عدم یہ علم ہے آبادی کا نہ دیکھی
نئی روز اس میں ایک تہی بیک کی
اسے خدا کی عدم کی راہ ہے
اک مسافر کی قبر ملتی نہیں

عدم

اسودہ ہیں وہ علم و ہنر میں کہ جو ہیں
حکومت میں ہیں جاہ کے اور شان کے خواہاں
تحصیل علوم کر کر دولت ہے پی
اخلاق درست کر کر زیت ہے پی
گر علم نہیں تو زور و زور ہے پی
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں
نہ جائے مر کے بھی ہے قافلہ مریض فو لا د
کرشتہ ہو کے بھی ہے شرف ہے پی
کمال و علم و ہنر سے شرف ہے
انسان و زندگی میں گزر دو اب سے
دولت سے رونق اور ہے دنیا میں علم کی
سوئے کا لوح کتنی ہے زیبا کتاب پی
قدر جانی

نہیں

=

رب

بزرگ

اسی

عدم کے رہنے دا تو تم کو اتنا تو بتانا تھا
سفر ہو گا دشوار ملک عدم کا
کیا ہی بیک تھے مصطر دنیا میں ہم جب آئے
عدم بھی ہے قافلہ گاہ شاید
کہاں قافلہ رہروان ملک عدم
اک یا رہی آیا نہ اندر ملک عدم سے
کیا تماشا نظر آتا ہے وہاں حیران ہوں
یار ان عدم سنتے نہیں بات کسی کی
مسافران عدم کی خبر نہ پوچھو کچھ
عدم کی بستی بسی رہتی ہے حصار کھے
عدم سے آئے ہیں جائیں گے پھر عدم اک دن
راہ جیتے ہیں وہی راہ و ملک عدم
راہی ملک عدم رہروان دھڑکا دل میں ہے
ممکن نہیں کہ زیت میں اہل عدم ملیں
لوگ کیونکر عدم کو جاتے ہیں
راہ عدم میں چھوٹ گیا جسم و جاں کا ساتھ
کس طرح راہ عدم مجھ سے دلاطم ہوگی
نہ لایا عدم کی خبر کوئی اب تک
عدم کی بہت سخت تھی راہ سبک
جو گیا عالم فانی سے نہ آیا پھر کہ
عدم کا قافلہ کیا جانے کس طرف کو گیا
عدم کا خواب بھی نرگس کو خواب نوشیں تھا
میں تو سمجھا تھا عدم سابق بھی ہے لاحق بھی ہے
سراغ اہل عدم کے قافلوں کا غیر ممکن ہے
عدم میں کون سا آرام دنیا سے زیادہ ہے
رہ عدم کا پتہ کیا چلے کسی کو قرار
منزل ملک عدم دیکھئے کیونکر طے ہو
آخر اک دن عدم کو جانا ہے
ہستی سے ہے عدم تک اک دن ضرور جانا
یہاں ملک عدم کا سفر ہے کیا درپیش
بس وہ ہوا وہیں کا گزرا جو اس جہاں سے
عدم کی راہ ہے دشوار تر اندر خطر شاید
نہیں معلوم ہے ملک عدم کو بدعا کس کی

گزرتی کیا ہے تم پر حال خوش ہو یا پریشان ہے
گناہوں سے گریو نہی تروا منی ہے
اب جائیں گے عدم کو دوش و بال باندھے
جو پیہم قافلہ ہستی رواں ہے
کوئی تو بات کرواں فراموشی کی
کیا قافلہ رستہ میں کہیں بٹھے رہا ہے
لوگ کیوں سوئے عدم یوں سے چلے جاتے ہیں
کس طرح ہم ان قافلہ والوں کو پکاریں
کہ گم ہوئی ہیں بہت کاواں نہیں کتے
کہواں سے کوئی ہے آتا تو کوئی جاتا ہے
اس ابتدا کو ہم انجام کار سمجھے ہیں
چارل کو اٹھیں جس راہ لگا دیتے ہیں
قافلہ خاموش جاتا ہے خطر منزل میں ہے
میں خود ہوں بے نشان تو لے کچھ نشان مجھے
کہ قدم کا کہیں نشان نہیں
اک بھیڑ ہے مسافروں کی ریل پیل ہے
اب تو عصیاں کا مرے دوش پہ انبار ہوا
یہاں سے گئے کارواں کیسے کیسے
دوانہ ہوئے ناتواں کیسے کیسے
خوب بچپ مگر شہر خموشاں ہوگا
ذرا بھی گرد نہیں راہ میں غبار نہیں
کہ آنکھ کھول کے دیکھی بہار کی صورت
ہائے پھر ہستی کی تہمت کیوں لگا کرے چلا
سدا سے بے صدا اسکا رواں میں ہی دراہوتا
وہیں سے لوگ آئے ہیں وہیں پھر جانیو لہ میں
کہ خاک بھی نہ کسی جانے غبار آیا
راہ دشوار ہے اور زاد سفر کچھ بھی نہیں
پیش پایوں سفر ہوا تو کیا
آئے دور سے ہم پھر اب ہے دور جانا
جو لوگ اپنے لگے کوچ اور مقام میں ہیں
آیا جو یاں پھر اس نے پائی خبر نہ داں کی
جو یاں اسباب چھوڑے جاتا ہے ہر گز راہنا
ہزاروں بستیاں بستی ہیں پر دیوانہ رہتا ہے

مہر

مصطر

مصطفیٰ

محبوب

ماہر

منت

منیر

نواب

نظم

نوح

وقار

ہمد

ہنر

علم جاتی نہیں ہے اگر علم و ہنر کی دولت
 سب دولتوں میں اس کو عالم میں ہے فضیلت
 پڑھتا ہے جو وہ پڑھ کر سکھائے گا ہنر
 عالم سے ناز اپنے انھوں نے لگا ہوا ہے
 انسان کی جگہ سے علم و ہنر کو
 اور اس کے مریوں کو اس کے نشان ہے
 اس علم سے جہاں میں کیا نام ہے نشان ہے
 اک طرف گلستاں ہے اک تازہ بوستاں ہے
 تقریر علم میں ہے تحریر علم میں ہے
 تو قیام میں ہے تاثیر علم میں ہے
 دل ہے وہی کہ جس پر تعلیم کا اثر ہے
 ہر جہاں وہی ہیں جن کی ہر دم ادھر ہے
 علم جو ہیں قابل ہیں انتہا کے
 گر علم کے عاقل ہیں انتہا کے
 دانا ہیں انتہا کے برہم تاثیر علم کی ہے
 ب کے اثر سے برہم تاثیر علم کی ہے
 خورشید سے فزوں تر نور علم کی ہے
 کیجیو گے علم اگر تم عزت بھی کریں گے
 چاہیں گے اور تم سے الفت بھی کریں گے
 کچھ پڑھ کے جب لگانا بادشاہ ہو گے
 تازہ بخت خوش رہو گے آباد شاہ ہو گے
 پڑھ کر جو ہو گے لائق سب عزت ہو گے
 پڑھ کر جو ہو گے لائق سب عزت ہو گے

کتابیں گدھے پر اگر لاد دو
 نا خدائے کشتی عالم نہ کیوں ہوں اہل علم
 دولت دنیا تو بس دنیا ہی میں رہ جائے گی
 اس کے سایہ سے جو بھاگا وہ خدا سے بھاگا
 نادان اہل علم کا افلاس ہے غنا
 جو جاہل ہے قیامت تک وہ عالم ہو نہیں سکتا
 عالم بے عمل نہیں شاخ خزاں رسیدہ ہے
 جو عالم بے عمل ہے اس کی باتوں پر تڑکیا
 بے عمل عالم سے جاہل ہے بھلا
 علم پر جبکہ عمل ہی نہیں پھر کیا حاصل
 ایسے عالم سچ ہے اپنے وقت کے بوجہل ہیں
 حیات جاودانی کا وسیلہ علم ہے خاطر
 ہرگز صراط علم سے غافل نہ بچ کے چل
 زر کا بھی کچھ لطف جاہل کو نہیں
 چاہئے تحصیل زر سے بیشتر تحصیل علم
 کرو نہ مالہ موزوں ہزار کی صورت
 ہے لطف عجب خرچ میں ہے دخل زیادہ
 انساں گھر ہے علم و فن اس میں ہے آب و تاب
 اس کو بے عزت کہے گا اک زمانہ یاد رکھ
 علم کے پانی سے ہے سرسبز دنیا کا چمن
 فیض تعلیم کو ہے شرط گذارش اپنی
 سخت وضعوں کو نہ تعلیم سے نرمی نصیب
 شرافت ہے انسان کی علم سے
 ہو فقر کی خواہش کہ امیری کی طلب ہو
 اطلبوا العلم کے معنی سے ہوا یہ آئینہ
 عالم وہ کیا عمل نہ ہو جس کا کتابت
 صلاحیت بجز تعلیم پیدا ہو نہیں سکتی
 جو بحر علم میں غواص ہو تو اسے غافل
 کہتے ہیں جسے علم وہ ہے ایک ہی نقطہ
 عزت سے اگر جینا ہے تو علم پڑھو تم
 بے علم کے ہنر کی ترقی بھی ہے محال
 مرکز نہ جائیں صاحب جو ہر کی قوتیں
 آساں نہیں غبی کی طبیعت ذکی سی ہو

خبر وہ حقیقت سے اصلاً نہ ہو
 علم کہتے ہیں جسے نبیوں کی وہ میراث ہو
 علم کی دولت مگر عجبے میں بھی کام آئے گی
 علم کہتے ہیں جسے دامن رحمت ہے وہی
 رہتے ہیں ان کے دل میں خزانے بھر ہوئے
 کہ عرفان خدا بے علم حاصل ہو نہیں سکتا
 سایہ سے جس کے راہرو مثل صبا رسیدہ ہے
 وہ چشمہ ہے تو کھاری ہے وہ گوہر ہے تو جھوٹا
 پھول وہ کیا جس میں رنگ و بو نہیں
 یوں تو شیطان سے بڑھکر نہیں علم کوئی
 علم دیں پڑھتے ہیں جو عالم فریبی کے لئے
 قیامت تک رہا کرتا ہے زندہ نام عالم کا
 اس راہ سے رسول ملے اور خدا ملے
 ہے بڑی دولت جو استعداد ہو
 آبرو انساں کو بے فضل و ہنر ملتی نہیں
 بغیر علم نہیں اعتبار کی صورت
 زائل کبھی یہ علم کی دولت نہیں ہوتی
 بے آبرو ہے آدمی کو علم گر نہیں
 دوڑ میں علم و ہنر کے پیچھے جو رہ جائے گا
 پانی پیچھے گا نہ جس پودے کو وہ مرجھا بیگا
 کہ مس سرو پہ کرتی اثر اکسیر نہیں
 لاکھ آتش سے نہ بے آب ہوئے زر نکلتے
 لیاقت ہے انسان کی علم سے
 بے علم جہاں میں کوئی دولت نہیں ملتی
 ہے تلاش علم جادہ منزل مقصود کا
 بے فائدہ ورق تو ہے جاہل الٹ گیا
 کبھی غلب نہیں ہوتا کسی کو غل مچانے سے
 ضرور ہاتھ ترے در آبرو آئے
 اس علم سے آگاہ اگر ہیں فقرا ہیں
 یاں تک کہ مرو بھی تو اسی ہی میں مروت
 رہبر کی ہے تلاش ہر اک راہرو کو فرض
 جب تو قوی ہے کشتہ فولاد کا مزاج
 مشکل حصول علم ہے کو دن کے واسطے

تائب
 ثاقب
 خاں
 رمز
 سحر
 سعید
 شیر
 صدر
 صابر
 ضمیر
 ظہیر
 ظفر
 عاصی
 فصاحت
 فیض
 فوق
 قاسم
 قدر
 قلب

جس کو ہے فوق سب پر وہ فوق علم کا ہے
کچھ اس میں شک نہیں ہے یہ خیال سچا
بس چاہئے برابر الفت مطالعہ سے
جس کو حاصل ہو قوت تفسیر
علم حاصل کرو تم اسے بچو
دولت علم کا بڑا ہے اثر
دولت و زر کو کچھ کمال نہیں
علم سے کوئی شے نہیں بہتر
بغیر علم و ہنر آدمی کی کیا وقعت
علم کا اس سرز میں پر قدر داں ملتا نہیں
فلک پر قوت تعلیم نے عالم کو پہنچایا
ہے شکایت یہ زمانہ کا ستم اٹھتا نہیں
نتیجہ تربیت تعلیم کا ہے
دولت علم گر نہیں ہے پاس
خدا نے دی جسے دنیا میں علم کی دولت
بے علم و فضل شیخ کے جب سے فائدہ
سالک منزل حقیقت ہوں
زر و جاگیر سے کیا دل کو حاصل
انسان علم ہی سے پہنچتا ہے تاب عرش
جس ملک میں تعلیم کا آتا ہے قدم
انسان ہے بے علم و ہنر کے بیکار
مکمل نہیں بے علم ترقی کا وجود
پتھر ہے وہ دل جس میں نہیں صدق و صفا
بے محنت علم کس نے عورت پائی
اب چھوڑیے اللہ جہالت اپنی
گو عقل بشر گوہر تابندہ ہے
ہوتی نہیں دولت سے بشر کی عورت
گر نہیں علم تو تجھ سے نہیں طاؤس حسین
غلامی کا ذریعہ علم کو سمجھے تو کیا سمجھے
جو سمجھے دولت جاوید ان علمی خزانوں کو
ہے یہی علم تو اک حضرت آدم کی شرف
بے ریاضت نہیں آتا ہے کوئی علم و ہنر
عہد طفلی ہی میں پڑھنا ہے تو پڑھا نادان

زینت ہے جو گلے کی وہ طوق علم کا ہے
نادانو جہل شے سے بہتر ہے علم شے کا
بڑھتی ہے دیکھنا کیا قوت مطالعہ سے
کیوں نہ اسکی ہو عزت و توقیر
جی ہٹاؤ نہ پڑھنے سے بچو
خاک ہے اس کے آگے دولت و زر
دولت علم کو زوال نہیں
باعث آبرو ہے علم و ہنر
غور حسن پہ اپنے یہ خو برو نہ کریں
عالموں کا تو یہاں نام و نشان ملتا نہیں
پڑے غار مذلت میں سر غافل کے تکرے ہیں
جانب علم و عمل لیکن قدم اٹھتا نہیں
نہ اچھا ہے نہ بے کوئی برا دل
مفلس بے نوا گدا ہے دل
وہ اپنے سامنے قاروں کو بھی گدا سمجھا
ہے بار پشت خرپہ حماقت کی جھول کا
بدرق علم رہنا ہے دل
بغیر علم تو ہے بے نوا دل
اس راہ میں نشان کسی نقش پاک کے ہیں
جاتا ہے وہاں سے بھاگ جہل ظلم
ہر کار میں تعلیم ہنر ہے درکار
تعلیم سے کھل جاتی ہے راہ مسدود
بے علم و ہنر ہیج ہے انسان کا وجود
بے جوہر علم کس نے وقعت پائی
بے علم و ہنر کے نہیں عورت اپنی
بے علم کہاں آدمی بنیادہ ہے
بے جوہر ذاتی نہیں ممکن وقعت
او مرے ناز سے بن ٹخن کے سنو زیوالے
ہم اس کو زور بازو سے خدا مل رہا ہے
مال اندیش ہیں وہ قوم کی سچی بقا سمجھے
ورنہ انسان کو حیواں پہ شرافت کیسی
اپنی غفلت کا گلہ کیجئے قسمت کیسی
ورنہ ایام جوانی میں تو فرصت کیسی

علم
شرف و علم سے بھڑوں کی اون تو ہیں
بنائے گی نہ شرف آدمی یہ مثال
کہاں یہ علم کی نعمت کہاں یہ عیدیں
کیا ہے رحمت باری نے کیا نہال
مناجی علم کا کافی یہی خزانہ ہے
مناجی علم کا دنیا تو کیا مال
نہیں جو دولت دور دور نکال
ابھی ہو جائے دور دور جانے
علم کو قوم اگر سامنے آئیں
خاک ہے علم کی بیابان
جو محب دولت تعلیم
نصیبوں کو کہاں دولت تعلیم
علم رکھتے ہیں وہی جیکی ہے قسمت اچھی
دولت علم ملی اور ہوس کیا ہے محب
اس سے بڑھ کر بھی کوئی شاد ہے یورپ
دولت علم کے چل کھا کے شاد ہے یورپ
دولت علم کا شہر ہے فضل کی دولت
جو محنتوں کا شہر ہے علم و فضل کی دولت
اسی کو ملتی ہے سچا علم و فضل کی دولت
جو ایک کو نے میں جو کتاب رہتا ہے
جہل ہے موت اور علم حیات
انہیں کو فنا بقا
ہم کسی منزل تو علم ہے کوتاہ
دراز علم میں ہر قدم بڑھا چلے
خاک وہ

کچھ تو لحاظ ساتھ کامنرل میں چاہئے	ہم ناتوان ہیں تیز نہ عمر رواں چلے	جلیل
جیتے جی اپنی کہیں عمر رواں رکھتی ہے	ہے تماشہ کہ سفر میں ہوں سفر سے پہلے	"
ہے عمر رواں میں شمع کا رنگ	گھر بیٹھے گزرتی ہے سفر میں	"
پیدل تو کیا کبھی نہیں سنتا سوار کی	منہ زور کیا یہ عمر رواں کا سمند ہے	جنوں
مرکب عمر رواں بھی ہے نہایت چالاک	تیز رواں کیسے کسی نے نہیں تو سن دیکھے	جوش
غافل بہوش باش کہ یہ حال عمر ہے	جس طرح برق تھی ادھر آئی اُدھر گئی	"
کبھی لڑکپن کبھی جوانی کبھی ضعیفی ہے اور پیری	نیک ریگ رواں صحرا یہ عمر ہر دم کھک رہی	جوہری
سیکڑوں حسرت دارمان و تمنائیں ہیں	اور یہاں زیت کی دم بھر نہیں مدت باقی	"
سمند عمر کی میں تیز رفتاری کا قائل ہوں	قدم رکتا نہیں دم بھر بھی اس منہ زور تو سن کا	جرار
عمر رفتہ پہ بار بار افسوس	ایک افسوس کیا ہزار افسوس	جو یا
عمر رواں نے مجھ کو کہاں لاکے دی دغا	اس ناتواں کو چھوڑ گیا کارواں کہاں	"
چلی جاتی ہے نوائے عمر رفتہ	یہ ہم کو کس مصیبت میں پھنسا کر	جرات
ہزار افسوس نوائے زندگانی	چلی تو خاک میں ہم کو ملا کر	"
وہ دل نہ و دماغ نہ وہ آرزو رہی	اے عمر رفتہ لائیں تجھے ہم کہاں اب	حفیظ
شمع سال سائب کے جہاں میں ہم	صبح ہوتے ہی پھر کہاں ہیں ہم	حسن
ایکے رخصت حسن کوئی دم کی	سیر کو یہاں کی ہم بھی آئے تھے	"
تجھے پہ بھولے عبت کوئی اے عمر	تو کی جس سے بیوفائی کی	حالی
کرتی نہیں ذرا بھی توقف جہاں میں	کیا جانیے بہ عمر گریزاں کہاں کی جو	حیرت
شکوہ ہر و وفا اے دل ناداں کس کا	ساتھ دیتی ہے بھلا عمر گریزاں کس کا	"
کوئی ہے شہسوار ایسا جو دنیا میں اے روکے	بلا کی تیزیاں ہیں تو سن عمر گریزاں میں	"
کیا جانیں چھپکے جاتی ہے کیونکر یہ بے وفا	دیکھ کبھی نہ عمر گریزاں کو راہ میں	"
یہ جوان لو کہ سن دل مقصد کو لے لیا	ایسی جو چال تو سن عمر رواں کی ہے	"
تیری اس چال سے ہو گاتن بجاں محتاج	تو کہے گی ہیں اے عمر گریزاں محتاج	"
چھوڑ دینگے ہم ایک دن دنیا	عمر ناپائیدار کے باعث	"
جاتی ہے عمر رواں موج رواں سے آگے	لیتے ہیں عالم ہستی سے کسنا را دریا	"
ابتدا سے ہے رواں مرکز اصلی کی طرف	خوب ہم نے تجھے اے عمر گریزاں دیکھا	"
پانی پہ نقش کیا ہے ایسا	جیسے ناپائیدار ہیں ہم	درد
گل کونہ ہے ثبات ہم کو بے اعتبار	کس بات پر چین ہوں رنگ و بو کریں	"
جان کچھ تجھ پہ اعتماد نہیں	زندگانی کا کیا بھروسہ ہے	"
پیری چلی اور گئی جوانی	اے درد کہاں کی زندگانی	"
نفس کی آمد و شد سے عیاں ہے گویا ہم	نہ کان عمر کے طے کر رہے ہیں زنیوں کو	دل
اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات	منہ زور آیا او سے رو کر گزار دے	ذوق
ایک دم عمر طبعی ہے یہاں شل جہاں	نکر امر و نہ ہے نہ غم نہ راہم کو	"

تنت

عمر بابتدار
ہوں کچھ نہیں ہے عمر جاوداں کی
کہاں تک چھوڑیں کھائیں کیا جی
کہے خواہش ہے عمر جاوداں کی
کہاں تک چھوڑیں کھائیں کیا جی
موریت کی ہمارے کچھ خبر لاتے نہیں
جو نفس جاتے ہیں داپیں پھر کے وہ آتے ہیں
عالم ارواح کے نزدیک ہوتے جاتے ہیں
نفس اپنے راتگاں یوں آتے اور جاتے ہیں
نفس اپنے راتگاں یوں آتے اور جاتے ہیں
دنیا سے ہے سفر دل با یوں ساتھ ہے
دماغ بے سار ہے کھلتی ہے شہابی سحر کی
پہلے مر جاتے ہیں جو کھلتی ہے شہابی سحر کی
پہلے مر جاتے ہیں جو کھلتی ہے شہابی سحر کی
زندگی دوروز کی مرنے سے بدتر جاتے ہیں
مجبب ہے کشتی عمر رواں کی صفت میں
گن نہ ڈانڈ نہ ٹنگ نہ باد باں دیکھ
چج ہے کہ جانے والے کا شکل ہے روکنی
چھپانہ کر کے کچھ کوئی سحر دراز کا
جوانی گئی تھک تھک کے چھپ چھپ نہ پائی
دکھائی چال وہ پیری میں لے عمر رواں کوئے
باندہ حباب اپنا ہے رہنا کوئی دم کا
کشتی حیات اپنی بہت تیز رواں ہے
چھاؤں جلیق

عمر کے باقی جو ہیں اب بے خبر دو چار دن
کر جو جہان میں عمل نیک غافل
تقلیل عمر پہ سنگیں کھکاں بناتے ہو
پہنچے جو تازہ تازہ تار نفس لگے
ڈھونڈ صحت سے کو ممکن ہے ابھی نورائے
ہماری زیت کے ایام ایسے جلد کٹے
کشتی عمر بحر فانی میں
رواں ہے عمر کی کشتی فنا کے دریا میں
اس میں تو تیزیوں کے سوا اور کچھ نہیں
احباب میری سالگرہ سے ہے شادماں
آج کا کام شفق کل پہ نہ چھوڑو زہار
دم ہے کہ ہوا کا ایک جھونکا
نہ سمجھے عمر کا ہم کچھ مبادی و مقصود
کسی گرم و تند رو ہے نوائے ناقہ حیات
پیشہ عمر رفتہ کا لگتا نہیں ہے
نہ دیکھی کبھی گرد عمر رواں کی
ترارہ بھرتے ہی پہنچا عدم میں
روکیں سمند عمر کو ہم کس مقام پر
ہر دم رواروی میں ہے یہ تو سن حیات
اگر اذراں سنی تھی چلے تو ہوئی نواز
ہوس کیا کریں دولت و جہاہ کی
بے سود ہے اب عمر گزشتہ کا تاسف
انساں کی زندگی ہے تو دو نفس ملک
نہیں پامیدار اپنی تعمیر ہستی
یہ جو دم کی آدوشد ہے اسی میں اے ظفر
ہر دم نفس رواں ہے ہو ہستی و عدم
عمر جاتی ہے گزرا اور نہیں ہوتی معلوم
نفس کی ہے یہ جو آدوشد بغور کر سیر کی غافل
عمر رواں کی کشتی اک دم نہیں ٹہرتی
نہیں اے ہم موحلتا یہ دم آہستہ آہستہ
گم ہے نشان و قیمت جو غفلت میں کھودیا
دن گزرتے ہیں ماہ آتے ہیں
طفلی گئی شباب گیا پیر ہو گئے

کھیل میں ضائع ہو نہیں رہی نہ کرو چار دن
کیا اعتبار زندگی مستعار کا
ثبات کوٹا ہے سنگ میں شہر کیلے
کوسوں سمند عمر گر یزان کل گیا
ایک یہ عمر گزشتہ ہاں مگر مٹی نہیں
کہ جیسے گوند گئی دیدہ حباب میں برق
ہوتی جاتی ہے غرق روز بروز
بدن میں جان ہے کوئی دم حباب ماند
کیوں روح کو ہے تو سن عمر رواں پسند
غمگین ہوں میں کہ عمر میں اک سال گھٹ گیا
عمر کا عالم فانی میں بھروسہ کیا ہے
ہے تو سن عمر میرا چالاک
کہ یہ چلی ہے کہاں اور کہاں سے آئی ہو
رفتار ہے تری شتر بے ہزار تیز
پریشاں ہوں میں کارواں سہی چھڑ کر
بہت تیز چلتا ہے کھوڑا ہمارا
سمند عمر کیا چالاک نکلا
کیا اختیار اس فرس بے لگام پر
ہر وقت اپنا پاؤں ہے گویا رکاب میں
ہم عرصہ حیات میں کیا آئے کیا چلے
کہ ہستی نہیں عمر کو تہاہ کی
بیہات گیا وقت پھر آیا نہیں جاتا
سامان کرتا ہے جینے لاکھوں برس تک
کہ ٹھیرے وہ کیا جس کی بنیاد کم ہو
وہ دم اک سیر ہستی و عدم کرتے ہیں ہم
یہ ہی سفر ہے اور سفر کس کا نام ہے
اس مسافر کا کچھ انداز سفر اور ہی ہے
یہ دیکھ طے ہو رہی ہے کیونکر رہ وجود و عدم جھپٹا
ہیں یاں مقیم جتنے یہ ہیں سفر میں بیٹھے
رواں ہے کارواں سوے عدم آہستہ آہستہ
اے عیش و صحت ہوتا ہے کہاں تو سراغ عمر
ماہ جاتے ہیں سال آتے ہیں
یہ دن بھی کاٹ دیگے جب اتنی گز گئی

سرد
سطوت
سحر
سفر
سراج
سمید
سخن
شفق
شہید
شاد
شایق
صبا
صابر
طاہر
ظہیر
ظفر
عیش
عاشق

چھاؤں جس طرح ڈھلتی پھرتی ہے
ہو جائے مغفرت تو ہوں دریائے غم سے پار
زمین پر پاؤں رکھا ہو تو نقوش قدم کوئی
کشتی عمر ہے یوں شام و سحر پانی میں
مثل جناب آنکھ کھلی وقت واپس
پیک نفس نے خیبر دی عزیر
بحر ہستی میں عمر کا ساغر
شہسواروں سے بھی اس کی باگ رک سکتی نہیں
نفس کی ہے روارو کہ ہیں خوف دل کو سونو
تیری فرصت کے مقابل اے عمر
رفتار عمر قطع رہا خطر اب ہے
میں مرثا تلاش میں لیکن بلا نہ کھوج
عصر نہیں کچھ اس کے طلوع و غروب میں
تو کسی کی نہ ہوئی ہے نہ ہماری ہوگی
عمر سب کھوئی یہ یو نہیں الفت رز میں فسخ
ہے خود بخود رواں فرس عمر اے فرسوخ
پوچھ نہ قائم کہ گئی کیونکر عمر
جو عمر مقرر ہے سانوں سے ہوا پر
تو سمجھتا ہے کہ میری عمر بڑھتی جاتی ہے
اے عمر رواں کہاں گئی تو
ڈاک انفاس گرامی کی رواں ہے ہر دم
اگرچہ اس کا بہرہ نہ ہیں کسی کو بھی
استاد بھاگنے میں ہے اے پیک عمر تو
دولت عمر کے سالگرہ ہے کیونکر
بھر جہاں کی مچھلیوں میں ہمیں لے فلک
گھٹتی ہے بات کرنے میں گھڑیاں نہ ہر صیف
طفلی گئی شباب مٹا پیری آگئی
رواں ہر دم جو یہ عمر رواں ہے
تو سن عمر کی روانی کو
چھوڑے گی اپنے بعد نہ تنہا یہاں مجھے
کشتی عمر رواں کیوں نہ رواں ہو دن رات
چھوڑ دم جھانسون کو غافل اپنے دم کی لہیر
ہستی میں کچھ نہ پتہ نہ ٹھکانہ عدم میں ہے

اس طرح عمر کی روانی ہے
 بنتے سفینے اپنی جو عمر رواں کے ہیں
 ہوا رکھیں کہ بجلی نام اس عمر گریزاں کا
 جس طرح بلبہ کرتا ہو سفر پانی میں
 ہم نے تو عمر ایک نفس میں تمام کی
 قافلہ عمر رواں ہو گیا
 شکل جام حساب ہوتا ہے
 یہ سمند عمر غافل اس تدر چالاک ہے
 یہ ہوا میں شمع کی لو کبھی کم کبھی عیاں ہے
 برق کو پایہ حسا باندھتے ہیں
 اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
 یارب چلی گئی مری عمر رواں کہاں
 کیا آفتاب عمر سرخ زوال ہے
 خاک چھپا کریں اے عمر گریزاں تیرا
 ہائے افسوس کبھی یاد خدا تو نے نہ کی
 مہینہ کی نہیں اس تلون کو احتیاج
 جس طرح ہو کھیند بس کر گیا
 وقف رہ صرصر ہے فرماں میرے منتقا کا
 وہ تو کم ہوتی چلی جاتی ہے ہر اک دم کیاتھ
 تنہا مجھے گوریں سلا کر
 زندگی بھر نہیں یہ پیک ٹہرنے والے
 مگر یہ عمر رواں دم میں سکولائی ہو
 شاگرد تیرے چال کی رفتا سیر ہے
 باندھ لے گا ہٹھ میں کس طرح خزانہ کوئی
 عمر اپنی کو تھی و درازی ہے شست کی
 روکے سے کوئی رکتی ہے عمر رواں کہیں
 ہونا جو تھا ہوا وہ جو گزرا گزر گیا
 یہ کس جانب روانہ کارواں ہے
 سرعت نبض تازیا نہ ہوا
 ہمراہ لے کے جائے گی عمر رواں مجھے
 اپنا ہر نفس جنبش دریائی ہے
 ختم دوسانوں میں یہ عمر رواں ہو جائیگی
 جائے گی ڈھونڈتے کہاں عمر رواں مجھے

عمر بیا پائدار
جباب لب جو ہے مہتی جاری
کہ دم مارے ہی ہوا زندگی ہے
نظارہ کروں دم کی کب جیلوہ گری کا
یہاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
جھبہاں میں رستہ کی تانیہ کب نفی
صد سالہ زندگی بھی ہے وقفہ جباب کا
جانتا ہے برق یہ رنار گرم
کتنی سہل عمر کی رنار کس قدر
جانتا ہے جد فائدہ کس ہوں
مہلت نہیں مجھے کہ خدا آرمیدہ ہوں
روئے کوئی سوار اسے کیا عنایاں کی طرح
عمر رواں تو جاتی ہے آب رواں کی طرح
بڑھتا گیا جو سن تو کئے زندگی کے دن
اک سال اور سا لگہ نے گھٹ دیا
مہتی عمر رواں ہے چپک چپک
کون کہہ سکتا ہے کب چپک چپک
حالت نہ پوچھے میرے شیب و شباب کی
وہ کہیں تھیں عالم کی بان برق آنکھوں کی
تیر پیری ایک بھی چپک بان برق آنکھوں کی
جلکے اُسے عمر تیری تو شباب سے
ویرانوں

میں

عمر بیاپا مدار
کہاں بڑی تیری عمرانی روزگاری
رکھ اس نکتہ کو نظروں میں جو بھٹکے نظر کچھ بھی
انکا وہیں اور نہ جگہ کا مقیم
ہے مگر وہیں روانی عمر رواں
دیکھے جو کوئی روانی کا نام
لے آئے اب رواں میں بھی روانی ہو نہ
ہے آئے اب رواں وہ اگر باندیں بند
رک جائے لیکن وہ روانی نہ رکے
اسے عمر رواں تیری روانی نہ رکے
تو بے ہزار کر چکے رات سند
ارماں نکال دے کوئی حسرت بکلی
جو بات تھی مہر دل کی دل ہی جا
تھی عمر رواں میں بھی بکلی
بھی اور اٹھکے بن وہیں بیچے گئی
موتیوں سے بھر دیکھ کے بھلا کیا فائدہ
جیکہ اپنی زندگانی اس میں سے نہ
نہاں دیکھ کر وہ عورت وہ از گیارہ سے نکلتی
پیرہنی بکلی کر دے مری خاک ادھر گاہ ادھر
از کے جاتی ہے مری خاک ادھر گاہ ادھر
پیرہنی بکلی کر دے مری خاک ادھر گاہ ادھر

دیر افسوس کرتے رہے گا
طاؤر عمر کو نظر میں رکھ
دیر بھی کچھ لگی نہ مرتے ہیں
دیکھا پلک اٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر
اس عمر برقی جلوہ کی فرصت بہت ہو
یہ جو مہلت ہے جسے کہتے ہیں عمر
گرم رفتن ہے کیا سمند عمر
عمر کا سرنگ چلتا ہے
رفتگاں میں جہاں کے ہیں ہم بھی
کیا راہ چلنے سے ہے اے میر دل مکدر
پنجر روزہ عمر کیجئے زادی یا عاشقی
بوئے گل یا نواسے بسل تھی
سوار ہوتے ہی بھاگا چراغ پا ہو کر
مہلت عمر و روزہ کتنی کرے فضولی کا ہے پر
گزر جاتا نہ دم کے ساتھ کیونکر بھرتی سے
بیاں ہوستی بنیاد قصر تن کیا خاک
بحر عالم میں نہ کچھ مٹے ہوئے دیر لگی
تو سن عمر سے رہو ہوشیار
نشت وقت ہے یوں اپنی بھرتی میں
نہ ہو رو کے رکے عمر رواں میں وہ روانی ہے
اے تہر گیا تافلہ عمر رواں
گھڑیاں گھڑی گھڑی نہیں بھرتی ہے
خاصیت عمر جبکہ ٹہری گزراں
مداحت میں بسر ہوئی تو کیا سود ہوا
اچھی بری سب تری گزر جائے گی
اے تہر بہت گزرا چکی عمر رواں
اعمال ریاضت اور عشق و عرفان
روقی ہے تری جان کو کھڑی نو صیدی
عمر عزیز چشم زدن میں بسر ہوئی
جو کرنا ہے کر لے کہ نہیں دم کا بھروسہ
ہستی عمر رواں سے چٹک برق جہاں
کیا بھروسہ دم کا ہے آپا نہ آیا اے عزیز
گھٹاتا عمر کو ہے ہر نفس جو آتا جاتا ہے

عمر جاتی رہی شباب بہت
غیب سے ہاتھ یہ شکار آیا
عمر جاتی رہی شباب بہت
اے عمر برقی جلوہ گئی تو شباب کیا
جو کام پیش آئے تجھے اس میں ہوا شباب
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ
نہ لگے جس کو ہوا کا گھوڑا
ابلق روزگار کے سے رنگ
ساتھ اس کارواں کے میں ہم بھی
تو ہی نہیں مسافر ہے عمر بھی گزریں
کام کچھ چلتا نہیں اس تھوڑی سی مدت میں
عمر افسوس کیا شباب گئی
سمند عمر میرے اختیار میں کیا تھا
آئے جو ہیں دنیا میں ہم تو جیسے کہیں وہاں گئے
لگانا کشتی عمر رواں پر باد ہاں میرا
حباب سمجھے ہیں جو استوار سمجھے ہیں
نقش بر آب خط مہر سلیمان دیکھا
وے نہ پٹکے یہ رخس ہے چالاک
کہ جس طرح سے کوئی کشتی رواں پر ہو
کر کچھ فکر عقبے موت اکدن پیش آئی ہے
کس سوچ میں بیٹھے ہوا ٹھوسیری جاں
آواز جس کی آہی ہے نادان
اے تہر گزر جائیگی یہ عمر رواں
اور رنج میں گزری تو ہو کیا نقصان
ہے حق کی رضا جیسی گزر جائے گی
تھوڑی سی رہی یہ بھی گزر جائے گی
سامان نجات میں سے کچھ بھی نہیں
اے عمر گزشتہ تجھے دھونڈ ہوں میں کہاں
گویا ہماری ہستی موہوم خواب تھا
سمجھا ہے جسے عمر چراغ سحری ہے
کوئی کہہ سکتا ہے کب تک ہے یہاں اس کا قیام
وقت فرصت مغتنم ہے کام آئیں گروہ کام
سمجھ اس رمز کو بہرہ و خرد سے ہے اگر کچھ بھی

مراے دہریں ہم مثل برق آکے چلے
جانیوالوں میں ادھر کے تو بھی تھے لیکن
برق سے تیز کہیں ہے روش عمر رواں
کسی گڑھے میں گراوے نہ جھکو تو سن عمر
دم شمار میں گزر جاتی ہے انسان کی عمر
رات دن قافلہ عمر ہے سرگرم سفر
نہ تھمی عمر رواں لاکھ پڑکتا رہا دل
دولت بے بہا ہے عمر عزیز
خوش عبت ہوتے نادان ماہ نو کو دیکھ کر
وادی ہستی میں آتے ہی عدم کی راہ لی
ہو گئی بالکل ہماری عمر غفلت میں بسر
یہی کہتی ہوئی جاتی ہے چلی عمر رواں
بیاں کیا ہو سکے عمر رواں کی مجھ سے چالا
غبار راہ ہم سمجھیں نہ کیونکر جسم خاکی کو
اشارہ آمد و رفت نفس کا ہے یہی ہر دم
ہمارا ہر نفس اک بادباں ہے
عقلان پیر و نقط نشوند
قافلہ عمر کا ہے پایہ رکاب
کرتی ہے روح یہ نفس گرم سے صلاح
نظر آنے کی پھر نہ رکھو چشم
ہے رخصت جاں حال میں تباہ نہیں سکتا
مانند موج جاتی ہے کیوں علم و وقار
کیوں رات دن رواں نہ رہے شہوار عمر
جاگرم کرنے پائے نہ ہستی میں واسطی
بہت منہ زور ہے تھمتا نہیں ہے شہواروں سے
ملے آرام کیونکر ساکنان ملک ہستی کو
یہ مجھ کو حشیش ساگرہ سے الم ہوا
روکوں میں کس طرح کہ یہ منہ زور ہے بہت
نہ دیکھا نقش قدم کا صداے پانہ سنی
نوجوانان چین کو دیکھ چک اے عندلیب
ہمارے اڑاؤ دم سے کٹے ہے نخل حیا
ہم نیست سمجھتے تھے اس آمد و شد دم کو
اپنی مثل حباب ہستی ہے

تڑپ کے کاٹ دیا وقت سکر کے چلے
سب کے آگے تجھے اے عمر گریزاں دیکھا
جس نے ایک سانس لی وہ سیکڑوں منزل آیا
وہ تیز کام ہے تو شہسوار بھی تو نہیں
اس میں تقدیم ذرا بھی نہیں تاخیر نہیں
دل دھڑکتا ہے تو آواز درا آتی ہے
سچ کہا ہے کہیں مٹی میں ہوا آتی ہے
کوئی دولت بھی اپنی کھوتا ہے
ایک مہینہ عمر کا ہوتا ہے کم ہر ماہ میں
ساتھ اپنے تو سن عمر رواں پیدا ہوا
عرصہ اپنی زندگی کا گراں خواب تھا
میرے دامن سے نہ باندھے کبھی صدمہ
کہ اس تو سن سے لگے نہ تری کو نہ مازی کو
رگ جاں تو سن عمر رواں کو تازیانہ ہے
بدن میں جو دم آیا ہے مقرر اسکو جانا ہی
روانہ کشتی عمر رواں ہے
ہے حیات اپنی یہ حیات نہیں
زیت کا کیا ہے اعتبار افسوس
ایسے چلو یہاں سے کسی کو خبر نہ ہو
آنکھ کھلنے تک آشنا ہیں ہم
رہوار بہت تیز ہے ٹھیرا نہیں سکتا
انسان کو ہر نفس جو فنا کا سفر نہیں
کرتا نہیں قیام کہیں راہوار عمر
کیا جلد بچھ گیا ہے چمک کر شہوار عمر
رکے گا روکنے سے تو سن عمر رواں کیونکر
نہیں ممکن کہیں عمر رواں کا قافلہ ٹھیرے
اک سال زندگی کا میرے اور کم ہوا
قابو میں میرے تو سن عمر رواں نہیں
سمند عمر سا کوئی سبک خرام نہیں
عمر جاتی ہے چلی ہر دم جوانی کی طرح
کب اس کی کاٹ کا رکھتا ہے اور آواز نہ
یہ آہ تو ہستی کا شجر کا ٹٹے دوڑا
دم کے رہنے پہ موت ہستی ہے

عمر بیاں دار
گریز ہے جو گھڑی سو ہوتی ہے عمر میں کم
چاہت ہے بکلتی گھڑیاں کی صبر راہیں
حیات شاہان گزر عمر
عمر عید شباب کے مانند
اک دم بھی اپنے دم نہ رکھ غافل اعتبار
کیا اعتبار ہے کشتی کے زون میں یہاں آخر
بیاں عمر ہے چمک زون میں یہاں آخر
شر کو دید جان کا ہے اک نظر میراث
پاداری کب ہے تیری عمر کی دیوار کو
دل میں منصوبہ نہ منعم سدا سدا سے باندھ
تو سن زندگی و عید شباب
جلد و بقیہ دار میں دونوں
اس گھنٹن جہاں میں شمر کی طرح تھے ہم
غائب ہوئے نظر سے نظر آن کر ذرا
وہ دم شام دھڑکتے ہیں اور سال پیراں
ماہ پر ماہ چلے جاتے ہیں اس پر
خانہ عمر و روزہ سے جہاں میں اس پر
تو کہ کیا کیا ہو جس خام ہے ہم کو تم کو
کام بن آتا نہیں کچھ کیا چلے جاتے ہیں دن
جو گئے وہ اچھوٹے حیات کب آتے ہیں دن
روانہ ہوئی

عید
 بنے ہم باہر تو غم سے ہونی ہے عید غیروں کی
 وہ ہم آنکوش اعدا ہیں ہم آنکوش اعدا ہیں
 بنائی ہے ہلال عید کی شادی دغمنوں کا
 جہاں میں بیخ و راحت شان و کھلا ہے ہمارا
 فنا کے غم نے اسے ہوں اسے ایام ہمارا
 کسی کو عید کے دن ہوں اسے ایام ہمارا
 ہم ہیں جب محرم تیری دید سے
 کیا غرض ہم کو ہلال عید سے
 عید کی بات فرقت کے باروں کی بھلا
 غم سے ہیں ہم جاری عید کی
 غمزدہ ہیں ہم جاری عید کی
 وہ جو ملتے ازل تو عید تھی
 ہم سے ہوتے ہم غم تو عید تھی
 بیخ و راحت میں ہوں تو جان سے
 حریف ہے اگر عید میں مجھ سے نہ جانوں
 عید قربان سے جو طواف خانہ دہر کر دے
 آج اگر فرقت محرم سے نہیں کم چریں
 عید کے برکت میں رہنا ہی میں رہاں ہے
 بدروز چھوڑا ہے اگر تنہائی میں رہاں ہے
 تہنیت عید

روانہ ہو گئی کیوں عسمر کر کے کوتاہی
 جہاز عسمر کا کب بادباں ہے
 مفت ضائع کرو نہ عسمر عزیز
 دم آخر ہی جان جو دم ہے

عید

رسم نے ملنے کی کھوئی عید کی ساری نشی
 آنکھیں ہیں اور لطف ہے اب اسکی ویدکا
 لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی اس نے
 حجام میرے دل کا دکھا دے جو آئینہ
 رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر باہیں غریب
 جب تک کے روز عید مسرت نزار ہے
 جب تک کہ کعبہ مرجع اہل خدا رہے
 پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عید کے دن
 میرے قتل کا دن ہے کیا عید کا دن
 شاد دل غم میں رہے عید محرم میں رہے
 آج جشن عید ہے اس طرہ دستار پر
 ہونے نہ پائے غیر بغل گیر یا رہے
 وہ مست ہوں کہ میں نے شب قدر کی جا
 خطا عذار کا کیا وصف کیجئے
 کھینچا نہ ہاتھ قتل سے قاتل نے شام تک
 پیری میں مجھ سے خنجر قاتل گلے ملا
 اس نمدہ میں کٹ گئی یون اپنی زندگی
 اتراتے ہیں جو لوگ پہنکر لباس کو
 باطن میں غم ہے عشرت دنیا سے ظاہری
 اٹھ اٹھکے بیٹھنے سے ہوئے کشتہ ہم امیر
 خزاں میں مجھ کو رلائی ہے یاد فصل بہار
 پیام عیش و مسرت ہیں ستاتا ہے
 آؤ لگ جاؤ گلے آج ہے عید رمضان
 ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید
 کوئی ہے ناز سے بس کوئی انداز پہ قربان
 ہلال آسا گھٹنا نہ فکر ترقی و تنزل سے

یہ کیا ہوا جو نہ ٹہرا شباب کیا باعث
 ہوا بے دم سے ہی ہر دم رواں ہے
 پھر نہیں وقت جا کے آنے کا
 کیا بھروسہ ہے جا کے آنیکا

تین دن تک پاؤں رہ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
 برسوں جو آفتاب رہا چاند عید کا
 ملا تو عید کے دن وہ مگر چیں بر جیں ہو کر
 ان سے زیادہ دوں اسے انعام عید کا
 عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آگیا
 جب تک کہ کعبہ قبلہ اہل صفا رہے
 بالائے فرق سایہ بال ہمارا رہے
 کہو کیا مل گیا گلے مل کے
 گلے تیغ کے کیوں قضا مل رہی ہے
 کچھ سپیدی بھی مرے جامہ ماتم میں ہے
 آسمان گردے نچھا اور ماتہ تاب و آفتاب
 اللہ یونہیں روز گزر جائے عید کا
 روزے تمام ہوں کہیں دن آئے عید کا
 نور روز کا یہ زانچہ خطبہ ہے عید کا
 محکمیر کہتے کہتے کٹا روز عید کا
 دیکھا ہے چاند تیسری تاریخ عید کا
 قیدی پہ جیسے روز گزر جائے عید کا
 ہنستا ہے چاک پیر ہن صبح عید کا
 پہنے ہوئے لباس محرم ہے عید کا
 خنجر پھرا گلے پہ ملاقات عید کا
 خوشی ہو عید کی کیونکر سو گوار ہوں میں
 ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے
 ہاتھ پھیلائے گلے ملتے ہیں سب پیر و جوان
 سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کے
 وہ زیب افزائے عید الفطر قربان گاہ عالم
 جہاں میں عید کے دن مجھ کو ایام محرم ہیں

تہنیت عید کی لکھتا ہوں تو رشک آتا ہے
 عید رمضان ہو مبارک دوستو
 عید آئی شاد ہیں برنادر سپر
 عید کی کیونکر نہ ہو سب کو خوشی
 واہ کیا دن دلکش ہے عید کا
 عید آئی عید آئی کہتے ہیں
 عید کی سب کو خوشی ہوتی نہ کیوں
 اب مناتے ہیں خوشی کو عید کی
 دید کس کو دیدیاں مرحب
 گیا گلے ملنے کی ہوتی ہے خوشی
 عید آتی ہے کہ آتی ہے خوشی
 عید آئی شکر خالق کیجئے
 خوش رہو ہو رہاں رب غفور
 عید کا دن ہے خوشی کے واسطے
 عید کی بچو سن او تم خوشی
 خوش رکھو مانباپ کو بچو سدا
 خدمت اتنا دتم پر فرض ہے
 تم کو کرتا ہے نصیحت یہ بتا
 خوش ہیں سب بچوں کو بڑھونگے جہاں آئی ہو عید
 ابرہوے ہو گھنا گھنگھور ہو مطلوب ہو
 تم خفا دشمن خفا اور دوست ہیں نا آشنا
 چھوڑ دو غیروں کے جھگڑے خاک ڈالو ان کے سر
 یہ گلے ملنا ترالے میں جسے محباز ہے
 ہو گئے ہو بدر تم کا ہش سے کیوں مثل ہلال
 ہلباتا باغ میں ہے ہر شجر آئی ہے عید
 ہو گئے بخود ملی جب سے خبر آئی ہے عید
 وصل کا وعدہ وہ سچے دل سے لکھ دینگے تجھے
 عید کی خوشیاں کریں جو گھر میں ہوں گھر بار ہو
 ہم تو کچھ ایسے گئے گزرے کسی کے جور سے
 یاد آتا ہے کسی کا ہنسکے یہ کہنا کہ آج
 بھر کے مارے ہوں گا خوب دریاں آج ہے
 ستر تیلی پر لئے پھرتے ہیں شوق قتل میں
 بھول کر بھی شس سے س کرنا نہ اے سرخ سحر

میں نہ پہونچوں پہ در دوست پہنچے یہ کارڈ
 گل مبارک تم کو ہوا سے بلبو
 عید آئی خوش ہیں نادار و امیر
 ہوتی ہے باعث خوشی کا عید ہی
 واہ کیا دن جانفزا ہے عید کا
 شاد اس دن طفل و بزرگ ہتے ہیں
 عید وہ ہے لاتی ہے بخت فزوں
 کیوں نہ ہو ہم کو مسرت دید کی
 دوستان نگہ راں مرحب
 پوچھنا کیا عید رمضان کی خوشی
 جب صبا آتی ہے لاتی ہے خوشی
 اب زکوٰۃ مال صاحب دیجئے
 تم کو بھی ہوگی مسرت بالضرور
 عید ہے بس خرمی کے واسطے
 دو کسی کو تم نہ رنج و غم کبھی
 دل میں رکھو مرتبہ استاد کا
 کوئی اس خدمت سے کیا بہتر ہے
 کرتے رہنا طاعت پروردگار
 کر رہی ہیں سیم سن اٹھکھیلیاں آئی ہے عید
 پھر درود پوار سے سن لو کہ ہاں آئی ہے عید
 کچھ انوکھی رنگ کی ہم کو یہاں آئی ہے عید
 دو گھڑی مل بیٹھو اے جان جہاں آئی ہے عید
 خود بخود دل کہہ رہا ہے بیگیاں آئی ہے عید
 لوگ خوش ہو جو کہہ کہتے ہیں یہاں آئی ہے عید
 کر رہی ہے شوخیاں باد سحر آئی ہے عید
 سچ ہے یہ اپنے لئے اک در دہر آئی ہے عید
 کہیو تو اتنا زباں سے نامہ بر آئی ہے عید
 ہم سے بیوطنوں کو کیا صاحب خبر آئی ہے عید
 ہر کسی سے پوچھتے ہیں کیوں کہ صبر آئی ہے عید
 بدر تم مل لو گلے دل کھول کر آئی ہے عید
 یار ہے خیر کف اور عید قرباں آج ہے
 جب سے سن رکھا ہے ہم نے عید قرباں آج ہے
 ورد ہے سب کی زباں پر عید قرباں آج ہے

عید
 کاٹ ڈالے کیڑوں سراں نے عید و خط
 اتنا نہ ذرا کر صاحب عید قرباں آج ہے
 تنہم ہیں ملنے تو خیر ملاو خلق سے
 ارگ جاں مان جائے عید قرباں آج ہے
 اس نور نے دالے سے پوچھے ذرا شرف کوئی
 کون خوش قسمت ہے جس کی عید قرباں آج ہے
 ہونہ ہو لے بدبے شک آج ہی ہے عید قرباں آج ہے
 صاف صورت کہہ رہی ہے عید قرباں آج ہے
 کب دیجئے میکدہ میں ہو عید
 کب سانی یہ تق کی ہو عید
 عید کی صبح کیا پہانی ہے
 جاویں سمت شادمانی ہے
 اگلے وقتوں میں عید ہوتی تھی
 اب تو اک دم پرانی ہے
 سارے بچے خوشی سے ہیں کچھ
 عید آتا ہے آج پانی ہے
 غرض اک دھوم ہے خلد کھر
 ہنوں کی بات جانی ہے
 ہم نے بھی عید گاہ میں جا کر
 آج تقدیر آزمائی ہے
 جو ہیں قاب

عید

ہمیشہ ہم نے یہ دیکھا ہے بادہ فتنوں میں
 کہ چاند عید کا انتہیوں کو تو لے لے
 میں خوش میرے احباب بھی خوش میں لے لے
 سب گلے ملنے لگے جب کہ وہ جلا دیا
 قتل عاشق سے جہاں عید منا کرتی تھی
 اب وہاں ناممرباب و ماہوئے آج
 فکر ہے تنہا عید کا اس شاہ کے آج
 دوسریں جس کے ہے مرج صبح دوست
 شہرہ عید سے ہے قبا غنچہ کی بچین منڈیں
 گل کی رنگین ہے آج بدلی کوپڑاں
 ہوتے آتے ہیں آج باغ تلک باغ سے ناخیں
 فصل سے باغ تلک لب ساغر و ہلال
 نظر آتا ہے بگ بگ سے شوق تخیل
 پکا پڑتا ہے لب بگ سے اسچا اپنے پار سے
 عید کے دن سب ہیں گے درو دیوار سے
 ہم گلے مل کے ہوئیں گے درو دیوار سے
 ماہ تو ہیں منتظر سارے تھکاری دید کے
 مت چھپا نہ اونہارت لانے والے عید کے
 درنہ کب

داغ

دوق

جلیبی

جو ہیں قابل بھی دستگیری کے
 عید ہے یار سے گلے مل کر
 روزے اس کے ہیں عید اس کی ہے
 گھٹنا افلاس کی ہو جب چھائی
 آج الٹ جائے محفل زنداں
 عید کے روز تو خدا کی پناہ
 عید کے روز سب ہیں خوش جوگی
 کہتے ہیں آج عید مگر کس کی عید ہے
 ہوگی انھیں کی کہتے ہیں آج عید ہے
 ابروے یار چاند ہے رخ اس کا عید ہے
 دیکھا نہیں ہے چاند جو ابروے یار کار
 جو عید عاشقاں ہے تیسرے ہیں بھی ہو
 یاں جاں بلب پڑے ہیں کسی کے فراق میں
 دل پارہ پارہ ہو گیا ابرو کی یا میں
 اس ہروش کو دیکھتے گر چاند دیکھ کر
 عید اور نوروز ہے سب دل کیساتھ
 مہ صیام گیا اور روز عید آیا
 کیا خدا کا اداس شکر روزہ داروں نے
 رہیں منت ساقی ہیں بادہ خوار تمام
 گئے ہیں ایسے ساجد سے مختلف خوش خوش
 شگفتہ آتے ہیں اس طرح عید گاہ سے لوگ
 حسین جامہ میں پھولے نہیں سہاتے ہیں
 عزیز دوست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم
 ادھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید الفطر
 صدمہ ہجر و کاش غم سے
 یاس ہو تو اسید پھر کیسی
 ملو داغ سے بھی کہ ہے عید کا دن
 پھولا رہے شاہی کا چمن عید مبارک
 اس وقت مسافر بھی پکاریں بدلیں
 اے داغ تو بھی شہ نہ ہا میں ڈوب کر
 باہم ہوں جس طرح سے نعل گیر سلین
 تیر تضا کا طائر غم بھی نشانہ ہے
 پر تو لگن ہیں نیر اقبال بادشاہ

عید کے دن انھوں نے ٹھانی ہے
 دل کی حسرت ذرا سٹانی ہے
 پیٹ میں جس کے دانہ پانی ہے
 عید کیا خاک پھر منانی ہے
 عید کیا روز روز آنی ہے
 رند ہر ایک جسم کا ثانی ہے
 لیکے مینھا تو نو حہ خوانی ہے
 جن کے دلوں کے مد نظر کچھ خرید ہے
 ہم کو تو عید یار سگر کی دید ہے
 جس دن نظر پڑے وہی روز سعید ہے
 بے دید کس طرح سے کہیں آج عید ہے
 پھر تو یہ ہم بھی جانیں کہ ہاں عید عید ہے
 اللہ سے ستم کہ وہاں جشن عید ہے
 جب سے کہ چاند دیکھا ہر دشت مزید ہے
 حیدر بھی دل سے کہتے کہ عید سعید ہے
 دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اُجاڑ
 خوشی کا عید کے حق ہر کوئی بجالایا
 کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا
 کہ تیس روز کے سپاسوں کا روزہ کھلوا یا
 کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا
 کہ گنج گویا انھوں نے خرابہ میں پایا
 کہ دن خدا نے نکالیں کا ان کو دکھلایا
 خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا
 سماں نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا
 عید بدتر ہوئی محرم سے
 دل نہ خوش ہو تو عید پھر کیسی
 گلے آج خلق خدا مل رہی ہے
 اے شاہ و کن شاہ ز من عید مبارک
 جب دل سے کہیں اہل وطن عید مبارک
 وہ شعر تر سنا کر ہے یادگار عید
 اس طرح ہیں نشاط طرب بکنا عید
 آیا ہے دام شوق ولی میں شکار عید
 چمکا ہے روزگار میں کیا روزگار عید

جوگی

"

"

"

"

"

"

حیدر

"

"

"

"

"

"

حالی

"

"

"

"

"

"

"

داغ

"

"

"

"

"

"

"

"

عید
کیا کام مجھ کو عید سے اور عید گاہ سے
میری تو عید ہوئی تیری نگاہ سے
کیونکر لگیں نہ دل میں مسرتوں کے تیرے
دن عید کے ہی مجھ سے ہوا وہ کن رہ گیا
ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ بگارا آہ
ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ
عید کے دن شکوہ جو درجہ جاتا رہا
تم گلے سے لگ گئے سارا گلہ جاتا رہا
پچھیں تیرے ہی ہوں جب ابھی اک جھلکے
نیزک منتظر کی کیا خاک عید ہوئی
کہتے ہیں عید ہے آج اپنی عید ہوئی
ہم اگر میسر جاناں کی دید ہوئی
مبارک ہو یہ روز شاد کامی دینداروں کو
منائیں عید نیلے سے نکالیں اپنے بار کو
بودہ پوری دل کی جو اسید ہو
میراں تم کو مبارک عید ہو
تیمپوں کو رخ کی ترے دید ہوئی
اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو عید ہوئی
عید آئی ہے گلے سے خنداں اچھا دکھا
بیبوں کی ہے زباں پہل مبارک باد کا
خوشیاں

خوشی بھی باعث افسوس ہوئی افسوس
میں ایک دن بھی دوست سے اپنے نہ مل سکا
سحر عید کی کچھ مجھ کو خوشی ہے تو یہ ہے
عید قرباں ہے یہی دن تو ہے قربانی کا
کھٹکا خزاں کا ساتھ رہا ہر بہار کے
عید آئی ہے نظر عید منا و صاحب
شکر خدا ہے پیش نظر جلوہ عید کا
اب دیر کیا ہے آؤ گلے مل لوشوق سو
عید کی ساری خوشی دل کی کلی کھلنے سے ہے
آج لگ جاؤ آج ہے عید رمضان
اے عید زہے نصیب تیرے
آعید میں خیر مل لوں تجھ سے
عید قرباں ہے آنے والی
جس دن قسم سے عید آئی
پیارے عید تو ہے وہ دلبر
جان ہے سب کی پران عرسب کی
ہو مبارک عید تم کو دوستو
عید آئی گلشن عالم میں یا آئی ہے بہار
آج جشن عید قربان ہے بطمے ہو حلال
لو آگئی عید و عید انھی مبارک
قربانیوں کا کرنا نام خدا مبارک
عید اٹھے جو آئی ہر سو ہے شادمانی
کیونکہ خوشی نہ سب کو عید انھی جو آئی
جب واشروا کلو اکی ہم کو ہوئی ہدایت
ظاہر سے ہم کو مطلب اللہ جانے ملن
عید انھی کا محوی کر کے نقطہ بہانہ
جو حکم دینا ہے دید و کہ عید قرباں ہے
دل اگر فارغ نہیں ماسا ہے سازشاد
اے عید تو ہی حاصل ماہ صیام ہے
اے عید تو ہے شوکت اسلام کی دلیل
ہاں بے نوا بھی عید منالیں بلا ہراس
ہے آج وہ دن کہتا ہے اسلام جسے عید
گلرو چلتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری

ہلال عید سے ابروے یار یاد آئی
امید عید کی تھی سو وہ بھی نکل گئی
کہ عید یزان وطن یاد کرینگے مجھ کو
آج تلواروں کے مانند گلے مل قاتل
لیکن بہار عید ہمیشہ بہار ہے
شرط اسلام کی ہے کچھ نکل گیا مجھ
مشتاق دل بہت تھا مراجس کی دید کا
ساعت بھی نیک دن بھی مبارک ہو عید کا
اور کھلنا اس کلی کا یار کے ملنے سے ہے
ہاتھ پھیلائے گلے ملتے ہیں سب پیرو جواں
جو تجھ سے ملے حبیب تیرے
کر عفو اگر خطا ہو مجھ سے
دل کوئی نہیں خوشی سے خالی
ہوگی دربار تک رسائی
جس کا چرچا گھر گھر در در
سیج پوچھو تو مان ہے سب کی
عالم غربت میں ہیں تم سے دور
کھل رہے ہیں دل کے غنچے اور چکھتے ہیں ہزار
ساقیا ہو بادہ خونیں سے سبزہ لالہ زار
لنا گلے سے باہم عشرت خرم مبارک
عمرہ کا اور حج کا ہونا ادا مبارک
خوش ہیں وہی خدا کی جن پر ہو قربانی
ہے میٹھی عید کی سی آئیں بھی دلربائی
تو عید کی خوشی میں واجب ہوئی دور کعت
سب سے ملاپ لیکن لازم ہے عید کا لانا
رسم گنگنت کا کرتے ہیں ہم ترانہ
تھارا چاہئے والا نشانہ ہو کہ نہ ہو
عید کے دن رنج ہوتا ہے دل مجوس کو
اے عید تو ہی ثمرہ قہر و قیام ہے
تیو ہار ایک بھی تو نہیں ہے ترا عید مل
ان کے دلوں سے آج تو ہو جائے دو دیاں
ہر شخص کے لب پر ہے یہاں نعرہ توحید
ہے سب کے روز عید کی دل میں خوشی بھری

لا اظم
مصور
مدار
مسلم
مخوی
نار
ناخ
نامی
نظیر

خوشیاں مناتے پھر ہیں سب لوگ عید کی
عید کے دن شکوہ جو رو جفا جاتا رہا
ہو مبارک دوستوں کو شادی ایام عید
خیر و خوبی سے خوشی عید کی جاوید ہے
حوریں جنت کو مبارک ہوں فلک کو تاس

اور مجھ کو آرزو ہے فقط تیری دید کی
تم گلے سے مل گئے سارا گلا جاتا رہا
اتفاق باہمی ہے جانفزا انعام عید
تندرستی رہے اللہ کی تائید رہے
باغ کو گل ہوں تمہیں عید مبارک ہوئے

لا اعلم

"

"

"

"

عیش

دنیا کی سیر اور ہے عیش و نشاط اور
بزم جمشید مٹی محفل پر وینٹی
بسکہ ذرا عیش نصف اعیش ہے
عیش کا دہریں مکاں دیگا کبھی نہ آسماں
عیش کا نام ہی سنا ہے امیر
قدر راحت کی پس رنج ہے دنیا میں امیر
راحت کو دھونڈتا ہے عیش تو جہان میں
خوگر و رنج کے ہیں وہ راحت طلب نہیں
عشرت قبول نہ کر کبھی اختیار میں
خافل نہ مثل برق ہوشاوی سو خندان ہوں
غضب ہے منزل ہستی میں آسائش طلب ہوں
آدمی کی بے شعوری ہے طلب راحت کی یا
جو عاقل ہیں انھیں راحت کی فکر اصلاً نہیں ہوتی
دن رات ہے امیروں کو آرام و غرض
کیا خاک ہو امید کینوں سے عیش کی
جانتا ہوں راحت دنیا کو ستر پالم
نکلا جو دم تو راحت و آرام ہے اسیر
یہ باغ دہریں ہے مجھ کو ناپسند خوشی
جمع ہوتے نہیں دو عیش کبھی زیر فلک
کرتے ہیں فکر عیش جہاں حرا ہیں
خانہ عیش کو دینا ہے لب گور صد
عشرت ارباب خافل کو نہیں رنگ ثبات
چاہتی ہے مرغ عیش اہل دنیا ہوشکار
بے محل راحت جو ہوا انسان کو ہوتا ہے رنج
ہر کوئی دنیا میں ساز عیش کا بھرتا ہے دم

جام جہاں نہانہ کبھی جام بسم ہوا
ہے زمانہ میں وہی عیش کا سماں ایک
یاد ایام فراغت ہی سہی
گرگ سے ماہ مصر کا پوچھتے ہو پتہ عبت
ڈھونڈ مارا جہاں بھریں انھیں
تب چلوں باغ کو جب قیدی زنداں ہوں
اس کا زیں میں ہے نہ پتہ آسمان میں ہے
جسم کلیم پوشش کو دینی ہے شال رنج
اے نہی تو تہقہ دیوار دیکھ کر
یاران غم سے ہے گل آدم خمیر کی
ہجوم خواب سے رہوئے ہے آخر خلل پایا
داغ ہیں یہ خانہ چرخ کہن میں آبلے
خیال عیش رکھنا ہر گھڑی ہے کام جاہل کا
ساتی سے مدعا ہے دیا جام و غرض
کب مروہ بنا پر زاغ سیاہ کا
فرہی پر مجھ کو ہوتا ہے یقیں آس کا
آوراگی ہے جسم کی روح رواں ملک
چلے جو زور کروں سد باب خندہ گل
مے سے لبریز کبھی کا سہ طنبور نہیں
ہے جتوے چشمہ حیواں سرا ہیں
ایک دن شہر بھی ہو گا وہ گل ہو گا
بیشتر ہو جاتے ہیں مفلس تو نگر خواب میں
خاک پر تار شعاعی کا بچھا کر دام صبح
پائے خوابیدہ نہ کیوں پائے افیت خواب میں
آدمی کا رشتہ جاں تار ہے طنبور کا

اصف

"

اسٹیل

امیر

"

"

"

"

"

آتش

"

"

احد

آزاد

امیر

"

"

"

"

"

"

برق

بکر

عیش
دارغ میں اس نہیں روز عیش کی
دل و عیش جہاں پر نہ جبر لہرانا
نشاط و عیش جہاں پر نہ جبر لہرانا
کہ سبک تباں ہے اور سراب شرب
عشرت ہے مونج آب ادھر ادھر ہے عیش
بیجا جباب سر میں بھرتے ہیں عیش
فریاد عند لب سے ثابت ہوا ہیں
مگر گل ہے داغ آہ چوین ہے عیش
اسے بخر قطع زیت ہوئی رنج عیش
گھنگھڑ بجا خدا نے سنائی صدائے عیش
راز عشرت جو میں دنیا میں طلب کرتا ہوں
کان بجتے ہیں برابر کوشش نصیبوں کیلئے
عیش ہے دارغ میں راحت ہوا اگر تقدیر میں
سولی پر بند ہے سرست نہیں ہوتی
آسائش بجا ہے سرست نہیں ہوتی
سو جائیں اگر پاؤں تو راحت کیوں نہ ہو
میں عشرت میں انش کی پرتو شش کیوں نہ ہو
جب پیر گردوں بنے دیادوں مادر بنے
گلزار نہیں مقام عشرت
بلبل بوجھائے باغباں ہے
عیش دنیا

عیش

عیش

عالم

عند

عشق

عند

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

عشق

نابا پیدار عیش کے سامان ہیں عیش
ساغر شراب کے ہیں بیابان عیش
وہ عیش و طرب ہو پھر وہی سب گلستاں ہو
جب کیا پھر وہی سا مان خدا میں نظر کر دے
مرنے کے بعد کیا پھر آرام گور میں
دنیا میں سو طرح کا بھڑکا رکھا
عیش و طرب آتا ہے تو پھر مٹتا نہیں ہے واسطے
شہم دنیا ہے گھر کا یاد دھڑکی کے واسطے
عیش و دنیا راحت سے جو آخر رنج ہو
باز آیا ایسا راحت سے ہاں سا یہ کہ
کھانے کو سر پر اسے ہاں سا یہ کہ
ماں ہے تو تو کر دنیاں زیبا عیش
ہے اس ریاض و سر کا نابا پیدار عیش
صحیح عیش اپنی شب عیش میں کھلے گی
رنج کے بعد ہوا کرنے میں کھلے گی
بلخ جہاں میں عیش کی نصرت بہت ہو کہ
بہرہ جام عمر ہے گل کا باب عیش
روح کو اس تن خالی میں ہوا عیش کی موت
ہے نقطہ تفریق مرگ و زندگی عیش
وہ عیش و طرب آتا ہے تو پھر مٹتا نہیں ہے واسطے
شہم دنیا ہے گھر کا یاد دھڑکی کے واسطے
عیش و دنیا راحت سے جو آخر رنج ہو
باز آیا ایسا راحت سے ہاں سا یہ کہ
کھانے کو سر پر اسے ہاں سا یہ کہ
ماں ہے تو تو کر دنیاں زیبا عیش
ہے اس ریاض و سر کا نابا پیدار عیش
صحیح عیش اپنی شب عیش میں کھلے گی
رنج کے بعد ہوا کرنے میں کھلے گی
بلخ جہاں میں عیش کی نصرت بہت ہو کہ
بہرہ جام عمر ہے گل کا باب عیش
روح کو اس تن خالی میں ہوا عیش کی موت
ہے نقطہ تفریق مرگ و زندگی عیش

عیش دنیا کی طرف رخ نکر دے رندو
غم عیش سے وابستہ ہے اور عیش ہے غم سے
سخت تر ہے عذاب و فوج سے
رہتے ہیں ظالم ہمیشہ شاد و خرم و ہر
راحت وہ ہم نے پائی قفس میں کہ عمر بھر
خوب گزری مری کج محبت میں تنہا
ساری کمائی لٹ گئی عیش و نشاط میں
پایمالی کے سوا کیا ہے مال عشرت
نہ دیکھی عیش کی صورت کبھی بے رنج و دنیا میں
تو ارم زبکہ سختی و نرمی جہاں کی ہے
رنج دیتا ہے خوشی کے بعد انسان کو فلک
اسے فلک شادی و ماتم کو ہم اکساں سمجھے
ریاض و ہر میں یکساں ہے شادی و ماتم
شرہ دیکر گور میں کہتے ہیں یہ ہم سے ملک
لحد میں جا کے ان اٹھکھیلیوں سے جو کہ چھوٹا
بڑے ناداں ہیں جو جھوٹے ہوئے بیٹھے ہیں عقی کو
بشر جنّت میں ہے جب تک نشاط زندگانی ہو
گزرتے ہیں گھڑیوں میں عشرت کے دن
میرا طریق عیش جدا ہے جہاں سے
خوش و ناخوش بسر ہو جائے گی یہ زندگی لیکن
موسم شیب میں بیفائدہ ہے حب شباب
حاصل تو ہوا وصل میں رات پر افسوس
یاں فکر معیشت ہے وہاں دغدغہ حشر
بہار چند روزہ پر عبث دل شاد کرتے ہیں
منزل دنیا نہیں جائے نشاط
موسم عیش کو جاتے ہوئے کچھ دیر نہیں
اس خرابات میں یہ عیش محل کس کا ہے
تو ارم زمانے میں ہے غم و عیش ہر جگہ
ایام مصیبت کے تو کالے نہیں کشتے
جس عیش میں یاد آئیں غم و رنج کے صدمے
مال عیش وقت نزع غافل لٹے کامی ہے
اسے او شوکت عہد جوانی دیکھنے والے
جو مال کا رعب میں کا رنج غم

ویدہ غول ہیں اس میکدہ کے جام تمام
لازم ہیں غم و عیش پس عیش پس غم
جتنو عیش جس وادانی کی
کم نہیں ہوتا کبھی خندہ لب سو فار کا
بھولے سے بھی نہ یاد کسی دن چمن رہا
زندگی ہوگی نہ مرنے کا تقاضا ہوگا
باقی کفن کو تار نہیں اب بساطیں
پھول کھلتے ہیں گلستاں میں بکھرے کیلئے
نہی کے ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بھی کھلتے ہیں
پیدا بدن میں گوشت نہ بے استخوان ہوا
نگدہ میں دہر کے بیکار ہے راحت کی حرص
غم سے تنگیں کبھی راحت سے نہ سر در ہوں
بہار کیا ہے نہ دیکھیں بقا خزاں کیلئے
منزل مقصود کو پہنچے ہوئی راحت نصیب
جینگے جب تلک دنیا میں کھیلے گی قضا سر پر
جہاں غفلت سرا ہے عیش اک خواب پریشاں ہو
مثال حور پہلو میں عروس نوجوانی ہے
نہیں کالے کتے مصیبت کے دن
چلتا ہوں چھوڑ چھوڑ کے ہر رگزر کو میں
جسے آرام کہتے ہیں یہ یاں ہو گانہ داں ہوگا
کب شرم دیوے ہے جو نخل خنداں پر آیا
اک پل میں شب عیش و طرب ہو گئی آخر
آسودگی کہئے جسے یاں ہے نہ دہاں ہے
مری دانست میں وہ عمر کو برباد کرتے ہیں
کیوں بچھاتا ہے بساط انبساط
دن ہے بجلی کی چمک رات ہے اے یا گھٹا
برق ہے رخنہ در سایہ دیوار گھٹا
رنجیدہ ہے کوئی تو کوئی شاد ماں کہیں
دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے
وہ غم ہی نہیں دسترس عیش پس غم
نہایت خوش مزہ ہر چند لذات جہانی ہیں
رہنما محو عشرت تاجے اب رکھ دے آئینہ
اے عزیز ایسی خوشی اچھی نہیں

مجنور میں لذتوں کے چمکے ٹھیکل بھراؤ
دیکھ پیتائے گا جب اترے گا اس سے کاغذ
دور عشرت ہے برق کی چٹک
عہد عشرت اک سکتی دھوپ پس
ہائے کچھ عیش کو ثبات نہیں
ریخ و راحت کی قدر عالم میں
فرصت عیش اپنی یوں گزری
کیا جانوں لوگ کہتے ہیں کس کو سر و قلب
بیٹھ کر مسند پہ صنم خوگر راحت نہ بن
خالی نہیں فریب سے عیش اس جہان کا
لذت عشرت ہوئی بے تلخ کامی کب حصول
ہے بروں کو عیش اچھوں کو ہے دنیا میں ریخ
روز مولد سے نہیں عیش و طرب قسمت میں
بھر جہاں میں غم ہے کسی کو کسی کو عیش
ہیں جہاں میں طالب امر محال
شادی و غم ہمین میں تو ام ہے
نہ نہں رلائے گا تجھ کو خمار بادہ عیش

بچے رہتے اگر انساں تو بلیا پار ہو جاتا
نشہ عیش میں غافل ہے عبت تولے دست
بلبد سے ہے کم بقائے قمع
دور ساغرا یک چلتا آفتاب
دور چلتا ہوا ہے ساغر کا
شاہ کیا جانے کیا گدا جانے
کہ مصیبت پڑی تہمتا پر
آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زبان کے ریخ
چلتا ہے اس گھر جہاں تک یہ نہیں بتر نہیں
ساغر شراب کا ہے کف شیشہ بازیں
ذائقہ میں دیکھ لو رکھتی ہے طغی ہر شراب
توڑتا ہے گل کو گلچیں چھوڑتا ہے خار کو
رمنیہ ہے کہ بشر ہوتے ہیں گریاں پیدا
ماہی کو خار اور صدف کو گھر ملا
جو یہاں کرتے ہیں راحت کی طمع
آنکھ ہے پھول اشک شبنم ہے
مے نشاط تو اس بزم میں مدام نہیں

حب
مو
نتی
میر
میکش
نظم
ناخ
واسطی
وقار
فیہر

عجب و ہنر

اصل کا عیب نہ ہو نقل سے ہرگز نائل
کس طرح بے آزمائش ہو عیاں عیب و ہنر
کلفت دنیا چھپا دیتی ہے مردوں کے ہنر
جو عیب پوشش کی ہے وضع پردہ در کی کہان
قدرتی جو چیز ہے پاکیزہ ہے وہ عیب سے
عیب اصلی صحبت کامل سے بھی جاتا نہیں
بے لباسی سے ہیں ارباب ہنر صاحب قہر
پیدا شدی جو عیب ہے ہوتا نہیں وہ دور
نہر نے رنگ کیا بویے شک کا پیدا
ہم ہنر پیشہ دیکھتے ہیں ہنر
عیب ہیں عیب سمجھتے ہیں ہنر کو بھی اسیر
مطلب کسی کے عیب سے کیا ہے ہنر لیند
کیا جانے کوئی صاحب جو ہر کا مرتبہ

مردم رنگ کی کھینچی نہیں تصویر سفید
ایک ہے نخل و کرم جس شہر میں سائل نہیں
رنگ کر دیتا ہے پنہاں جو ہر شمشیر کو
کہ شام صادق و کاذب نہیں سحر کی طرح
رنگ سے ہوتا نہیں آئینہ زانو سیاہ
کب مٹی خلعت حدوت سورہ والنور سے
جو ہر ترنخ عیاں ہوتی ہے عریانی سے
انٹھن نہ جائے کوئی جلائے دن ہزار
ہزار ہم نے چھپایا پہ آشکار ہوا
عیب میں ہو گی بے ہنر کی نظر
آگ کا نام یہ ناہنم دھواں رکھتے ہیں
چلتے ہیں پھول ہم شمس خار دار کے
بے وہ قدر ترنخ کی عیب کو نگاہ ہو

اسیر
ایک
رنگ
کہ
رنگ
کب
جو
انٹھن
ہزار
عیب
آگ
چلتے
بے

عجب و ہنر
جس میں ہو ہر ذاتی اسے کیا حاجت کب
پیرا کوئی سکھاتا نہیں مرغابی کو
عجب دھوپ چھاؤں کا عالم
نہ اس کا جو ہے وہ اس کا نقص
دست نہیں ہے وہ کب کب کب
مر ہے کثود کار کوئی فتح باب ہے
جو راز اور عیب کب کب کب
ستار اس کے عیب ہنر کب کب
طلکبار راحت جو ہنر کب کب
وہ کوئی ہنر یاد رکھے ضرور
بڑھ کے بد آپ سے نہیں پاتا
جب کہ انسان غور کرتا ہے
ہر حال پر ہنر ہے خدا پر نظر راہی
یہ مرتبہ حاصل ہے عیب بے ہنری سے
بے لباسی میں بھی تلوار کا اسلوب ہے جو
اپنے جو ہر کو ہیں اپنے لئے بھی ضرور
چاہتے ہیں ہنر اصل عیب جو ہر داریں
کب کب تلوار کی عیب جو ہر داریں
کب کب انسان کو انسان ہوتا ہے وبال
کب کب شمس ہنر میں زبان لال ہے
کب کب کب

اسیر
آزاد
فنون
جو
پتی

نہر	عالم	لیس مال وزر وہی جنھیں ہے مال وزر کی چٹا	نعمت اپنے واسطے کرب نہر کی چاٹ
غریب	عزیز	کہ جو دیکھے تو وہ جانے کہ نہر کچھ بھی نہیں	کثرت عیب نے اپنے پیچھا پایا ہے عزیز
فیض	غریب	عیب کے دیکھنے والے تو نہر دیکھا چلے	دیکھتے ہیں جو نہر عیب کو کرب دیکھتے ہیں
فرخ	جبر عیب کوئی ہم سے نہر ہو نہیں سکتا	سوچ تو دل میں ذرا تجھ میں نہر ہی کیا ہے	کیا مند ہے جو ارباب نہر سے کریں باتیں
تعلق	جائے بشر نہ دوستوں کی واہ واہ پر	ہیں نہ نو کی طرف ہر ہر بشر کی انگلیاں	رات دن کرتا ہے فرخ تو جو دولت دولت
قطب	ہے تری چال تو کچھ اے فلک پیر نی	کس قدر صاف آئینہ ہے دل	لازم ہے اپنے عیب و نہر میں کرے تمیز
مصحفی	تہیں برے ہیں جہاں میں کوئی خراب نہیں	مگر اپنے عیبوں کو کم دیکھتے ہیں	عیب کو پہلے نہر سے دیکھتے ہیں لوگ قطب
محب	مجھ میں یہ عیب ہے کہ مرے پاس نہ نہیں	بہر شانہ کس قدر زیبا مگر نہ انہ ہے	ٹھو کریں ان کے لئے اہل نہر ہیں جتنے
منت	آسودہ حال رہتے ہیں کب نہر سے لوگ	عیب بھی کرنے کو نہر چاہئے	دیکھ دل میں تو اپنے عیب و نہر
مفتون	عجب بھی کرنے کو نہر چاہئے	جو بتائے رہ صواب مجھے	جو دیکھا چشم بصیرت سے تو ہو معلوم
میر	نہر و ہمیشہ نہر دیکھتے ہیں	ہے فقط عیب و نہر پر بنی	بہت داغ اوروں کے ہم دیکھتے ہیں
منہتی	چھٹا نہیں ہے چاند کا دہبا کسی طرح	پھر اٹھا آنکھ دوسری طرف	خالی نہیں ہے عیب سے کوئی بجز خدا
مفتون	مجھ میں ہے عیب اک زمانے کے	کوئی بھولے سے بھی چھوٹا ہے گل بے بو کو	عیب بھی جائے نہر ہوتا ہے اپنے حال پر
میر	نہر ار عمر فد اکیجئے اک نہر کے لئے	انسان ہے وہی جس میں کہ جو ہر ہے نہر کا	اپنی فلاح کے لئے سیکھے کوئی کمال
منت	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل	زمانہ میں ہے جام اگر جسم نہیں ہے	شرط سلیقہ ہے ہر اک امیں
مفتون	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے	آدمی کے لئے نہر ہے شرط	کیوں نہ اس عیب میں کا ہوں ممنوں
میر	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل	وگرنہ کون ہے جس کو نہر نہیں آتا	نظر عیب میں کی ہے عیبوں کے اوپر
منت	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے	اس عیب کو بھی بلکہ نہر پھر نہیں لگت	رائے خلقت کی بری یا اچھی
مفتون	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل	نہر کوئی نہ سیکھا واہ ہم نے	جو عیب جس میں ہو نہیں جاتا کسی طرح
میر	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے	کوہ کن کوں فیض کب پہنچا ہے جوئے شیر سوا	عیب پر اپنے کر نظر پہلے
منت	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		لاکھ جو ہر جو ہوں کسی میں تو ہوں
مفتون	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے		بے نہر کیوں نہ ہو گلزار جہاں میں بے قدر
میر	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		قلم کو پر جسم دولت فقط نہر سے ملا
منت	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے		شعر کوئی میں جو کی اوقات صرف
مفتون	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		باغ جہاں میں اہل نہر میں شکش آہ
میر	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے		نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل
منت	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے
مفتون	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		نہر سے ہے نام بشر تاقیامت
میر	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے		ہے جہاں میں نہر شناس بہت
منت	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		کسی کو جو ہر ذاتی نظر نہیں آتا
مفتون	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		وہ عیب نہیں عیب جو ہو ساتھ نہر کے
میر	آدم کی تو اولاد میں ہر فرد بشر ہے		جو رونما ہے تو اب اس بات کا ہے
منت	نہر کے نور سے ہوتی ہے دور ظلمت جہل		جگ میں نہیں اہل نہر اپنے نہر سول بہرہ یاب

غُرور

کبریا خاک میں مل جائے گا مغروروں کا
 ہے دلیل جبن ظاہر سر میں رکھتے ہیں غرور
 جب منعم مغروروں نے کی بات نہ ہم سو
 ذرا سی بات پر اہل تکبر بھاڑ کھاتے ہیں
 طاووس کی طرح ہیں خواماں یہ اہل کبر
 جب ہوا مغرور انسان روشنی دل کہاں
 سمجھتا ہے یہ اپنے دل میں مغرور
 ایک ہی اصل ہے یہ کبر یہ نخوت کیسی
 رکھ زمین پر قدم اہستہ ذرا سے مغرور
 غضب ہے ملے تکبر سے چاہتا ہے یہ رہ
 جھومتے چلتے ہیں کیوں رستیں یہ نخوت فروشن
 بڑھ کے بولے گا جو دنیا میں وہ پائے گا سزا
 بس اسی روز پہ یہ کبر یہ نخوت نمود
 آخر مال عجز ہے تیرے غرور کا
 کبر چھوڑو سرکشی اچھی نہیں اے اہل کبر
 کھینچتا ہے دور آپ کو کیوں ماہ و آفتاب
 کھینچے ہے اور آپ کو کیا سرکشی سے یہ
 چرخ کے ہاتھوں سے اٹھ سکتے نہیں اہل غرور
 موسم پیری میں کبر نوجوانی کب تلک
 غرور بحر جہاں میں ہے عین بے مغزی
 عجب ناداں ہے جو مغرور ہے عمر دور روزہ پر
 ہو گر یزداں کبر سے معلوم کیا تجھ کو نہیں
 غرور اچھا نہیں ہے اے صنوبر قاتل اتنا
 زوال دولت اقبال ہو جاتا ہے نخوت سے
 اوج دنیا پر نہیں ہے سرکشی لازم اسیر
 احباب کی نظر میں تیرا عیب ہے ہنر
 یہ کج نہان نو دولت خدا جانے میں کیا سمجھ
 عبث اے دوست تجھ کو ہے تکبر چار عنقر
 عمل نیک بھی مغرور کا ہے قابل ملک
 زائل اندوہ کرے گا سہراں سے غرور
 کیا دولت دور روزہ دنیا کا اعتبار

اک ذرا گور غریباں میں گزر ہونے دو
 فہم زن سے بھی کہیں مردوں کی ہودت رکج
 چپ ہو رہے ہم صورت دیوار سمجھ کر
 درندے ہیں یہاں بھی کچھ نہیں موقوف جنگ
 انسان ہو کے مرتے ہیں حیواں کی چال
 بزم میں آتے ہی گل کر دیتی ہے صرصر چراغ
 زمیں ہے آسماں ہے اور میں ہوں
 میں اگر خاک ہوں پھر کچھ بھی یہ اکیر نہیں
 مورچے دب کے سیماں سے نہ فریاد کریں
 کہ مثل طاعت ابلیس را سیگاں ہوں میں
 کبد و ہشیاروں سے چھوڑیں ست کی رفتار
 دار موجود ہے منصور کی سرتابی کو
 چھین لی ایک ہی پشہ نے خدائی تیری
 اے باغبان خزاں بھی ہے چھپے بہار کے
 رزق پشہ ایک دن مغرور سر نمود ہے
 ہوتا ہے سچ غرور بہت سیم وزر کے وقت
 ملتا نہیں ہے چرخ تم کار کا دماغ
 عاقبت گر کر زمین میں آہ گر جاتی ہے برق
 چونک غافل شب گئی دن آشکارا ہو گیا
 ہوا جو قطرے میں شامل ہوئی حباب ہوا
 بدن میں چامون ہے اعتدال اس چار عنقر
 ایک پشہ سے ہوا احوال کیا ضحاک کا
 کہ کو کو کہہ رہی ہیں تمہریاں کسری کے ایوان
 بھگدے شمع کو جھونکا نسیم صبح کا ہی کا
 رہروں کی ٹھو کریں کھاتا ہے سر فغفور کا
 مغرور اے ماسیر نہ ہو دواہ واہ پیر
 ہلال آسماں ان کا ہے بالکل خود نمائی پر
 ہوا سہن خاک کی دشمن تو آب آتش کا دشمن ہو
 چھپ رہا باغ ارم دہر میں شاد کے بعد
 تیغ میں بال جو ہو گا تو کہاں بل ہو گا
 ملت نہیں ہے کیوں ترا ہے بخیر و مزاج

غُرور
 ہے عین کبر جوانی تجھے غافل ہو کر
 باہم گشتا ہے ہر اک باہ میں کامل ہو کر
 رستے میں دو قدم نہ چلو بڑھ کے مور سے
 یہ کو چھ غرور سے ہے نابہ مزاج
 یہ کوئی کیا کبر سوا پائے آیا
 کر کے کوئی دم ہے کب غالب نہر
 فقط ایک دم ہے کب صاحب کمال ہے
 مثل بلال بدر ہے کب صاحب کمال ہے
 وہ فوجا نہیں ہے جو صاحب کمال ہے
 زور آوری پہ اپنی نہ سرکشی کریں غرور
 عاجز نہیں خدا کا غضب قوم عاد سے
 سر مغرور کو جہنم نے شاخ بار و بیہی
 نہیں دیکھی جہنم میں ہم کی
 غرور کھوئی ہے تعلیم خاک سے بلند ہو
 آگے جو سرور می خاک سے گھٹند
 مطلق نہ آشنائی دنیا پہ انشاؤں
 ظاہر پرست ہوتے ہیں سب آشنائوں
 کوئی سجدہ بڑھ چلا عد سے تو یاروں نے کہا
 ایک یہ بھی بوس تھا برسات کے سیلاب کا
 جس شخص نے کہ اپنے نخوت کے بل کو توڑا
 راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا
 بیجا ہے

بیجا ہے اس پر خیمہ و خگاہ پر سرور
پانوں نختے سے جو رکھتے تھے سراقلاک پر
بے محل اپنی عمارت پر ہوا جس کو غرور
تعب نخت اہل زمیں پر مجھ کو آتا ہے
مت بول بڑا بول بھجائے گا اک روز
زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن
باپ دادا پر عبث اتر رہا ہے بوالفضل
کام قاروں کے نہ آیا مال و زر
بادشاہ ہفت کشور ہے تو کیا
عقل میں جب فتور ہوتا ہے
باور خود ہیں کا نخل مدعا ہوتا نہیں
کہیں نہ لطمہ باد اجل فنا کر دے
موت آجائے تو آجائے بلا سے لیکن
تھا لباس قائم و سجا ب پر جن کو غرور
نظر مبہوں پہ اپنے چاہیے اے اشک و انا کو
قدم رکھ زمیں پر نہ ظالم اگر طر کر
نہیں جن کو جاہ و حشم کا سحر
اظہار شہیتہ نشان بے سہری کا
کیا جو کبر تو شیطاں کے ہاتھ کیا آیا
گئی کس کے سے ہوائے غرور
غرور کر کے نگاہوں سے گر گئے مغرور
غرور خوب نہیں مشیت خاک کے حق میں
اتنا مغرور کیوں باغیاں ہے
تفاخر آل تمغا پر عبث اولاد آدم ہے
اتنا ہوا ہے کبر پہ پھلو نہ گلر خو
مہ دو ہفتہ کا عالم مقام عبرت ہے
سارے جہان کو ہے غرور اپنی شان پر
کوس ریل یہ ہے وہ میل رہ عدم
کیا دم کا بھروسہ یہ ہوا ہے نہ بہت پھول
کس چہرے پہ اغماض مجسم ہیں زری پوش
اکڑ کے چلتے ہیں رکھ رکھ کے ٹوپیاں ٹیڑھی
جائے حیرت ہے جو نفرت دہو خود بینی سے
دو سال اورھ کر غزانہ تو ہم چوم پوٹوں سے

خروٹے ہیں تربت بہرام گور پر
ہاتھ اٹھا کر زبیت سے وہ سور ہے میں خاک پر
بنتے بنتے قصر کی تعمیر آدھی رہ گئی
یہ اس پر کیوں بگڑتے ہیں کہ جیس م کے گڑتے ہیں
یہ بولتا تن میں جو ترے بول رہا ہے
وہ کیوں سر کو تا آسمان کھینچتے ہیں
عاق کر دیتے ہیں اکثر ناخلف اولاد کو
منعمو بیجا ہے دولت پر گھمنڈ
کر نہ دودن کی حکومت پر گھمنڈ
مال کا تب غرور ہوتا ہے
حجت قاطع ہے اس پر ماجرا شداد کا
بہت نہ سر کو اٹھائیں جباب پانی میں
دل میں انسان کے پندار نہ آنے پائے
بے سرو ساں گئے اس عالم اسباب سے
خوابی آئی جب انسان یہ سمجھا میں کل ہوں
فلک میں ڈالے گا تجھ کو رگڑ کر
وہی لطمہ جاہ و حشم دیکھتے ہیں
جو اہل مہر ہیں کبھی دعویٰ نہیں کرتے
وہی عزیز ہے عزت جسے خدا نے دی
یہ آندھی جب اٹھی نہ زائل ہوئی
بلند جتنے ہوئے اتنے اور سپت ہوئے
ہوا سے مل کے پریشاں غبار ہوتا ہے
یہ چمن چار دن میں خسراں ہے
نہیں ممکن مقدر کا نوشتہ فرد باطل ہو
دوروز کی بہار ہے یہ عمر بھر کہاں
غرور چاند سے چہرے پہ خوبرون کریں
ہر ایک شخص کا ہے دماغ آسمان پر
شاہوں کو کیوں گھمنڈ ہے نام و نشان پر
ہے مثل گولے کے تری نشو و نما خاک
سر ڈالیں گریبان میں ہے زیر قبا خاک
انگ پر ہیں زمانے کے نوجواں کیا کیا
نظر آتا ہے اس آئینہ میں چہرہ الٹا
دش کا ویانی سے بڑھا رتبہ فریدوں کا

امانت

اکبر

انیس

انجم

انور

اشک

اثر

سہیل

بحر

نکر

نکر

نکر

نکر

نکر

نکر

نکر

نکر

نکر

عند
اسے فلک قدر نہ کرتا کبھی زنبار گھمنڈ
کھلچا ہے بہت اونچوں کو گنگوں سار گھمنڈ
گلست میں بے نیکی کرے زنبار گھمنڈ
انجا دولت نے پریشان ہوا
سر اٹھایا جو گولے کے تیلے کو سزاوار گھمنڈ
خاک ہو خاک کے تیلے کا کچھ بس نہ چلا
ایک پشیمانی ہے قدرت تو بڑی بیکار گھمنڈ
جب نہ اتنی جی ہے کہیں صورت بیکار گھمنڈ
سز چڑھ ناک کشوں کے چرخ سنگار گھمنڈ
سب نکل جائے گائے چرخ حال ان کا ہے
زور و زور رکھتے ہیں جو لوگ یہ حال ان کا ہے
آراک بار تو وضع ہے تو سوا گھمنڈ
دائے کجیوں کے اگر ششہ دولت گھمنڈ
دائے موتیوں کے بار پہ زنبار چلو
اے امیر و راہ دنیا میں نہ چم ختم سے
پانوں میں ٹھوکر لگی تو سر سے آکر اڑ گیا
والی پگل جو آج ہے وہ کل ہے زیر خاک
دودن ہے باغ و بہار میں چھوڑ دے
اچھی نہیں ہے نوئے تکیب سے چھوڑ دے
اسے دل وہ جیل کی عدو کو بنائے دے
غور و غور

جب

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

=

غور

شب

=

=

=

=

=

=

=

=

جلیں

تاج

ملا دلوں کو ہے دولت پر گھنٹہ
خوش جاووں کو ہے صورت پر گھنٹہ
زادوں کو ناز اپنے زب پر
جوش کو خالق کی رحمت پر گھنٹہ
اتری جانے کی مثل جاب دم میں
ہوا بھری ہوئی نخت کی جاب کلاہ میں
ہیں اونچی ٹوپیاں جن کی عسکر میں ہے
جباب جگر کا سر بھی اسی کلاہ میں ہے
اون دو عروج جاہ پہنچا ہے پندرہ
دیکھی زمین انہوں نے جو تشرش
مثال باد آتش ہو ز سرش
غیر جسم آب و گل جھجکا
بزرگ گل وہ نہ کیوں چوے بازو تھے
گرو میں مغلس اسل کے کچھ جو ز ہو جائے
غور اسے منہ زبیا نہیں ہے دولت وزیر
بھروسہ چاہیے انسان کو اپنے مقدر پر
بقا جہاں کو نہیں عمر کو قیام نہیں
عبث غور ہے منہ زبیا نہیں ہے دولت وزیر
دور زہن پر چوے ہیں کیا گل
بڑے کنکڑ میں اترا ہے ہیں

غور خوب نہیں نخت عارضی فلک
کبر کہتے ہیں جسے خلعت شیطانی
سرکشی اچھی نہیں ہر وقت شیشہ کی طرح
تراب آدمی کی صفت عجز ہے
جس کو کچھ اپنے علم و ہنر کا غرور ہے
فقر کو ہے تکبر امیر سے واجب
ایں ہیں کب وہ ضغط گور و غدا ہے
گھنٹہ وہ نہ کرے پاکی اور ہاتھی پر
عبث ہے فوج پہ مغرور اپنی شاہ زماں
آدمی غرہ عبث کرتا ہے اپنی ذات پر
یہ مٹی ایک دن ہو جائے گی بحر تلاطم میں
تمام عمر نہ مغرور ہو شس میں آیا
کہتا ہے بدر ہو کے سر آسماں ہلال
چل تکبر سے نہ آگے ترے پیچھے مغرور
لحد کو دیکھ اے منعم نہ پھول اس شان و شوکت پر
سمجھتے کیا ہیں جوانی گنوا کے جو ناداں
گر مئی تقریر حاصل نہیں کس کام کی
ایک دن کی زندگی پر کیوں نہ اترا اے جباب
جہاں میں اہل نخت ہم نے دیکھے محض بے معنی
اپنی خود بینی نے ہم کو کھوایا مثل جباب
ہوا آبت جباب جگر کے بے جا ابھرنے سے
تسب کا تغا غرہ کر زینہ ہار
کل فلک سے ہمسری کرتے تھے جواہل غرور
سرنگوں ہو گیا فوارہ نکل کر باہر
یہ جان لے جھکے گا سر اک روز خاک پر
ہو کر بلند ہوتا ہے فوارہ سرنگوں
گردن شیشہ جھکی اور کہا جب قلق
جاتی رہے گی ظاہر و باطن کی روشنی
جو چوکیں سرکشی سے اہل نخت بعد مردن بھی
کبر سے نازل ہوا دنیا میں دوزخ کا عذاب
نہ ہوا اتنا بھی اے نودولتوں مغرور دنیا پر
زیر گردن کب رہی مغرور کی گردن بلند
نہ ہوا اے منہ زبیاں مال و دولت و زر پر

کہ ہر کمال کو آخر زوال ہوتا ہے
عجز سے جاتے کو تا عرش بشر خاک ہوا
سامنے محتاج کے جھک جائے گردن چاہیے
نہ کرنا کبھی کبر مائی کی بات
جاہل اسی کو کہیے وہی بے شعور ہے
کہ عاجزی میں یہاں فقر کی حقارت ہے
کبر و غرور سے جو دکھاتے ہیں دبذہ
نگاہ جس کی ہو دنیا کی بے ثباتی پر
غرور دہا کو ہوتا نہیں براتی پر
اصل جس کی قطرہ پیشاب ہے یا خون ہے
جباب آسا اٹھاتا ہے عبث مغرور سر اپنا
ہمیشہ مست زمانہ میں بے شراب رہا
نخت نہ چاہیے کبھی اپنے کمال پر
موت کھینچے ہوئے شمشیر فنا آتی ہے
یہاں بھی جسم اگر آیا تو بے طبل و سلم آیا
اکڑ کے چلتے ہیں پیری میں نوجواں کی طرح
شمع کیوں کرتی ہے اس آتش زبانی پر گھنٹہ
سر تو رکھتا ہے مگر سر میں نہیں رکھتا دماغ
جباب اتنا ابھرتا ہے مگر حکمت سے خالی ہے
کھول کر جب آنکھ دیکھا کچھ نہ پایا آپ کو
کہ ہیں معنی سے دم کے بھر نیوالے بشر خالی
بشر بے ہنر ہے مثال غبار
آج وہ زیر زمین ہیں سر اٹھا سکتے نہیں
آسماں گردن سرکش کو اٹھا دیتا ہے
گردن کشی جو صورت مینا کرے کوئی
جھکتا ہے وہ ضرور جو گردن فراز ہے
سچ تو کہتے ہیں بڑے بول کا سر نیچا ہے
خافل چڑھانہ آنکھ پر شیشہ غرور کا
لحد میں کیوں کھڑا ہی دفن ہو مردہ فرنگی کا
پر فرشتوں کے جلے جس سے یہ ایسی آنچ ہے
نہیں معلوم کیا انجام تم کو کبر و نخت کا
بنگیا جام گدائی کا سہ سر شاہ کا
کہ دیکھو مایں کا عالم ہے کیا قبہ سکدر پر

بیدل
برق

تراب

تخل

تسلیم

تائب

تہور

توفیق

ثاقب

جنوں

